روشن ستارے

محمد یوسف اصلاحی

روشن ستارے



مولانا محمد یوسف اصلاحی

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

فہرست

تعارف	11
باب اوّل: علم دین	17
حضرت ابراہیمؑ نے دُعا مانگی	19
علم کی مثال	20
علم وحکمت کس لیے؟	20
علم وحکمت پر ظلم	20
خنزیر کے آگے موتی	20
علم کی حفاظت	20
علم وحکمت کا اصل حق دار	21
علم، دلِ مُردہ کی زندگی	21
سب سے بڑا عالم	21
طلبِ علم اور خاک ساری	22
سب سے افضل کون	22
علم کی محبت	22
علم وذکر کا مقابلہ	23
عالم کی دو قسمیں	23
حضرت معاذؓ کی آرزو	24
درس گاہ رسولؐ کے غریب طالب علم	25
آخرت میں غریب طالب علموں کا مرتبہ	26
اُمت کے سب سے بڑے عالم	27

حدیث کے معاملے میں زبردست احتیاط	28
حدیث سنانے میں احتیاط	28
امت کے سب سے بڑے قاری	29
بچپن میں حدیث سننے کا شوق	31
بچپن میں پڑھنے کی اہمیت	32
قرآن سے مثالی شغف	32
عالم دین کی عزت	35
طالب علموں کا استقبال	36
بے عمل عالم	37
نیک ماں کا دفینہ	37
علم کی قدر و قیمت	39
حکمت کی آٹھ باتیں	40
حدیث سے محبت	44
علم و عمل	45
لاعلمی اور اعتراف	45
استاد کا احترام	47
علم، دین و دنیا کی دولت	49
تلاوت قرآن	51
پڑھنے کا شوق	51
امام بخاریؒ کا غیر معمولی حافظہ	52
حافظہ کا امتحان	52
دارقطنیؒ کا عجیب و غریب حافظہ	53

حافظہ کا علاج	54
ذہانت کا امتحان	54
امام شافعیؒ کی طالب علمی	55
شاگرد سے محبت	56
بدترین علما	56
علم کے درجے	56
مطالعہ کا شوق	56
چٹورے طالب علم	58
نصیحت کا اثر	58
روشنی کے مینار	59
گود سے گور تک	59
تصنیف و تالیف	62
پڑھنے میں محنت	63
ذہانت اور دانائی	64
عالم اور بے نیازی	65
عالم کی قسمیں	66
حضرت انور شاہؒ کے زبردست حافظہ کا عجیب واقعہ	67
علم دین کی عظمت	68
عمل پر علم کی فضیلت کے پانچ وجوہ	69
حفاظت علم اور پانچ چیزوں کا اہتمام	69
طالب علم کے لیے چھ اجر	70
علم کے تین حرف	71

چار خلیفہ	75
بے مثال ذہانت اور حاضر جوابی (لطیفہ)	79
چار ہدایتیں	79
چار چشمے	80
چار علم	80
چار سوال چار جواب	81
چار مقولے	81
چار باتیں	82
چار دن	82
چار نصیحتیں	84
چار لفظ	85
چار محبتیں	85
چار دُعائیں	86
باب دوم: ایمان واخلاص	88
تین مسافر چٹان کی اوٹ میں	90
ایمان کی کشش	93
مؤذنِ رسول کا جذبۂ توحید	98
آزمائش کی عبرت آموز داستان	99
حضرت ابوہریرہؓ کی دیانت	106
رسولؐ سے والہانہ محبت	107
اظہارِ حق کا ولولہ	109
شوقِ شہادت	113

نرالی دُعا	115
مثالی تعلق	115
رسولؐ کی عظمت	116
خوف خدا	118
سب سے پہلے جنت میں جانے والے	119
عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	120
حضرت علیؓ قبرستان میں	121
ایمانی جرأت	122
موت سے محبت	129
آل رسولؐ کی عظمت	130
خدا سے خوش گمانی	131
آتش جہنم کا خوف	133
حقیقی دین داری	133
خوف آخرت	135
سچی توبہ	136
رب کے قرضے کی فکر	137
حلال روزی	142
دعا قبول نہ ہونے کے پانچ اسباب	143
بندوں سے بے نیاز	144
حیرت انگیز قربانی	145
توبہ کی چار علامتیں	149
ہار کے حیرت انگیز کرشمے	150

ایک عظیم بچے کی دیانت	162
دیدارِ رسولؐ	163
مومن کی بصیرت اور بے باکی	164
میدان حشر کا پہلا مقدمہ	166
ایک انمول حدیث قدسی	169
باب سوم: عبادت واطاعت	170
عبادت کی مٹھاس	171
طہارت	172
تین محبوب چیزیں	173
نبی کی آخری نماز	174
مسجد سے شغف	176
اطاعتِ رسولؐ	177
آخری تمنا	179
صحابہؓ کی شان	181
نماز کا شوق	181
نماز کی اہمت	182
جماعت کا اہتمام	183
خشوع وخضوع	184
وقت کی پابندی	185
تہجد کا اہتمام	185
جنت میں نبیؐ کے ساتھ	186
نماز میں یکسوئی	187

نماز کی برکت 187
نماز میں سکون 188
تہجد کا صلہ 188
عبادت کی برکت 190
نماز کے لیے ذہنی تیاری 191
اسلاف کا قول وعمل اور نماز 192
حضرت جنید بغدادیؒ کی کرامت 194
''زکاۃ'' حضرت شبلیؒ کی نظر میں 195
حج۔ حضرت جنید بغدادیؒ کی نظر میں 196
اورنگ زیب کی عبادت گزاری 201
نماز کی فکر 201

باب چہارم: اخلاق ومعاشرت

شہید؟ 204
اور لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا 205
ایک یتیم اور رسولؐ خدا 206
یتیم بچے کی دل جوئی 208
احساس فرض 210
زبان کی حفاظت 211
ایفاے عہد کی برکتیں 213
تواضع 214
گھر کی رونق 217
بہن سے محبت 217
219

بے مثال جرأت و بے نیازی	220
عبرت آموز اقوال	228
ابن مبارکؒ اور سفر کے ساتھی	229
سعید بن مسیبؒ کی صاحب زادی کا رشتہ	231
نکاح کے لیے انتخاب کا معیار	234
مقروض کی مدد کا مثالی انداز	236
ماں کے قدموں تلے جنت ڈھونڈنے والا	239
اخلاقی جرأت	241
صاف گوئی کا صلہ	242
پڑوسی کا ایمان افروز سلوک	243
مثالی ماں کی مثالی تعلیم	245
بدو کی حیرت انگیز سخاوت	249
خودداری	252
عفو و درگذر	253
تین کردار تین انجام	254
مخلوق خدا سے پیار	262
حق پسندی	263
عبرت پذیری	264
قناعت	265
صبر و استقامت	266
غیرت و حمیت	269

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

رات کی تاریکی میں کبھی آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھئے، نیلے، بلند اور وسیع گنبد میں قرینے سے بکھرے ہوئے ''روشن ستارے'' کتنے بھلے اور خوش منظر معلوم ہوتے ہیں۔

بے شک خدا نے ان نقرئی [1] نگینوں کے ذریعے آسمانی گنبد کو سجایا ہے۔

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ الملک 5:67

(اور ہم نے آسمان کو سجا دیا ہے روشن ستاروں کے چراغوں سے لیکن ان چراغوں کے وجود کا ایک اور مقصد بھی ہے)

﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾ النحل 16:16

(اور ان تاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں)

اندھیری راتوں میں چلنے والے قافلے لق ودق بیابانوں سے گزرنے والے راہی، سمندر کی حیران کن وسعتوں میں سفر کرنے والے مسافر، انھی روشن ستاروں کی راہ نُما روشنی میں اپنا سمتِ سفر متعین کرتے اور منزل کی راہ پاتے ہیں۔ اور یہی لوگ ان ''قدرتی راہ نماؤں'' کی حقیقی قدر و قیمت جانتے ہیں جو ان کی راہ نمائی میں اپنے سفر کا رُخ درست رکھتے ہیں۔

لیکن کچھ روشن ستارے زمین کی سطح پر بھی ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو آج بھی سطحِ زمین پر موجود ہوں گے، مگر بیشتر وہ ہیں جو سیرت و تاریخ کے اوراق میں اپنی آب و تاب کے ساتھ بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ ستارے آسمانی ستاروں سے قدر و قیمت میں کہیں بڑھ کر ہیں اور ان کے وجود اور فیض کی عظمت و اہمیت ان سے کہیں زیادہ ہے..... یہ ''روشن

---

(۱) چاندی

ستارے'' اصلاً تو سارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ پیارے صحابہؓ ہیں جو براہ راست آفتاب نبوت سے روشن ہوئے' جن کے سینوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفسِ نفیس ایمان وایقان کی روشنی بھرنے کی مبارک سعی فرمائی۔ان کے قلوب صحبت رسولؐ سے فیض یاب اوران کی آنکھیں دیدار رسولؐ سے منور ہوئیں' ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے انھیں ساتھیوں کو'' روشن ستارے'' کہا ہے،اوراس تشبیہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے،کہ جس طرح آسمان کے روشن ستارے اپنی روشنی میں مسافروں کوراہ کا پتہ دیتے ہیں اسی طرح زمین کے روشن ستارے بھی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔اُن کے کارنامے مشعل راہ ہیں،جن کی روشنی میں راہ حق کا مسافرسکون واطمینان کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرتا اورمنزل سے ہم کنار ہوتا ہے۔ان کے نقوش قدم کی پیروی کرنے والوں کوہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضمانت دی ہے کہ وہ راہ یاب ہیں۔آپؐ کا آرشاد ہے۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمُ اِھْتَدَیْتُمْ۔ (۱)

(میرے صحابہؓ روشن ستاروں کی طرح ہیں توان میں جس کی پیروی میں بھی تم راہ حیات طے کروگے ہدایت پاؤگے)

صحابۂ کرامؓ کے بعدسارے بزرگان دین ،علمائے امّت اورخادِمان اسلام بھی ہمارے لیے زندگی کے سفرمیں ''روشن ستارے'' ہیں جن کی پاکیزہ زندگیاں صحابہ کرامؓ کا آئینہ ہیں' اورجن میں ان کا صحیح صحیح عکس آیا ہے۔اورجوٹھیک ٹھیک ان نشاناتِ منزل پر چلے ہیں' جوصحابۂ کرامؓ چھوڑ گئے ہیں۔

ان کی پاک زندگی کی شعائیں،ان کے حُسنِ عمل کے چمکتے نمونے ،ان کے اعلیٰ اخلاق وکردارکی نورانی مثالیں،ان کے ایمان ویقین کی روشن کرنیں' اوران کے اچھے کارناموں کی حسین یادیں رہتی زندگی تک شاہراہِ اسلام پرچلنے والوں کے لیے نشانات منزل ہیں' نور کے منارے ہیں اوروہ روشن ستارے ہیں جن کی راہ نمارو شنی میں چلنے والے قافلے کبھی راہ حق سے نہیں بھٹک سکتے۔

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب قریش وذکر القبابل، ح۶۰۰۹،ص ۳۱۰/۳

یوں تو اسلاف کی پاکیزہ زندگیوں کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو سراسر عبرت اور نصیحت نہ ہو لیکن پھر بھی بعض پہلو اور واقعات کا کوئی ایک رُخ اتنا مؤثر اور فکر انگیز ہوتا ہے کہ ایمان آشنا دل لرز اٹھتے ہیں اور مومن کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔

دین سے غفلت کی اس عبرت ناک دور کی اہم ترین ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات اور کانا موں کی اشاعت ہو جن کو پڑھ کر اور سُن کر بچے اور نوعمر افراد اسلاف کی زندگیوں اور کارناموں سے واقف ہوں، اُن سے محبت کریں، اُن کی زندگیوں کو اپنے لیے نمونہ بنائیں، اور ان کے نقش قدم پر چلنے کے جذبے اور ولولے سے سرشار ہوں۔

اسلامی تاریخ وسیر کا مطالعہ کیجئے تو ان اوراق میں اسلاف کے ہزاروں واقعات اور کارنامے بکھرے ہوئے ملیں گے۔ اگرچہ ان واقعات پر صدیاں بیت چکی ہیں، لیکن آج بھی ان کو پڑھیے یا سنیے تو ایمان میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے، دل گرما جاتے ہیں اور عمل میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مرورِ زمانہ سے ان کی تازگی، تاثیر اور حرارت میں ذرّہ برابر فرق پیدا نہیں ہوا۔

کئی سال پہلے (غالباً سنہ ۱۹۶۲ء میں) دوران مطالعہ جب اس طرح کے کچھ واقعات اور کارنامے سامنے آئے تو بے اختیار جی چاہا کہ ان کو عام فہم زبان میں مؤثر ترتیب کے ساتھ جمع کیا جائے۔ اپنے اسلاف اور ان کے بصیرت افروز کارناموں سے دل چسپی کس کو نہیں ہوتی۔ نوعمر بچے تو خاص طور پر اس کے واقعات کو بڑے شوق اور جذبے کے ساتھ پڑھتے اور اثر لیتے ہیں، ارادہ کر لیا کہ نونہالوں اور نوجوانوں کو یہ تحفہ ضرور پیش کیا جائے، اور ترتیب کا کام شروع کر دیا، خیال یہ تھا کہ یہ مجموعہ چار حصّوں پر مشتمل ہوگا۔

اللہ کی توفیق سے کچھ ہی عرصہ میں اس سلسلے کے دو حصے ''دین کا علم'' اور ''ایمان واخلاص'' طبع ہو کر نوعمروں کے ہاتھوں میں پہنچے اور توقع سے زیادہ اللہ نے اس خدمت کو قبولِ عام بخشا۔ پچھلے کئی سالوں سے یہ دونوں حصّے برابر شائع ہو رہے ہیں اور اس مدت میں اللہ کے فضل سے ان کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

حصّہ سوم اور چہارم کی تیاری کا کام بھی غیر مربوط طور پر ہوتا رہا اور دونوں حصّوں کے بہت سے مضامین وقتاً فوقتاً شائع بھی ہوتے رہے.....لیکن ان دونوں حصوں کی اشاعت میں مختلف وجوہ سے تاخیر ہوتی رہی۔صحیح بات یہ ہے کہ خدا نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور وہ اُسی وقت انجام پاتا ہے چاہے انسان کچھ سوچے اور کچھ کرے۔اب کئی سال کے بعد جب ان حصّوں کی طباعت کا وقت آیا تو بعض بزرگوں نے مشورہ دیا کہ ان چاروں حصّوں کو الگ الگ شائع کرنے کے بجائے ایک ہی جلد میں شائع کیا جائے۔اور یہ چار حصّے ایک ہی کتاب کے چار ابواب قرار پائیں نیز واقعات کی ترتیب بدل دی جائے اور زمانی ترتیب کے لحاظ سے نئے سرے سے ان کو مرتب کیا جائے اور اس طرح کتاب زیادہ وقیع اور دل چسپ بھی ہو جائے گی اور اس کے افادے اور تاثیر میں بھی اضافہ ہوگا۔

ان گراں قدر مشوروں کی روشنی میں اب یہ کتاب ''روشن ستارے'' کامل شکل میں نئی ترتیب ، نئے انداز ،مناسب ترمیم اور گوناگوں مفید اضافوں کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔خدا کی ذات سے توقع ہے کہ اسلاف کے علمی شوق ومحنت کے یہ ایمان افروز نمونے ،ان کے ایمان واخلاص کے یہ رُوح پرور واقعات ،عبادات سے شغف کی ولولہ انگیز مثالیں، حُسنِ اخلاق ومعاملات کے شان دار کارنامے، دل ودماغ کو روشن کرنے والے بصیرت افروز اقوال وتجربات ان شاء اللہ سیرت وکردار کو بنانے ،دین کی تڑپ پیدا کرنے اور خدا اور اس کے بندوں سے سچا تعلق جوڑنے میں نہایت مؤثر اور نصیحت آموز ثابت ہوں گے۔

یہ مجموعہ چار ابواب پر مشتمل ہے' پہلے باب میں اسلاف کے ایسے واقعات جمع کئے گئے ہیں جن سے ان کے علمی ذوق وشوق' دینی علم کی قدر وعظمت اور اس کے لیے سخت محنت وکاوش کا پتہ چلتا ہے اور بے اختیار کچھ ایسا ہی بننے اور ایسا ہی کرنے کو جی چاہتا ہے۔

دوسرے باب میں اسلاف کے ایمان واخلاص کے ایسے نادر اور نصیحت انگیز واقعات جمع کئے گئے ہیں جن سے ایمان کو تازگی ملتی ہے' اور خدا سے سچے تعلق کی برکتیں

حاصل کرنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ تیسرے باب میں اسلاف کی عبادت واطاعت کے ایمان افروز واقعات ہیں جن کے مطالعہ سے اپنی عبادتوں کو سنوارنے اور خدا سے مخلصانہ تعلق جوڑنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، چوتھے باب میں اسلاف کے اعلیٰ اخلاق اور اچھے معاملات کے وہ مثالی واقعات اور نمونے جمع کئے گئے ہیں، جن کے مطالعہ سے سیرت وکردار کو بنانے اور خدا کے بندوں سے اُلفت ومحبت اور پیار کرنے کا جذبہ اُبھرتا ہے۔

خدا سے دُعا ہے کہ وہ اس خدمت دین کو قبول فرمائے اور مرتب کی کوتاہیوں سے درگزر فرماتے ہوئے دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین

محمد یوسف

مکتبہ مرکزی رام پور

۴۔ نومبر ۱۹۸۰ء

۱۳ محرم ۱۴۰۱ھ

اللہ تعالیٰ نے

اپنے دوست حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا میں

علیم ہوں.....اور

علم والوں سے محبت کرتا ہوں

(حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح مقدمہ ج ا ص ۷)

باب اوّل

علمِ دین

اپنے اسلاف کے ایسے واقعات واقوال جن سے دلوں میں علمِ دین کی قدروعظمت پیدا ہوتی ہے۔حصولِ علم کی راہ میں مصائب برداشت کرنے کا حوصلہ بڑھتا ہے اور علم کے میدان میں آگے بڑھتے رہنے کا جوش وولولہ پیدا ہوتا ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خودآگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

عطّار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی

نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللّٰہی

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اِقبالؒ

حضرت ابراہیمؑ نے دُعا مانگی

اے میرے رب!

ان لوگوں میں انھیں کی قوم سے ایک ایسا رسولؐ اٹھا

۱۔ جو انھیں تیری آیات پڑھ پڑھ کر سنائے۔

۲۔ انھیں کتاب کی تعلیم دے۔

۳۔ انھیں حکمت سکھائے۔

۴۔ اور ان کی زندگیاں سنوارے۔

خدا نے اپنے محبوب بندے کی دُعا قبول فرمائی۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔

عرفات کا میدان، تقریباً ڈیڑھ لاکھ کا مجمع اور اُمّتِ مسلمہ کی تاریخ گواہ ہے کہ آپؐ نے ان چاروں کاموں کا حق ادا کر دیا۔

علم کی مثال

خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ''انسان کے سینے میں علم کی مثال ایسی ہے، جیسے اندھیرے گھر میں چراغ۔''

علم وحکمت کس لیے؟

خدا کے پیارے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

''میرے ساتھیو! میں تمھیں حکمت اور دانائی کی باتیں اس لیے نہیں سکھاتا ہوں کہ تم بیٹھے بیٹھے ان پر تعجب کرو اور ان کی داد دیتے رہو، میں تمھیں حکمت اور دانائی کی تعلیم اس لیے دیتا ہوں کہ تم اس پر عمل کرو۔''

علم وحکمت پر ظلم

''میرے بھائی عیسیٰ ؑ بن مریم نے بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔'' ایک خطبہ کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا۔

''لوگو! علم وحکمت ان لوگوں کو نہ سکھاؤ جو اس کے اہل نہیں ہیں اس لیے کہ نااہلوں کو علم وحکمت سکھانا، علم وحکمت پر ظلم ہے اور جو اس کے اہل ہیں ان کو علم وحکمت سے محروم نہ رکھو۔ اہلیت رکھنے والوں کو علم وحکمت نہ پہنچانا ان پر ظلم ہے۔''

خنزیر کے آگے موتی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے ''لوگو! خنزیر کے آگے موتی نہ ڈالو وہ موتی کی قدر نہیں جانتا، جس کو علم وحکمت کی چاہ نہ ہو اس کو ہرگز نہ سکھاؤ۔ حکمت موتی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ اور جو شخص علم وحکمت کا طالب نہیں ہے وہ خنزیر سے زیادہ بدتر ہے۔

علم کی حفاظت

بہت مشہور اور پُرانا مقولہ ہے۔ ''علم کی سب سے بڑی حفاظت یہ ہے کہ اس پر عمل

کیا جائے۔اوران لوگوں کوعلم سکھایا جائے جواس کے اہل ہوں علم آگ کی طرح ہے جو جلتے رہنے اور خرچ ہونے سے نہیں بجھتی ہاں اگر اُسے ایندھن نہ ملے تو بجھ جاتی ہے۔علم کام میں آنے سے کم نہیں ہوتا ہاں اگر اس کو قدرداں نہ ملیں تو مٹ جاتا ہے۔''

علم وحکمت کا اصل حق دار

اپنے حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

''میرے ساتھیو!علم وحکمت کی باتیں کرنے والا اور علم وحکمت کی باتیں سننے والا دونوں علم وحکمت میں شریک ہیں لیکن علم وحکمت کا اصل حق دار وہی ہے جو اس پر عمل کرے۔

میرے ساتھیو!اندھے کو بھلا روشن سورج سے کیا فائدہ؟ جب وہ اس سے فائدہ ہی نہیں اٹھاتا۔''

عِلم، دلِ مُردہ کی زندگی

''بیٹے !اب تمھاری سوجھ بوجھ اور حکمت کس منزل میں ہے؟ سوڈان کے بزرگ حکیم لقمان نے اپنے بیٹے سے پوچھا۔

''ابا!میں بے فائدہ باتوں سے دور رہنے لگا ہوں'' دانا حکیم کے دانا بیٹے نے جواب دیا۔

''بیٹے !ابھی تمھاری دانائی میں کچھ کسر باقی ہے۔دیکھو!علم والوں کی صحبت میں بیٹھا کرو۔بیٹے !خدا تعالیٰ علم وحکمت کے نور سے مردہ دلوں کو اسی طرح زندگی بخشتا ہے جس طرح بارش سے ''مُردہ زمین لہلہا اٹھتی ہے'' دانا حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

سب سے بڑا عالم

سوڈان کے بزرگ حکیم لقمان سے کسی نے سوال کیا

''حضرت !دنیا میں سب سے بڑا مال دار کون ہے؟''

حضرت لقمان نے جواب دیا''سب سے بڑا مال دار وہ ہے جو ہر حال میں اپنے ہی

سرمائے پر قناعت کرے، اور جس کے دل میں ذرا بھی حرص اور لالچ نہ ہو۔''

اس نے پھر سوال کیا۔

''حضرت! دُنیا میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟''

''سب سے بڑا عالم وہ ہے جو دوسروں کے علم سے برابر اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے۔'' حضرت لقمان نے جواب دیا۔

طلبِ علم اور خاک ساری

سوڈانی حکیم نے اپنے پیارے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

''پیارے بیٹے! علما سے کبھی کٹ حجتی نہ کرنا۔ کہ تم ان کی نظروں سے گر جاؤ گے اور پھر تمھیں اپنے پاس پھٹکنے نہ دیں گے۔

اور دیکھو! جاہلوں سے کبھی بحث وتکرار نہ کرنا، بے وقوفوں سے الجھو گے تو وہ گالی گلوج پر اُتر آئیں گے، اور تمھیں ذلیل درسوا کرنے کی کوشش کریں گے۔

علم والے چھوٹے ہوں یا بڑے ان کے ساتھ تحمل اور برداشت سے کام لینا اس لیے کہ علم والوں کے درمیان وہی کھپ سکتا ہے جو نرمی اور خاک ساری سے پیش آتا ہے اور علم کا حریص ہوتا ہے۔''

سب سے افضل کون

حضرت لقمان سے کسی نے پوچھا ''سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا ''مومن عالم''۔ اس کے پاس ہمیشہ بھلائی اور اچھائی ہی ملے گی۔''

علم کی محبت

ایک بار پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مسجد میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور آپؐ نے سرخ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ صفوانؓ بن عسال آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسولؐ میں قبیلۂ مُراد کا ایک آدمی ہوں، علم کی تلاش میں گھر سے نکلا

ہوں، اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے، اٹھ کر ان کا استقبال کیا، دعائیں دیں اور فرمایا جب کوئی شخص علم کی طلب میں گھر سے نکلتا ہے' تو رحمت کے فرشتے ہر طرف سے اس کو گھیر لیتے ہیں، اس پر اپنے پروں کا سایہ کرتے ہیں۔ سب اس کے پاس بھیڑ لگا لیتے ہیں اور علم سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ شوق میں سب سے نچلے آسمان تک چلے آتے ہیں۔

علم و ذکر کا مقابلہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اپنی مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ دو مجلسیں جمی ہوئی ہیں، ایک مجلس کے لوگ ذکر و تسبیح میں مشغول ہیں اور دوسری مجلس کے لوگ علم دین سیکھنے سکھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا دونوں ہی مجلسوں کے لوگ نیکی اور بھلائی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، لیکن ان میں سے ایک مجلس دوسری مجلس سے افضل اور بہتر ہے۔ یہ لوگ تو اپنے خدا کی یاد اور استغفار میں لگے ہوئے ہیں' خدا چاہے گا تو ان کو دے گا، نہ چاہے گا تو نہ دے گا رہے یہ دوسرے لوگ تو یہ خود دین سیکھنے اور ناواقفوں کو سکھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ فرمایا اور آپ بھی انھیں پڑھنے پڑھانے والوں میں بیٹھ گئے۔

عالم کی دو قسمیں

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا ''اس اُمّت کے عالم دو قسم کے ہیں، ایک تو وہ عالم ہے جس کو خدا نے دین کا علم بخشا اور اس نے خوب خوب لوگوں کو سکھایا۔ اور لوگوں سے سکھانے کے بدلے میں نہ چاندی سونا لیا اور نہ کوئی اور بدلہ مانگا۔

ایسے نیک عالموں کے لیے آسمان کے پرندے' زمین کے جانور' پانی کی مچھلیاں اور فرشتے سب ہی دُعا کرتے ہیں..... دوسرا عالم وہ ہے جس کو خدا نے علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ لیکن اس نے خدا کے بندوں کو کچھ نہ سکھایا، جو سکھایا اُس کا بدلہ لیا۔ دُنیا کا فائدہ کمایا، چاندی سونا بٹورا۔ ایسا عالم قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ

میں آگ کی لگام لگی ہوئی ہوگی۔توبہ توبہ!

مہکتے پھول

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں،آپ کے والد کا نام حضرت مسعودؓ تھا۔بہت بڑے علامہ تھے،صحابۂ کرامؓ ان کے علم کی بڑی قدر کرتے تھے،کوفہ میں انھوں نے قرآن کی ایک مجلس قائم کی تھی،جس میں بڑے بڑے عالم شریک ہوتے،اور قرآن شریف کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش کرتے، آپؓ کو علم سے بڑی محبت تھی۔جب کبھی لڑکوں کو پڑھتے دیکھتے تو خوشی سے جھوم جاتے،اور فرماتے ''شاباش بچو!تم حکمت اور دانائی کے سرچشمے ہو،دنیا کی اندھیریوں کے لیے روشنی ہو،تم پھٹے پرانے کپڑوں میں ہو،لیکن تمھارے دل تر و تازہ ہیں،تم علم کی خاطر دُنیا کے دھندوں سے الگ حجروں میں قید ہو،تم قوم وملّت کے مہکتے پھول ہو۔''

حضرت معاذؓ کی آرزو

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ بڑے مرتبے والے صحابی ہیں' پیارے رسولؐ نے خود انھیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کی بڑی قدر تھی،فرماتے تھے۔''عورتیں اب معاذؓ جیسا آدمی پیدا نہیں کر سکتیں!''

آپؓ کو عالموں کی صحبت کا بڑا شوق تھا،جب آپؓ کا آخر وقت ہوا تو اپنی باندی سے پوچھا۔''کیا صبح ہوگئی ؟''باندی نے کہا ابھی نہیں۔''آپؓ کچھ دیر چپ رہے پھر پوچھا۔باندی نے کہا''جی ہاں،اب صبح ہوگئی ہے۔''یہ سن کر آپؓ نے ایک آہ بھری اور فرمایا''خدا ایسی صبح سے بچائے جو دوزخ کی طرف لے جانے والی ہو''پھر فرمایا،''اے موت،اے اچھے مہمان،مرحبا تو ایسے گھر میں آیا ہے جس میں فاقہ ہے،پھر آپؓ نے اپنے خدا کو پکارا۔اے اللہ!تو خوب جانتا ہے کہ معاذؓ دنیا میں رہنے کی آرزو اس لیے ہرگز نہیں رکھتا کہ یہاں باغ لگائے' نہریں نکالے۔وہ تو بس اس لیے دنیا میں رہا کہ تکلیفوں میں لمبی لمبی راتیں کاٹ دے' اور گرمی کے دنوں میں سخت پیاس کی تکلیف برداشت کرے' دنیا میں

رہنے کی آرزو اگر اُسے ہے تو صرف اس لیے کہ وہ علمی مجلسوں میں بیٹھے اور علما کے ہجوم میں رہے۔"

درس گاہ رسولؐ کے غریب طالب علم

مسجد نبویؐ کے برابر میں ایک پٹا ہوا چبوترہ تھا۔اس چبوترے پر وہ لوگ رہا کرتے تھے جو علم کے شوق میں یہاں پڑے رہتے تھے، نہ ان کا کہیں گھر بار تھا، نہ کوئی کاروبار، نہ انھیں دنیا کے معاملات سے کوئی دل چسپی تھی اور نہ کسی دھندے سے۔ بس دن رات اسی چبوترے پر پڑے رہتے۔ کچھ مل جاتا کھا لیتے ورنہ بھوکے رہتے علم کے شوق نے انھیں ہر چیز سے بے فکر کر رکھا تھا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں اور قرآن شریف کے سوا اور انھیں کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ ان لوگوں کو اصحاب صُفہ کہتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کے فقر و فاقہ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے خود سناتے ہیں کہ ایک دن مارے بھوک کے میرا بُرا حال تھا۔ میں اس راستے پر جا کر بیٹھ گیا جہاں سے پیارے صحابہؓ آتے جاتے تھے، کہ شاید کسی کو ترس آجائے۔ تھوڑی دیر میں حضرت ابو بکرؓ گزرے۔ میں نے بڑھ کر سلام کیا اور بہانہ کر کے ان سے قرآن شریف کی ایک آیت پوچھنے لگا۔ وہ میرا مطلب نہ سمجھ سکے اور قرآن کی آیت بتا کر روانہ ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کا گزر ہوا میں نے ان سے بھی اسی طرح ایک آیت پوچھی، وہ بھی نہ سمجھ سکے اور آیت بتا کر چل دیئے۔ ان کے بعد دو جہاں کے سردار تشریف لائے۔ مجھے دیکھا تو مسکرائے اور سمجھ گئے کہ میں بھوک سے بے چین ہوں، فرمایا ابو ہریرہ! آؤ میرے ساتھ آجاؤ۔ میں پیچھے پیچھے چل دیا۔ آپؐ مجھے اپنے گھر لے گئے، گھر میں دودھ کا ایک پیالہ بھرا ہوا رکھا تھا۔ آپؐ نے گھر والوں سے پوچھا یہ پیالہ کیسا ہے؟ گھر والوں نے بتایا۔ یا رسول اللہؐ! یہ فلاں آدمی نے آپؐ کے لیے تحفہ بھیجا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور مجھ سے فرمایا ابو ہریرہ جاؤ اپنے تمام ساتھیوں کو بلا لاؤ، سب بھوکے ہوں گے۔ یہ سن کر مجھے بہت غم ہوا۔ دل میں کُڑھنے لگا کہ اس بھوک میں یہ ایک کٹورا دودھ

تو میرے لیے بھی کافی نہیں ہے، اور آپؐ سارے اصحاب صُفّہ کو بلا رہے ہیں۔ اصحاب صُفہ ایک تو ہے نہیں لگ بھگ چالیس آدمی ہیں ایک کٹورے میں سب کا کیا بھلا ہوگا! پھر یہ سوچ کر اور بھی میرا دل بیٹھنے لگا کہ جب میں ان لوگوں کو بلا کر لا رہا ہوں تو حضورؐ مجھ ہی سے پلانے کے لیے بھی فرمائیں گے اور میرا نمبر سب سے بعد میں آئے گا پھر بھلا میرے لیے کیا بچے گا؟ یہ سب کچھ سوچتا اور کُڑھتا ہوا میں ان لوگوں کو بلانے کے لیے چل دیا۔ مسجد نبویؐ سے سب کو ساتھ لیا اور پیارے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے سب کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ سب لوگ ایک ترتیب سے خاموش بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ابو ہریرہ! لو یہ دودھ کا پیالہ اور باری باری سب کو پلاؤ۔ میں سب کو باری باری پیالہ دیتا گیا۔ ہر ایک نے خوب پیٹ بھر بھر کر پیا مگر خدا کی شان کہ پیالے میں دودھ اتنا کا اتنا ہی رہا۔ ذرا بھی کم نہ ہوا۔ میں سب کو پلاتے ہوئے رسول اللہؐ کے پاس پہنچا اور آپؐ کو پیش کیا۔ آپؐ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ آپؐ نے پیالہ میرے ہاتھ سے لیا اور مسکراتے ہوئے بولے ابو ہریرہ! اب تو ہم تم دو ہی آدمی رہ گئے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے فرمایا اچھا بیٹھو اور پیو۔ میں نے خوب پیٹ بھر کر پیا۔ آپؐ نے فرمایا ابو ہریرہ اور پیو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اب تو ذرا بھی گنجائش نہیں ہے' آپؐ نے فرمایا اچھا لاؤ پیالہ مجھے دو میں نے آپؐ کی خدمت میں پیالہ پیش کر دیا۔

آپؐ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی پاکی اور حمد بیان کی اور پھر بسم اللہ کر کے بچا ہوا دودھ نوش فرمایا۔

آخرت میں غریب طالب علموں کا مرتبہ

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درس گاہ میں رہنے والے طالب علم بڑے ہی غریب تھے۔ نہ ان کے پاس کھانے کو تھا نہ پہننے کو۔ لوگ انھیں پھٹے حالوں دیکھ کر سمجھتے کہ دیوانے ہیں، اور ان کی طرف ذرا توجہ نہ کرتے مگر اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ

تھا۔ کیوں کہ انھوں نے دنیا کا عیش وآرام دین کی خاطر چھوڑ رکھا تھا اور دینی علم حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنی دنیا بگاڑی تھی۔

حضرت ابوسعید انصاریؓ مشہور صحابی ہیں، ایک دن کا قصّہ سناتے ہیں کہ میں ایک دن اصحاب صُفّہ کے پاس جا کر بیٹھا۔ میں نے دیکھا کہ اُن کے پاس تن ڈھکنے کو کپڑے نہیں ہیں، بدن چھپانے کے لیے ایک دوسرے کی آڑ لیے بیٹھے ہیں۔ اور ایک صاحب نہایت سکون سے قرآن شریف پڑھ پڑھ کر سُنا رہے ہیں۔ اتنے میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں تشریف لائے۔ پڑھنے والے صاحب خاموش ہو گئے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو سلام کیا اور پوچھا تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا قرآن شریف کی تلاوت ہو رہی تھی۔ آپؐ بہت خوش ہوئے، خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا ساری تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے میری اُمت میں دین کا شوق رکھنے والے تم جیسے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کے ساتھ رہوں، پھر آپؐ انھیں لوگوں کے بیچ میں سب کے ساتھ بیٹھ گئے اور لوگوں کو اشارہ فرمایا کہ گھیرا بنا کر بیٹھ جائیں۔ سب گھیرا بنا کر بیٹھ گئے اور آپؐ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

آپ نے فرمایا۔ اے غریب مہاجرو! سنو تمھیں ایک خوش خبری سناتا ہوں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمھیں نور بخشے گا۔ اور مال دار لوگوں سے آدھے دن پہلے ہی تم جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ جانتے ہو یہ آدھا دن کتنا بڑا ہوگا، پورے پانچ سو سال کے برابر تم سب غریب مہاجر جنت میں مزے کر رہے ہو گے اور مال دار لوگ اپنا حساب چکانے میں لگے ہوئے ہوں گے۔

اُمّت کے سب سے بڑے عالم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا سے تشریف لے گئے اور یہ سوال پیدا ہوا کہ اب خلیفہ کس کو منتخب کیا جائے اور کس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک فصیح وبلیغ تقریر فرمائی۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں' انصار کی فضلیت سے متعلق کوئی آیت

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث ایسی نہ ہوگی جو آپؓ نے اپنی اس تقریر میں نقل نہ فرمائی ہو۔

صحابہؓ فرماتے تھے، ہمارے درمیان دین کے سب سے بڑے عالم حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔

حدیث کے معاملے میں زبردست احتیاط

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں' ابا جان نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ سو حدیثوں کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔

ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ انتہائی بے چین اور پریشان ہیں' بار بار کروٹیں بدل رہے ہیں۔ان کی یہ حالت دیکھ کر میں پریشان ہوگئی ۔قریب پہنچی اور پوچھا، ابّا جان کیا تکلیف ہے؟ کیا کوئی پریشانی کی بات سننے میں آئی ہے؟ اور ساری رات آپ نے اسی پریشانی اور بے چینی میں گزاری ،صبح ہوئی تو فرمایا۔ بیٹی وہ حدیثیں جو میں نے تمھارے پاس جمع کرائی تھیں ذرا اٹھالاؤ، میں اٹھالائی۔اور آپ کو دے دیں' آپ نے وہ سارا مجموعہ جلا ڈالا' میں نے حیران ہو کو پوچھا۔ابّا اتنی محنت اور شوق سے جمع کیا ہوا ذخیرہ آپ نے جلا کیوں دیا۔فرمایا مجھے اس فکر سے پریشانی تھی کہ ایسا نہ ہو میں مرجاؤں اور یہ مجموعہ میرے پاس ہو،اس مجموعے میں وہ حدیثیں بھی ہیں جو میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہیں اور وہ حدیثیں بھی ہیں' جو دوسروں سے سُن کر میں نے نقل کی ہیں، مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ حدیثیں جو دوسروں سے سن کر میں نے جمع کی ہیں حقیقت میں وہ قابل اعتبار نہ ہوں ان میں کوئی گڑ بڑ ہو اور اس کا وبال میری گردن پر رہے۔

حدیث سنانے میں احتیاط

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ صحابہؓ میں بہت بڑے عالم مانے جاتے تھے، اکثر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتے۔رسول اللہؐ ان سے بہت خوش تھے،اور ان کو اجازت دے دی تھی کہ یہ جب چاہیں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔صحابہؓ ان کو صاحب النّعل یعنی جوتے والے کہتے تھے۔اس لقب پر ان کو بہت

فخر تھا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنا اور آپؐ کی جوتیاں اٹھانا بہت بڑے فخر کی بات ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں۔ جب ہم لوگ یمن سے آئے تو دیکھا کہ یہ ہر وقت پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں بے روک ٹوک جاتے ہیں تو ہم بہت دنوں تک انھیں پیارے رسولؐ کے گھر کا آدمی سمجھتے رہے۔ پیارے رسولؐ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ جو بات تم سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہیں اسے سچ سمجھو، اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم بالکل میری طرح قرآن شریف پڑھنا چاہو، تو حضرت عبداللہؓ کی طرح پڑھو۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود حدیث بیان کرنے میں آپؓ اتنی احتیاط فرماتے تھے' کہ حضرت ابوعمرو شیبانیؓ کہتے ہیں:۔ میں ایک سال برابر حضرت کے پاس رہا لیکن میں نے کبھی ان کے منہ سے یہ نہیں سُنا کہ حضورؐ نے یوں فرمایا تھا۔ عمرو ابن میمونؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ ان کے منہ سے یہ لفظ نکل گیا کہ حضورؐ نے یوں فرمایا تو بدن کانپنے لگا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور خوف کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر فرمانے لگے۔ ان شاء اللہ رسولؐ خدا نے یوں فرمایا تھا، یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی تھی، یا اس سے کچھ کم فرمایا تھا یا زیادہ۔

اُمّت کے سب سے بڑے قاری

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت کے سب سے بڑے قاری ابیؓ بن کعب ہیں، آپؓ پابندی سے تہجد میں قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے اور آٹھ راتوں میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے اسلام سے پہلے پڑھنے لکھنے کا رواج بہت کم تھا، اور کم ہی لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اُبیؓ بن کعب بھی اسلام لانے سے پہلے ہی سے لکھنا جانتے تھے، آپؓ اکثر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور وحی نازل ہوتی تو وحی کی کتابت فرماتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں آپؓ نے پورا قرآن حفظ کر لیا تھا، ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ ابی مجھے خدا کی جانب سے یہ ہدایت ملی ہے کہ تمھیں قرآن سناؤں، عرض کیا، یارسول اللہؐ! کیا خدا نے میرا نام لے کر آپؐ سے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ آپؐ نے

فرمایاہاں تمھارانام لے کر مجھے یہ ہدایت فرمائی ہے۔اُبیؓ ابن کعب نے یہ سُنا تو مارے خوشی کے رونے لگے۔

علم ایک چشمہ ہے

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ان کے والد آتش پرست تھے۔ایک دن یہ اپنے کھیت پر جارہے تھے‘راستے میں عیسائیوں کو گرجا میں نماز پڑھتے دیکھا‘ بہت متأثر ہوئے اور پھر عیسائیوں کے ساتھ فارس سے شام چلے گئے۔پھر کئی سال مختلف پادریوں کے پاس رہے۔ پادریوں نے انھیں بتایا کہ حجاز میں اللہ کے آخری رسولؐ آنے والے ہیں اور آپؐ کی کچھ علامتیں بتائیں۔حضرت سلمانؓ عرب پہنچے،اور پادریوں کی بتائی ہوئی تمام علامتیں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائیں ..... چنانچہ ایمان لائے،صحابہ کرامؓ میں آپ کا بہت بڑا درجہ ہے، پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے،سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں۔غزوۂ خندق میں انھی کے مشورے سے پیارے رسولؐ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تھا۔ بہت دنوں تک مدائن کے گورنر رہے‘جو تنخواہ ملتی سب غریبوں میں خیرات کر دیتے اور دست کاری کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے..... یہ مسلمان ہونے سے پہلے اپنے دین کے بھی بڑے عالم تھے اور مسلمان ہونے کے بعد یہ اسلام کے بھی بہت بڑے عالم ہوئے۔ان کی دانائی کی بہت سی اچھی اچھی باتیں مشہور ہیں۔ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ علم ایک چشمہ ہے،جس پر لوگ آتے ہیں اور اس سے اپنے لیے نالیاں نکالتے ہیں‘اللہ تعالیٰ کی توفیق ہوتی ہے تو بہت سے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں‘اگر کوئی حکمت خاموش ہو تو سمجھ لو کہ وہ ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں،اگر کوئی علم ایسا ہے کہ اس کا اظہار نہیں ہوتا تو وہ ایسا خزانہ ہے جو زمین میں دفن کیا ہوا ہے اور کوئی اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ عالم دین کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیرے راستے میں لوگوں کو چراغ دکھاتا ہے، کہ لوگ اس کی روشنی میں چلیں اور اس کو دل سے دعائیں دیں۔

علم کے لیے سفر

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں' مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے پہلے میزبان ہیں آپ کا نام خالد ابن زید ہے' اور آپ کی قبر قسطنطنیہ میں شہر پناہ کے نیچے ہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں سُننے کا آپؓ کو بہت شوق تھا۔ ایک بار کا قصّہ خود ہی سُناتے ہیں کہ حضرت عقبہؓ سے ایک حدیث سننے کے لیے میں نے مصر تک کا سفر کیا۔ جب حضرت عقبہؓ کے یہاں پہنچا تو وہ بہت خوش ہوئے اور خاطر مدارات کرنے لگے۔ میں نے کہا حضرت، میں صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سُن لوں، اب آپ کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے وہ حدیث رسول اللہؐ سے سنی ہو۔

عقبہؓ دوزانو ہو بیٹھے اور فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے دنیا میں کسی مومن بھائی کی کوئی برائی چھپائی، قیامت کے دن خدا اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔''

حدیث سنتے ہی حضرت ابوایوبؓ اونٹ پر سوار ہوئے اور مدینے کی راہ لی۔

بچپن میں حدیث سننے کا شوق

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی وفات کے وقت میں چھوٹا سا تھا۔ ایک انصاری لڑکا میرا ہم جولی تھا۔ ایک دن میں نے اس سے کہا چلو پیارے رسولؐ کے صحابہؓ سے علم حاصل کریں۔ خدا کا شکر ہے ابھی یہ لوگ موجود ہیں۔

انصاری لڑکا ہنسا اور بولا ارے میاں! تم بھی عجیب آدمی ہو! صحابہؓ کے ہوتے بھلا لوگوں کو ہمارے علم کی کیا ضرورت پڑی ہے؟ خیر میں نے اس کی بات کا اثر نہیں لیا اور حدیث کا علم حاصل کرنے لگا۔ میں نے حدیث کے لیے بڑے بڑے سفر کئے۔ کبھی معلوم ہوتا کہ فلاں حدیث فلاں صحابی کے پاس ملے گی اور میں ان کے پاس دوڑ کر جاتا۔ معلوم ہوتا کہ وہ قیلولے میں ہیں' تو میں وہیں ان کے دروازے پر اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر پڑا رہتا اور گرم لُو کے تھپیڑوں سے میرا چہرہ جھلستا رہتا۔ جب رسول کے صحابیؓ گھر سے نکلتے،

مجھے اس حال میں دیکھ کر بہت متأثر ہوتے اور شفقت سے فرماتے، اے رسول خدا کے بھائی آپ نے کیسے زحمت فرمائی، میں کہتا میں نے سنا ہے کہ آپ رسول اللہؐ کی فلاں حدیث بیان فرماتے ہیں، اسی کو سننے کے شوق میں حاضر ہوا ہوں' صحابیؓ فرماتے۔ آپؐ نے کسی کو بھیج دیا ہوتا میں خود حاضر ہو جاتا۔ میں جواب دیتا نہیں نہیں اس کام کے لیے مجھے خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے تھا۔

اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابی گزر گئے اور لوگ ان کے دیدار سے محروم ہو گئے۔ تو وہی انصاری لڑکا دیکھتا کہ لوگوں کو اب میری کیسی ضرورت ہے، اور وہ حسرت سے کہتا۔ ابن عباسؓ! بیشک تم مجھ سے بہت زیادہ عقل مند نکلے۔

بچپن میں پڑھنے کی اہمیت

حضرت عُروَہ ابن زبیرؓ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے۔ پیارے بچو! آؤ مجھ سے پڑھو، سیکھو' جلد وہ دن آنے والے ہیں کہ تم بڑے ہو گے، قوم کے ذمہ دار ہو گے۔ پہلے میں بھی تمھاری طرح چھوٹا تھا۔ اور کوئی میری پروانہ کرتا تھا۔ لوگوں کی نظر میں میری اور میرے کاموں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ لیکن جب میں جوان ہوا تو لوگ ہر طرف سے دوڑ دوڑ کر میرے پاس آنے لگے اور مجھ سے فتوے لینے لگے۔ اس سے بڑا عیب اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی سے اس کے دین کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ کہے میں نہیں جانتا۔

حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے، بچپن میں تحصیل علم پتھر کی لکیر کی طرح ہے۔

قرآن سے مثالی شغف

حضرت عقبہؓ بن عمرو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا، اس کا جاننے والا میری نظر میں عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود فرماتے ہیں' قرآن پاک کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں یہ نہ بتا سکوں کہ وہ کب نازل ہوئی، کہاں نازل ہوئی اور کس بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر میں تھے' کہ راستے میں ایک قافلے سے ملاقات ہوگئی حضرت عمرؓ نے معلوم کرایا کہ قافلہ کہاں کا ہے۔

ایک نوجوان نے کہا کہہ دو اَقْبَلْنَا مِنَ الْفَجِّ الْعَمِيْقِ (یعنی ہم دور دراز مقام سے آرہے ہیں) اس پر حضرت عمرؓ نے معلوم کرایا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ پھر اسی نوجوان نے جواب میں کہلوایا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ [1] (یعنی قدیم گھر کی طرف جارہے ہیں)

یہ جوابات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ان سے پوچھو قرآن پاک میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے۔ نوجوان نے قافلے کے آدمی سے کہا، اونچی آواز سے آیت الکرسی سنادو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا ان سے معلوم کرو قرآن پاک کی وہ کون سی آیت ہے جس کی ہر ہر جز پر عمل کرنا ضروری ہے۔

جواب میں نوجوان نے کہلوایا۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ﴾ [2] النحل 9:16

یہ جوابات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا، ان سے دریافت کرو قرآن پاک کی سب سے زیادہ جامع آیت کون سی ہے؟ اسی نوجوان نے جواب میں کہلوایا۔

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ [3]

الزلزال 8:99_7

---

(۱) ان دونوں جوابوں کا لطف حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک کی ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھئے جن میں فَجٍّ عَمِيْقٍ اور بَيْتِ عَتِيْقٍ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

﴿ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴾ الحج 27:22

اور لوگوں کو حج کے لیے اِذن عام دے دو کہ وہ تمھارے پاس پیدل اور اونٹوں پر سوار دور دراز مقام سے آئیں۔

﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ الحج 29:22

پھر اپنا میل کچیل دور کریں، اپنی نذریں پوری کریں' اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ عدل واحسان کا، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا، اور منع کرتے ہیں بدی اور بے حیائی سے، ظلم وزیادتی سے

(۳) تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان سے سوال کرو کہ کون سی آیت ہے جو آدمی کو لرزا دیتی ہے۔ نوجوان نے جواب میں کہلوایا۔

﴿لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ (۱)

النساء 123:4

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے آدمی سے کہا ان سے پوچھو قرآن میں وہ کون سی آیت ہے جو سب سے زیادہ پُرامید بنانے والی ہے، نوجوان نے اپنے آدمی سے کہا، کہہ دو یہ آیت ہے۔

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (۲)

الزمر 53:39

یہ جوابات سن کر حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تمھارے قافلے میں عبداللہ بن مسعودؓ موجود ہیں؟ قافلے والوں نے جواب دیا جی ہاں موجود ہیں۔ یہ جوابات دینے والے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی تھے۔

دین و دُنیا کی بزرگی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر اپنی بیوی کے ساتھ ایک میدان میں بیٹھے ہوئے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک قافلہ ہے اور سب لوگ اونٹوں پر سوار چلے آرہے ہیں۔ اور ایک نوجوان اونٹ پر بیٹھا مستی اور جوش میں گا رہا ہے۔

''میں گندمی رنگ والا ایک حسین جوان ہوں، جاننے والے جانتے ہیں، حسین نوجوان عرب کے خوش حال گھرانوں کے چشم و چراغ ہوتے ہیں، میں اس سخی داتا کی طرح ہوں جو اوپر منہ تک ڈول بھر کر دیتا ہے میری نقالی کرنا آسان نہیں ہے''۔ حضرت معاویہؓ غور سے اس کے اشعار سُن رہے تھے، لوگوں سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے کہا

---

(۱) انجام کار نہ تمھاری آرزوؤں پر موقوف ہیں نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا، اس کا پھل ضرور پائے گا۔

(۲) اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

حضور یہ حضرت جعفرؓ کی اولاد میں سے ہیں۔فرمایا اچھا راستہ چھوڑ دو جانے دو۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پھر کچھ لوگ آتے دکھائی دیئے۔ان میں بھی ایک نوجوان جوش وجذبے میں گا رہا تھا۔

''حسین عورتوں میں میرے چرچے ہو رہے تھے، کہ میری محبوبہ نے دیکھ لیا کہ تیز گھوڑا مجھے اڑائے لیے جا رہا ہے۔''

عورتیں آپس میں کہنے لگیں۔ارے تم جانتی ہو یہ بانکا جوان کون ہے؟ ہاں ہاں کیوں نہیں بھلا چاند بھی کہیں چھپتا ہے۔، کچھ عورتوں نے جواب دیا.....''حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟

لوگوں نے بتایا یہ عبداللہ ابن ربیعہؓ ہیں۔آپؓ نے فرمایا اچھا راستہ چھوڑ دو' جانے دو، یہ قافلہ بھی آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں کیا دیکھتے ہیں' کہ ایک بزرگ صورت شخص کے گرد ایک بھیڑ جمع ہے' لوگ عقیدت ومحبت سے بچھے جا رہے ہیں، ہر ایک آگے بڑھ بڑھ کر کچھ پوچھ رہا ہے۔ بہت دیر ہو گئی لیکن لوگوں کی بھیڑ کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا حضور یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے صحابی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہیں۔

معاویہؓ کا دل احترام سے جھک گیا۔عقیدت ومسّرت کے ساتھ اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔تمھارے باپ کی قسم سب سے بڑی بزرگی یہی ہے' خدا کی قسم دنیا و آخرت کی بزرگی یہی ہے۔

عالم دین کی عزّت

(۱) ایک بار حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک جنازے میں شرکت فرمائی جنازے کی نماز کے بعد آپؓ کی سواری کے لیے خچر لایا گیا تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جھٹ آگے بڑھ کر رکاب تھام لی۔یہ دیکھ کر حضرت زیدؓ ذرا ٹھٹکے اور فرمایا۔اے

میرے آقا کے ابن عم![1] آپ تکلیف نہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ حضرت اطمینان سے بیٹھے۔ علمائے دین کی اسی طرح عزّت کرنی چاہیے۔

علمی گفتگو

حضرت اُم الدرداءؓ مشہور صحابیہ تھیں۔ بڑے علم وفہم والی بی بی تھیں۔ علم وفضل میں ان کا درجہ بہت اونچا ہے۔ ایک دن حضرت عونؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ان کے یہاں پہنچے اور دیر تک علمی گفتگو کرتے رہے، جب گفتگو کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی تو حضرت عونؓ کو کچھ احساس ہوا۔ اور حضرت اُم الدرداءؓ سے معذرت چاہتے ہوئے کہا۔ آپ ہماری باتوں سے اُکتائیں تو نہیں؟ فرمانے لگیں عونؓ! کیا کہا؟۔ میں تو ہر کام شروع کرتے وقت عبادت کی نیت کر لیتی ہوں اور خود کو عبادت میں سمجھتی ہوں۔ لیکن علمی گفتگو تو میری اصل غذا ہے، یہ تو میرا بہترین مشغلہ ہے، جو لطف مجھے اس میں آتا ہے کسی چیز میں بھی نہیں آتا۔

طالب علموں کا استقبال

ابوسعید خدریؓ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ امام بخاریؒ، اور امام مسلمؒ نے اپنی کتابوں میں ان سے ۱۱۷۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ طالب علموں کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آتے۔ ابوہارون اور شہر ابن حوشب کا بیان ہے کہ جب ہم طالب علم حضرت ابوسعیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپؓ بہت خوش ہوتے، خوش دلی سے استقبال کرتے اور فرماتے..... اللہ کے پیارے رسولؐ نے مجھ سے فرمایا ہے۔ ''بہت جلد وہ زمانہ آئے گا کہ دنیا میں تمھارا بڑا زور ہوگا۔ اور تمھارے پاس نئی نئی عمر کے لڑکے دین کا علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے، یہ علم کے بھوکے ہوں گے، ان کے دلوں میں دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کا جذبہ ہوگا۔ یہ تم سے دین سیکھنا چاہیں گے' تو اے ابوسعید! جب یہ تمھارے پاس آئیں تو انھیں شوق کے ساتھ دین کا علم سکھانا، ان

---

(۱) چچا کے بیٹے

کے ساتھ محبت اور مہربانی سے پیش آنا۔ان کی آؤ بھگت کرنا اور انھیں حدیث سکھانا۔''

بے عمل عالم

(۱) حضرت شعبیؒ بہت بڑے فقیہ اور محدث گزرے ہیں، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور میں ان کو قاضی مقرر کیا تھا۔ان کا بیان ہے کہ قیامت میں حساب کتاب کے بعد جنتی لوگ بعض دوزخیوں کو دیکھ کر تعجب کریں گے اور پوچھیں گے۔

ارے تم لوگ یہاں کیسے؟ تمھارے ہی سمجھانے بجھانے اور نصیحت کرنے سے تو ہم جنت میں پہنچے۔دوزخی جواب دیں گے، ہاں بھئی تم سچ کہتے ہو، ہم تمھیں تو سمجھاتے تھے، نصیحت کرتے تھے، لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے۔

(۲) ایسے ہی عالم سے خطاب کرتے ہوئے حضرت ابوالاسود الدولیؒ نے خوب کہا ہے ''تم بیماروں کے لیے شفا کے نسخے تجویز کرتے ہو، حالانکہ تم خود ہی بیمار ہو۔''

ہماری عقلوں میں نصیحتوں کے جوڑ لگاتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم خود ہدایت سے محروم ہو۔

(۳) ایک اور بزرگ حضرت منصورؒ فرماتے ہیں۔

''جو لوگ ہمیں بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور خود کورے ہیں، وہ حقیقت میں دیوانے ہیں،.....اگرچہ بظاہر وہ دیوانوں کی طرح ہم پر حملہ نہیں کرتے۔''

(۴) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ مشہور صحابی ہیں۔صحابہ ان کے علم کی بہت قدر کرتے تھے۔ایک بار آپؓ نے فرمایا باتیں بنانا تو سب جانتے ہیں، لیکن اچھا آدمی وہی ہے جس کے قول و عمل میں فرق نہ ہو، جو کہتا ہو وہی کرتا ہو، بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والا اور عمل میں پیچھے رہنے والا حقیقت میں اپنا ہی منہ چڑاتا ہے۔

نیک ماں کا دفینہ

حضرت ربیعہ رائیؒ مدینہ کے ایک مشہور عالم تھے۔امام مالکؒ کے قابل فخر استاد تھے۔تابعین میں ان کا درجہ بہت اونچا مانا جاتا ہے حکومت عباسیہ کے پہلے حکمران ابوالعباس نے دارالخلافہ کا قاضی انھیں کو مقرر فرمایا تھا۔ربیعہ رائیؒ مسجد نبوی میں درس دیا

کرتے اور بڑے بڑے علما ان کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، حسن بصریؒ، حضرت شعبہؒ، حضرت لیث مصریؒ جیسے علم وکمال والے علما ان کی مجلس سے فائدہ اٹھاتے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے۔

''جب سے حضرت ربیعہ رائےؒ دنیا سے رُخصت ہوئے فقہ کا مزہ بھی جاتا رہا۔''

ایک دن حضرت امام مالکؒ نے اپنے شاگردوں کو آپ کی تعلیم کا بڑا ہی دل چسپ قصّہ سنایا۔ فرمایا حضرت ربیعہ رائیؒ کے والد حضرت فروخ فوج میں تھے۔ ایک بار جب وہ جنگی سپاہیوں کے ساتھ خراسان کی جنگ میں جانے لگے تو اپنی بیوی کو خرچ کے لیے تیس ہزار اشرفیاں دیتے گئے۔ اس وقت حضرت ربیعہؒ ماں کے پیٹ میں تھے، باپ کے جانے کے بعد حضرت ربیعہؒ پیدا ہوئے۔ ان کی امی بہت نیک اور دین دار بی بی تھیں، دین کے علم سے انھیں بڑی دل چسپی تھی۔ ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ ان کا بیٹا علم کے آسمان پر سورج بن کر چمکے۔ چنانچہ اس نیک بی بی نے اپنی ساری دولت حضرت ربیعہؒ کے پڑھانے پر صرف کر ڈالی، اور خود موٹا جھوٹا کھا پہن کر گزارہ کیا۔ خدا کے فضل وکرم سے تھوڑے ہی دنوں میں حضرت ربیعہؒ نے فقہ وحدیث میں کمال حاصل کر لیا۔ اور خدا کی مہربانی سے انھیں وہ درجہ حاصل ہوا کہ بڑے بڑے اہل کمال نبیؐ کی مسجد میں ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کی مجلس میں جمع ہونے لگے۔

اتفاق کی بات کہ حضرت فروخؒ کو خراسان میں زیادہ دنوں تک ٹھیرنا پڑا۔ پورے ۲۷ سال کے بعد گھر واپس آئے گھر میں بیوی سے ان دنوں کے حالات پوچھتے رہے، باتوں باتوں میں خرچ کا ذکر بھی آیا پوچھا تیس ہزار دینار میں کیا بچا؟

بیوی نے کہا آپ فکر نہ فرمائیں۔ وہ سب اشرفیاں محفوظ ہیں۔ میں نے حفاظت سے ایک زمین میں سب اشرفیاں دفن کر دی ہیں۔ آپ پہلے مسجد نبویؐ میں نماز پڑھ آیئے تو پھر میں آپ کو بتاؤں۔

حضرت فروخؒ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں گئے۔ نماز کے بعد انھوں نے دیکھا کہ

ایک مجلس میں بڑے بڑے علما جمع ہیں۔ان کے بیچ میں مسند درس پر ان کے پیارے بیٹے حضرت ربیعہؒ تشریف فرما ہیں۔خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، دوڑے دوڑے گھر آئے' بیوی کو سارا قصّہ سُنایا اور دیر نیک خدا کا شکر ادا کرتے رہے' نیک بیوی بھی خدا کا شکر ادا کرتی رہیں پھر کہنے لگیں ابو ربیعہ! یہ بتایئے تیس ہزار اشرفیاں زیادہ عزیز ہیں یا ایسا انمول بیٹا۔

حضرت فروخ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک پڑے، کہنے لگے اُمّ ربیعہ! تیس ہزار اشرفیاں!۔ایسے بیٹے کی قیمت تو سارے جہان کی دولت بھی نہیں ہوسکتی۔

''اُم ربیعہ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔کہنے لگیں ''یہی وہ زمین ہے جس میں میں نے تمھاری تیس ہزار اشرفیاں دفن کی ہیں۔

علم کی برکت

امام اعظمؒ ابھی سولہ سال ہی کے تھے کہ ان کے والد اُن کو حج کے لیے اپنے ساتھ لے گئے۔وہاں آپ نے دیکھا ایک خوب صورت بزرگ ہیں ان کا نورانی چہرہ چمک رہا ہے۔ہر طرف سے لوگوں نے ان کو گھیر رکھا ہے اور انتہائی احترام کے ساتھ ان کی باتیں سُن رہے ہیں۔حضرت امام اعظمؒ نے اپنے والد سے پوچھا۔یہ کون بزرگ ہیں؟ والد نے بتایا یہ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی ہیں۔ان کا نام نامی عبداللہ ابن االحارثؓ ہے۔صحابی کا نام سُن کر امام ابوحنیفہؒ بہت خوش ہوئے اور اپنے والد سے کہا مجھے بھی ان کے پاس لے چلیے' میں بھی صحابیؓ کی زبان سے حدیث سنوں گا۔آپ کے والد آپ کو لیے صحابیؓ کے قریب پہنچے۔آپ نے سنا صحابیؓ فرما رہے تھے' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''جو کوئی بھی دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے معاش کی فکر سے اس طرح آزاد کردے گا کہ اس کا وہم وگمان بھی وہاں تک نہیں پہنچے گا۔

علم کی قدر و قیمت

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لڑکے ''حمادؒ'' ایک اُستاد سے قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ جب حمادؒ نے سورہ الفاتحہ ختم کرلی تو امام ابوحنیفہؒ نے استاد کی خدمت میں ایک

ہزار درہم بھجوائے۔

استاد کو بہت تعجب ہوا کہ میں نے کون سا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جو امام صاحب نے مجھے ایک ہزار درہم بھجوائے۔

امام ابوحنیفہؒ کو معلوم ہوتو خود ''حماد'' کے استاد کے پاس پہنچے اور فرمایا' حضرت آپ نے میرے بیٹے کو جو کچھ سکھایا ہے' اس کی قیمت تو ساری دنیا بھی نہیں ہوسکتی خدا کی قسم اگر میرے پاس اور دولت ہوتی تو وہ بھی میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا اور خوشی محسوس کرتا۔

حکمت کی آٹھ باتیں

امام احمد ابن حنبلؒ کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، ان کا نام حاتم الاصم تھا۔ بڑے ہی نیک اور سمجھ دار آدمی تھے، ان کے استاد حضرت شفیقؒ اپنے زمانے کے مانے ہوئے عالموں میں سے تھے۔ قرآن، زبور، تورات، انجیل تمام ہی آسمانی کتابوں کے ماہر تھے۔ حضرت حاتم الاصم ۳۳ سال تک ان کی تربیت میں رہے اور بہت کچھ سیکھا۔ ایک دن حضرت شفیقؒ نے حاتمؒ سے پوچھا۔

استاد:۔ کیوں بھئی حاتم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو؟''

طالب علم:۔ جناب ۳۳ سال ہو گئے۔

استاد:۔ اچھا بتاؤ اتنے دنوں میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟

طالب علم:۔ استاد محترم صرف آٹھ باتیں سیکھیں۔

استاد:۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ'' البقرہ 156:2 تم نے ساری عمر میرے ساتھ گذار دی اور صرف آٹھ باتیں سیکھیں؟

طالب علم:۔ استاد محترم ۔جھوٹ بولنا تو میں پسند نہیں کرتا واقعی میں نے تو آپ سے صرف آٹھ ہی باتیں سیکھی ہیں۔

استاد:۔ اچھا لاؤ سناؤ کیا آٹھ باتیں تم نے سیکھی ہیں؟

طالب علم نے کہنا شروع کیا۔

پہلی بات:۔ استاد محترم! جہاں تک میں نے دنیا پر نظر ڈالی میں نے دیکھا کہ ہر آدمی کسی نہ کسی کو اپنا محبوب بنائے ہوئے ہے اور اس سے محبت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ مرجاتا ہے اور قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے' لیکن اس کا وہ محبوب اُسے قبر میں اکیلا چھوڑ دیتا ہے۔ پس میں نے صرف نیکیوں کو اپنا محبوب بنایا کہ یہ قبر میں بھی میرے ساتھ رہیں گی اور مجھے کہیں اکیلا نہ چھوڑیں گی۔

استاد نے شاباشی دی اور کہا اچھا حاتم دوسری بات بتاؤ۔

دوسری بات:۔ حاتمؒ نے کہا، استاد محترم! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾

النازعات 4:79

(اور جو اپنے رب کے حضور حاضری سے ڈرتا رہا اور اپنے آپ کو بُری خواہشوں سے روکتا رہا۔ اس کا ٹھکانہ یقیناً جنت ہے)

اور مجھے پورا پورا یقین ہو گیا کہ اللہ میاں نے بالکل سچ فرمایا ہے پس میں نے بُری خواہشات سے بچنے کی پوری پوری کوشش کی اور جی جان سے اپنے خدا کی بندگی میں لگ گیا۔

حضرت شفیقؒ بہت خوش ہوئے اور کہا۔ عزیز! تیسری بات کیا ہے؟۔

تیسری بات:۔ استاد محترم! دنیا والوں کی حالت پر جہاں تک میں نے غور کیا یہی نظر آیا کہ جس کے پاس بھی کوئی اچھی اور قیمتی چیز ہے وہ اسے سینت سینت کر حفاظت سے رکھتا ہے'..... پھر میری نظر سے یہ آیت گزری۔

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ النحل 96:16

(جو کچھ تمھارے پاس ہے' ایک دن) ختم ہو جائے گا۔ اور جو خدا کے پاس ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیگا)

اب یہ حال ہے کہ جو اچھی چیز بھی میرے ہاتھ لگتی ہے اسے اللہ کے حوالے کر دیتا

ہوں، کیونکہ میرے پاس رہے گی تو فنا ہو جائے گی اللہ کے یہاں رہے گی تو ہمیشہ ہمیشہ میرے لیے باقی رہے گی۔

چوتھی بات:۔ استاد من! میں نے مخلوق کی حالت پر جہاں تک غور کیا یہ دیکھا کہ کوئی مال اور شان وشوکت کے پیچھے لگا ہوا ہے اور کوئی نسب اور دُنیوی شرافت پر ریجھتا ہے' لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ سب چیزیں کوئی وزن نہیں رکھتیں۔ قرآن شریف کی یہ آیت میرے سامنے آئی۔

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ الحجرات 13:49

تم لوگوں میں جو سب سے زیادہ برائی سے بچنے والا اور نیکیاں کمانے والا ہے وہی اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا ہے۔

اور میں نے برائیوں سے بچنے کے لیے کمر باندھ لی تا کہ خدا کے یہاں عزت والا بنوں۔

پانچویں بات:۔ استاد محترم! دنیا والوں کے حالات پر جہاں تک میں نے سوچا یہی پایا کہ کوئی کسی کو لعنت ملامت کر رہا ہے اور کوئی کسی کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سب پاپوں کی اصل جڑ ''حسد'' ہے پھر میں نے خدا کے اس فرمان پر غور کیا۔

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ﴾ الزخرف 32:43

(ان لوگوں کو دُنیا کی زندگی کا ساز وسامان ہم ہی نے اپنی مصلحت کے مطابق دیا ہے)

اور میں نے حسد سے بچنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ لوگوں سے بے پروا ہو گیا اور پھر کبھی حسد اور جلن کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ اور مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ دنیا کے ساز وسامان اور مال ودولت کی یہ تقسیم تو اس خدا نے کی ہے جو بُرے جذبات اور بے جا جھکاؤ سے پاک ہے اس کے بعد پھر کبھی میں نے کسی سے دشمنی نہیں کی۔

چھٹی بات:۔ استاد محترم! لوگوں کے حالات پر میں نے جہاں تک نظر ڈالی یہی دیکھا کہ کوئی کسی پر زیادتی کر رہا ہے' اور کسی کی کسی سے ٹھنی ہوئی ہے۔' چنانچہ میں نے سب سے ہٹ کر خدا کے اس فرمان کو لیا۔

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا یَدْعُوْا﴾ الفاطر 6:35

(بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے تم اسی کو اپنا دشمن سمجھو)

اور پھر میں نے اس عدو مبین سے بچنے کی کوشش کی، صرف اسی سے دشمنی کی ٹھانی اور کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھا کیونکہ خدا نے اسی کو دشمن ٹھیرایا ہے۔

ساتویں بات:۔ پھر حاتمؒ نے کہا، استاد محترم! میں نے جہاں تک دنیا والوں پر نظر دوڑائی، دیکھا کہ چند ٹکڑوں کی طلب میں ہر ایک لگا ہوا ہے، اسی کے لیے ہر طرح کی ذلت اوڑھتا ہے، اور لالچ میں حلال وحرام کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ پھر میں نے خدا کی اس آیت پر غور کیا۔

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ ہود 6:11

(زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جان دار کی روزی اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے)

اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ آخر میں بھی تو زمین پر چلنے والے ان جان داروں ہی میں سے ہوں جن کی روزی کا ذمہ اللہ نے لیا ہے چنانچہ پھر میں کبھی اس چیز کی فکر میں نہیں پڑا جو اللہ کے یہاں سے بہر حال مجھے ملنے والی ہے، اور ہر طرف سے بے پروا ہو کر یکسوئی کے ساتھ ان تمام حقوق کو ادا کرنے میں لگ گیا جو مجھ پر واجب ہیں۔

آٹھویں بات:۔ استاد محترم! آخری بات یہ ہے کہ لوگوں کے حالات پر جہاں تک میں نے سوچا یہی معلوم ہوا کہ ہر ایک نے بودی اور کمزور چیزوں پر بھروسا کر رکھا ہے، کوئی اپنے مال اور سامان پر بھروسا کئے ہوئے ہے، کوئی اپنی کاری گری پر کوئی اپنی صحت وقوت پر۔ غرض انسان اپنے ہی جیسے انسانوں پر تکیہ کئے ہوئے ہیں' یا اپنی حقیر قوتوں پر۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے خدا کے اس سچے فرمان کو دل سے لگایا۔

﴿وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ الطلاق 3:65

(جو اللہ پر بھروسا کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے)

پس میں نے ہر چیز سے نظر ہٹا کر صرف خدا پر بھروسا کیا اور واقعی خدا میرے لیے کافی ہے۔

شاگرد کی یہ سیدھی سچی ایمان افروز باتیں سُن کر حضرت شفیق بلخیؒ بہت خوش ہوئے۔ لائق شاگرد کو علم و عمل اور ترقی کی دعائیں دیں۔ اور فرمایا میں نے تورات انجیل پر بھی غور کیا۔ زبور اور قرآن پر بھی خوب خوب غور کیا، حاتم! تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ یہی آٹھ باتیں ہیں۔

حدیث سے محبت

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ اکثر دن بھر گھر ہی میں بیٹھے رہتے۔ نماز کے لیے ہی نکلتے، لیکن نماز پڑھتے ہی فوراً گھر میں چلے جاتے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان سے پوچھا حضرت! گھر میں تنہا بیٹھے بیٹھے آپ کی طبیعت نہیں گھبراتی؟ آپ کبھی ہماری مجلس میں آکر نہیں بیٹھتے؟ فرمایا، گھبرانا کیسا؟ میں تو ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پیارے صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھا رہتا ہوں۔"

"رسول اللہ اور صحابہؓ اب کہاں ہیں؟" لوگوں نے تعجب سے کہا۔

فرمایا میں حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہو کر ان کی صحبت میں پہنچ جاتا ہوں ان کی مجلس میں شریک ہو کر ایک ایک بات دیکھتا ہوں، ان کی بات چیت سنتا ہوں حدیث کے آئینے میں ان کی پوری زندگی میرے سامنے ہوتی ہے۔

دینی تجارت

ایک مرتبہ حضرت عبداللہؒ کے والد مبارکؒ نے کاروبار کے لیے حضرت کو پچاس ہزار کی رقم دی۔ حضرت نے یہ رقم لی اور تجارت کا سامان خریدنے کے بجائے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ دور دور ملکوں کے سفر کیے۔ بڑے بڑے عالموں کی صحبت میں رہے، ان سے فیض حاصل کیا اور حدیث رسولؐ کے دفتر کے دفتر جمع کیے۔ جب رقم ختم ہو گئی تو گھر واپس آئے۔

حضرت مبارکؒ بہت خوش تھے کہ بیٹے نے دور دراز کے سفر کیے ہیں بہت کچھ کمایا ہو گا۔ بیٹے سے پوچھا، بیٹے! تجارتی سفر کیسا رہا، کیا کچھ کما کر لائے ہو؟۔ ایک ایسی دولت کما کر لایا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو گی۔ سعادت مند بیٹے نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

ختم نہ ہونے والی دولت کون سی ہے بیٹے؟ حضرت مبارکؒ نے تعجب سے پوچھا۔

ابّا جان! لوگ تو ایسی تجارتوں میں اپنی رقمیں لگاتے ہیں جن کا نفع بس اسی دنیا میں ختم ہوجاتا ہے، لیکن میں نے ایک ایسی تجارت میں اپنی رقم لگائی ہے جس کا نفع دونوں جہان میں ملے گا اور کبھی ختم نہ ہوگا۔ بیٹے کی یہ سمجھ داری دیکھ کر باپ کو بہت خوشی ہوئی، پوچھا بیٹے بتاؤ تو سہی وہ کون سی ختم نہ ہونے والی دولت ہے جو تم کما کر لائے ہو۔؟

حضرت عبداللہؒ نے حدیث کے دفتروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ابا جان یہ ہے وہ دونوں جہان میں نفع دینے والی دولت ۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علما کا خزانہ..... میں نے اسی خزانے کو حاصل کرنے میں اپنی ساری دولت لگا دی۔

حضرت مبارکؒ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے، بیٹے کو گلے سے لگایا، دُعائیں دیں۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔

تھوڑے دنوں کے بعد بیٹے کو تیس ہزار کی ایک اور رقم دے کر بولے بیٹے یہ رقم اور لو۔ اور اگر تمھاری کامیاب تجارت میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس رقم سے اسے بھی پورا کر لو۔

علم و عمل

امام احمد ابن حنبلؒ بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ حدیث سیکھنے کے لیے انھوں نے بہت دور دراز کے سفر کئے۔ حدیث کی ایک کتاب لکھی جو بہت مشہور ہے اور جس میں تیس ہزار حدیثیں ہیں۔ یہ بہت ہی نیک اور باعمل عالم تھے۔ ایک بار آپ فرمانے لگے کہ میں نے اپنی کتاب میں جو حدیث بھی لکھی ہے' اس پر عمل ضرور کیا ہے' یہاں تک کہ میں نے اس حدیث پر بھی عمل کیا کہ ''اللہ کے رسولؐ نے حجام سے پچھنا لگوایا اور اس کو ایک دینار دیا۔

لاعلمی کا اعتراف

(۱) قاسم ابن محمدؒ بڑے عالم گزرے ہیں' عراق والوں میں ان کے علم کا بڑا چرچا تھا، دور دور سے لوگ ان سے مسئلے پوچھنے آتے لیکن جو بات معلوم نہ ہوتی تو صاف کہہ دیتے

میں نہیں جانتا اور ذرّہ برابر شرم نہ کرتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص بڑی امیدوں کے ساتھ ان کی خدمت میں ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا لیکن آپ نے صاف کہہ دیا مجھے نہیں معلوم۔ وہ شخص بہت مایوس ہوا اور کہنے لگا حضرت میں تو بڑی امید لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ مجھے مایوس نہ کیجئے۔

''فرمایا بھائی! تم میری لمبی داڑھی دیکھ کر اور طالب علموں کی بھیڑ دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ خدا کی قسم میں تمھاری بات کا جواب نہیں جانتا۔

ابن محمدؒ کی یہ باتیں ایک قریشی سردار سُن رہے تھے' فوراً بول اٹھے' بھیجتے! پوچھنے والے کو جواب دیے بغیر نہ لوٹاؤ۔ وہ بڑی امید لے کر تمھارے پاس آیا ہے اور میں نے بھی آج سے پہلے تمھارے پاس سیکھنے والوں کی اتنی زبردست بھیڑ نہیں دیکھی ہے، تم نہ بتاؤ گے تو تمھارے بارے میں لوگ کیا رائے قائم کریں گے؟

ابن محمدؒ نے سب کے سامنے بلا جھجک جواب دیا، بھائیو! اگر سب کے سامنے میری زبان کٹ کر گر پڑے تو یہ اس سے کہیں زیادہ مجھے پسند ہے کہ میں بغیر جانے کسی بات کا جواب دوں۔

(۲) مدینہ کے امام' قرآن وسنت کے ماہر' فقہ کے عالم، حضرت امام مالکؒ کو کون نہیں جانتا۔ سیکڑوں نے ان سے پڑھا، سیکڑوں نے سیکھا، اور ایک دنیا کو اپنے علم سے فائدہ پہنچایا، خود ان کا حال یہ تھا کہ جو بات معلوم نہ ہوتی، یا جس بات پر پورا اطمینان نہ ہوتا صاف انکار کر دیتے کہ مجھے اس کا جواب نہیں معلوم۔

عبدالرحمن ابن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس جمی ہوئی تھی، امام مالکؒ درمیان میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔

ابوعبداللہ! چھ مہینے ہوئے گھر سے چلا ہوں، بڑی کڑی منزلیں طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا ہوں، میری قوم کے لوگوں نے ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، اے مدینے کے امام! مجھے اس مسئلہ کا جواب بتا دیجئے کہ میں اپنے لوگوں کو جا کر

بتادوں!۔

امام صاحب نے فرمایا۔ پوچھئے کیا پوچھتے ہیں؟۔اس شخص نے مسئلہ پیش کیا۔امام صاحب بہت دیر تک سوچتے رہے، پھر آپ نے سر اٹھایا اور انتہائی سادگی کے ساتھ فرمایا، بھائی میں تمھارے مسئلے کا جواب نہیں جانتا۔

وہ شخص حیران رہ گیا۔اس کو ایسا جواب سننے کی ہرگز امید نہ تھی، وہ تو گھر سے یہ سمجھ کر چلا تھا کہ میں وقت کے سب سے بڑے عالم کے پاس جارہا ہوں جو سب کچھ جانتا ہے، لیکن یہ صاف سادہ جواب سن کر تو وہ سناٹے میں آ گیا۔

حضرت یہ کیا؟.....میں اپنی قوم میں جا کر کیا کہوں گا۔

امام مالکؒ نے فرمایا بھائی اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے، تم جا کر صاف صاف کہہ دینا کہ مالک نے کہا کہ میں اس مسئلہ کا جواب نہیں جانتا۔

اُستاد کا احترام

حران میں ایک مسافر حجام کو اس کی گستاخی پر تنبیہ کر رہے تھے کہ حمام میں سے حرّان کے ایک رئیس نہا کر نکلے۔ملازموں نے جھٹ ان کے حضور سواری پیش کر دی، لیکن وہ سواری پر بیٹھنے کے بجائے مسافر کی آواز سن کر ادھر آ گئے.....اور مسافر سے پوچھا کیا آپ محمد بن ادریس شافعی ہیں؟

مسافر: جی ہاں میں محمد بن ادریس شافعی ہوں۔

یہ سنتے ہی رئیس نے بڑی عقیدت کے ساتھ سواری امام صاحب کے آگے کر دی اور نہایت خاک ساری سے کہا، حضرت اس پر بیٹھئے اور غریب خانے تشریف لے چلئے۔ امام صاحب بے تکلف سواری پر بیٹھ گئے اور سواری روانہ ہوگئی۔غلام آگے آگے سر جھکائے چل رہا تھا اور آپ سواری پر تھے۔تھوڑی ہی دیر میں سواری اس رئیس کی کوٹھی پر پہنچ گئی۔ اور کچھ ہی دیر کے بعد وہ رئیس بھی پہنچ گئے۔

رئیس کی بے انتہا خوشی اور غیر معمولی خاطر تواضع دیکھ کر امام صاحب حیران تھے کہ

آخر یہ کون شخص ہے اور مجھ مسافر کے ساتھ احترام ومحبت کا یہ سلوک کیوں کررہا ہے، اس عقیدت وعظمت کی کوئی وجہ ضرور ہے۔

تھوڑی دیر بعد دسترخوان بچھ گیا، قسم قسم کے کھانے چنے گئے، اور رئیس نے لوٹا اُٹھا کر امام صاحب سے کہا، حضرت ہاتھ دھوئیے۔ امام صاحب اُٹھے، ہاتھ دھوئے اور بیٹھ گئے، لیکن کھانے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

رئیس نے بڑی عاجزی کے ساتھ کہا، حضرت کھائیے مزاج کیسا ہے۔؟

میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ امام صاحب نے ذرا سمٹتے ہوئے کہا۔ رئیس کچھ پریشان ہوئے اور بولے حضرت کیوں؟ کیا بات ناگوار ہوئی کچھ بتائیں تو؟

امام صاحب نے کہا جب تک آپ یہ نہ بتائیں گے کہ آپ کون ہیں اور مجھے آپ نے کیسے پہچانا تب تک میں نوالہ نہیں لوں گا۔ رئیس بولے حضرت یہ کون سی بات ہے، آپ اطمینان سے کھانا کھائیے..... دراصل میں آپ کا شاگرد ہوں۔ جب آپ بغداد میں تشریف رکھتے تھے، اس وقت آپ نے ایک عظیم کتاب لکھ کر سنائی تھی..... اس کتاب کے سُننے والوں میں ایک میں بھی تھا۔ آپ میرے اُستاد ہیں اور آپ کی خدمت اور عظمت مجھ پر واجب ہے۔

یہ سن کر امام صاحب بے انتہا خوش ہوئے۔ اُٹھے اور رئیس کو گلے سے لگالیا پھر فرمایا، علم دین کا رشتہ واقعی بڑا اہم رشتہ ہے' اور پھر خوشی خوشی رئیس کے ساتھ کھانا کھایا۔

سعادت مند شاگرد کے یہاں رہتے ہوئے تین دن ہو چکے تھے' چوتھے دن بیٹھے ہوئے باتیں کررہے تھے کہ رئیس نے کہا، حضرت حّران کے اطراف میں میرے چار گاؤں ہیں' اور خدا گواہ ہے کہ یہ چاروں انتہائی زرخیز ہیں' میرا جی چاہتا ہے کہ آپ یہیں حران میں رہ جائیں اور یہ چاروں گاؤں آپ قبول فرمالیں۔

چاروں گاؤں مجھے دے دو گے تو تمھاری گزر بسر کیسے ہوگی؟ امام صاحب نے کہا۔

حضرت آپ فکر نہ فرمائیں' دیکھیے ان بکسوں میں چالیس ہزار دینار موجود ہیں۔ میں

اس رقم سے کوئی بڑا کاروبار کرلوں گا۔سعادت مند شاگرد نے کہا۔

میرے عزیز! میں گھر سے اس لیے تو نہیں نکلا ہوں کہ دنیا کی دولت کماؤں اور آسائشیں حاصل کروں، میں تو اپنی بوڑھی ماں کی یہ دعا لے کر نکلا ہوں کہ ''خدا تجھے آسمانِ علم پر سورج بنا کر چمکائے'' امام شافعیؒ نے بڑے پرجوش لہجے میں کہا۔

سعادت مند شاگرد نے دوبارہ درخواست کی کہ حضرت آپ میری یہ رقم ہی قبول فرمالیں.....نہ معلوم اس مبارک سفر میں اس اعلیٰ مقصد کے لیے آپ کو کہاں کہاں جانا پڑے لہٰذا آپ یہ رقم قبول ہی فرمالیں.....شاگرد نے یہ درخواست کچھ اس عقیدت اور خلوص کے ساتھ کی کہ امام صاحب اس کی درخواست رد نہ کر سکے اور وہ رقم لے کر روانہ ہوئے۔

راستے میں احمد بن حنبلؒ ملے، سفیانؒ ملے، امام اوزاعیؒ ملے اور دوسرے بہت سے علما ملے۔امام شافعیؒ کھلے دل سے رقم ان بزرگوں میں تقسیم کرتے گئے، یہاں تک کہ جب شہر رملہ میں پہنچے تو ان کے پاس اس چالیس ہزار کی اتنی بڑی رقم میں سے صرف دس دینار باقی تھے۔

علم، دین و دنیا کی دولت

یتیم بچے کی ماں نے اپنے نوعمر لڑکے کو ایک ٹھٹھیرے کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ بھیا اس لڑکے کو تمھارے یہاں بٹھا رہی ہوں کہ کچھ سیکھ لے تو آمدنی کا کچھ سہارا ہو جائے۔

اور یہ نوعمر یتیم ٹھٹھیرے کے یہاں کام سیکھنے کے لیے جانے لگا۔ٹھٹھیرے کی دوکان کے قریب ہی ایک بوڑھے بزرگ کچھ لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے، یہ یتیم بچہ بھی جانے لگا۔ وہاں چند دن بیٹھنے کے بعد اس نوعمر کا جی ٹھٹھیرے کے کام سے اُچاٹ ہو گیا۔گھر سے ٹھٹھیرے کی دوکان پر بیٹھنے کے لیے نکلتا اور جا کر مدرسے میں بیٹھ کر شوق سے پڑھتا۔بچے کا شوق دیکھ کر استاد بھی خاص طور پر توجہ کرنے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد لڑکے کی ماں کو معلوم ہوا کہ اس کا لڑکا ٹھٹھیرے کی دوکان پر بیٹھنے

کے بجائے قریب کے مدرسے میں پڑھنے بیٹھ جاتا ہے تو بہت گھبرائی' فوراً اٹھی اور مدرسے پہنچ کر اپنے لڑکے کو لے آئی اور سمجھایا، بیٹے! تمھارے باپ کا انتقال ہو چکا ہے، تم ہی میری زندگی کا سہارا ہو، تمھیں اپنا مستقبل خود ہی بنانا ہے، اگر کچھ کام سیکھ لو گے تو کچھ کمانے کی امید ہو جائے گی۔

مگر بیٹے کو علم کی چاٹ لگ چکی تھی، وہ روز کسی نہ کسی طرح مدرسے جانے کا موقع نکال ہی لیتا۔ ایک دن جب ماں سے رہا نہ گیا تو وہ غصے میں بھری ہوئی مدرسہ پہنچی مدرسے کے بزرگ استاد کو سخت سُست کہا۔ اور کہنے لگی بڑے میاں تم نے میرے بیٹے کو چوپٹ کر دیا، ارے میں کہتی ہوں، یہ بے باپ کا بچہ اگر کچھ سیکھ لے تو مزدوری کر کے کچھ کما لیا کرے گا۔ اور تم اسے کتابوں میں لگا کر برباد کر رہے ہو، تمھیں اس یتیم بچے کی غربت اور بے کسی پر ذرا رحم نہیں آتا۔

استاد مسکراتے رہے اور بولے بڑی بی! خفا کیوں ہوتی ہو، تمھارا بچہ یعقوب پڑھ لکھ کر سوکھی روٹی کمانے کے بجائے روغن پستہ کا فالودہ کھایا کرے گا۔

بڑھیا جھنجھلا گئی اور غصّے میں مدرسہ سے باہر نکل گئی۔ باہر نکل کر بولی' یہ بوڑھا تو سٹھیا گیا ہے۔ ہوش کی بات ہی نہیں کرتا۔

یعقوب نہایت ذوق وشوق اور محنت سے پڑھتے رہے' یہاں تک کہ ان کے علم وفضل کو دیکھ کر ہارون الرشید نے ان کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر مقرر فرمایا۔

یعقوب ایک دن کا قصّہ خود ہی سناتے ہیں کہ میں خلیفہ کے دربار سے اٹھ کر جانے لگا تو بولے' امام ابو یوسف' ذرا ٹھہریے۔ آج یہیں ہمارے ساتھ کھانا کھایئے۔ ہم نے آج خاص طور پر آپ کے لیے ایک نہایت ہی لذیذ چیز تیار کرائی ہے۔

''امیر المؤمنین، کیا خاص چیز تیار کرائی ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''امام صاحب! آج ہم نے آپ کے لیے روغن پستہ کا فالودہ تیار کرایا ہے۔'' امیر المومنین نے جواب دیا۔

''روغن پستہ'' کا نام سُن کر بے اختیار مجھے ہنسی آ گئی۔ مجھے اس طرح بے اختیار ہنستے دیکھ کر امیر المومنین نے وجہ پوچھی۔ میں ٹالتا رہا، مگر خلیفہ اصرار کرتے رہے۔ آخر کار مجبور ہو کر میں نے انھیں بتایا کہ لڑکپن کا ایک واقعہ مجھے یاد آ گیا۔ میری ماں امام ابوحنیفہؒ کو بُرا بھلا کہہ رہی تھیں کہ تم نے اس بچے کو کتابوں میں الجھا کر چوپٹ کر دیا ہے۔ کچھ کام سیکھ لیتا تو کما کر لے آیا کرتا۔ امام ابوحنیفہؒ مسکراتے رہے، اور بڑی عالی ظرفی کے ساتھ میری ماں کی سخت سُست باتیں سنتے رہے، پھر بولے بڑی بی خفا کیوں ہوتی ہو، تمہارا بچہ پڑھ لکھ کر روغن پستہ کا فالودہ کھایا کرے گا۔ اور میری ماں غصّے سے باہر نکل گئیں۔

آج جب آپ نے فرمایا کہ تمھارے لیے خاص طور پر روغن پستہ کا فالودہ تیار کرایا ہے تو مجھے امام صاحب اور اپنی والدہ کا یہ سارا قصہ یاد آ گیا۔

خلیفہ نہایت حیرت اور دل چسپی کے ساتھ یہ سارا قصّہ سنتے رہے، سچ ہے، علم، دین و دنیا کی دولت ہے، پھر امام ابوحنیفہؒ کے لیے دعا کرتے ہوئے بولے امام ابوحنیفہؒ جو کچھ سر کی آنکھوں سے نہ دیکھ پاتے تھے وہ دل کی آنکھوں سے دیکھ لیا کرتے تھے۔

تلاوت قرآن

حضرت اسود ابن یزیدؒ مشہور تابعی ہیں۔ تابعی ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کی ملاقاتیں پیارے صحابہؓ سے رہی ہوں۔ حضرت اسودؒ بڑے ہی نیک آدمی تھے۔ قرآن شریف پڑھنے کا تو ان کو بہت ہی شوق تھا۔ آخری عمر میں بیمار پڑے، بہت کمزور ہو گئے، لیکن قرآن شریف کی تلاوت میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب بہت ہی کمزور ہو گئے اور اپنی جگہ سے ہلنے کی طاقت بھی نہ رہی تو اپنے بھانجے ابراہیم نخعیؒ سے کہتے، مجھے بٹھا دو اور ان کے سہارے بیٹھے بیٹھے قرآن پڑھتے رہتے۔

پڑھنے کا شوق

امام ابو یوسفؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ آپ بہت ہی غریب تھے۔ پڑھنے کا اتنا شوق تھا کہ جو کچھ روکھی سوکھی مل جاتی کھا لیتے اور پڑھنے کے لیے روانہ ہو

جاتے۔امام صاحب سے نوسال تک پڑھتے رہے۔ پابندی سے پڑھنے جاتے، کبھی ناغہ نہ کرتے۔نوسال کی مدت معمولی تو ہے نہیں۔لیکن آپ کے شوق کا یہ حال تھا کہ ان نوسالوں میں کوئی ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ آپ نے فجر کی نماز امام صاحب کے ساتھ جماعت سے نہ پڑھی ہو۔

امام بخاریؒ کا غیر معمولی حافظہ

امام بخاریؒ کا مرتبہ تمام محدثین میں بڑا ہے، اور جن کی کتاب بخاری حدیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ مانی جاتی ہے، ان کے ساتھیوں نے ان کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ہم سب لوگ حدیث کا علم پڑھنے جایا کرتے تھے، جو کچھ استاد پڑھاتے ہم لوگ تو لکھ لیا کرتے لیکن امام بخاریؒ یوں ہی واپس آجایا کرتے۔ہم کو ان کی حالت پر بہت افسوس ہوتا کہ بے چارے روزانہ جاتے ہیں، لیکن جیسے جاتے ہیں ویسے ہی کورے چلے آتے ہیں۔آخر جب کئی دن گزرے گئے اور ہم سے رہا نہ گیا تو ان سے کہا، بھائی تم کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو، امام بخاریؒ خاموش رہے، جب ہم نے کئی بار ان سے یہی کہا تو کہنے لگے اچھا لاؤ دکھاؤ تم نے کیا لکھا ہے؟ ہم نے جو حدیثیں لکھی تھیں وہ مجموعہ نکال کر ان کو دیا۔اس مجموعہ میں ہم نے پندرہ ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔کہنے لگے اچھا لو اپنا مجموعہ لو اور سُنو، یہ فرمایا اور فر فر پندرہ ہزار حدیثیں سنا دیں۔امام صاحب کا یہ حیرت انگیز حافظہ دیکھ کر ہم سب دنگ رہ گئے۔

امام صاحبؒ چھ لاکھ حدیثوں کے حافظ تھے۔ چھ لاکھ حدیثوں میں سے سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) حدیثیں منتخب کر کے صحیح بخاری میں جمع فرمائی ہیں۔اور ہر حدیث دو رکعت نفل پڑھ کر لکھی ہے۔ جب ہی تو امام صاحبؒ کی کتاب قرآن شریف کے بعد سب سے زیادہ صحیح مانی جاتی ہے اور دنیا بھر میں مقبول ہے۔

حافظہ کا امتحان

امام بخاریؒ ایک بار بغداد تشریف لے گئے۔ان کے علم اور حافظہ کا چرچا تو بغداد،

مصر، کوفہ اور بصرہ ہر طرف تھا ہی بغداد کے علما نے آپس میں یہ طے کیا کہ ان کا امتحان لیا جائے۔ چنانچہ دس آدمی مقرر کئے گئے کہ ہر ایک دس دس حدیثیں منتخب کرے اور ان میں اپنی طرف سے کچھ گھٹا بڑھا کر امام بخاریؒ سے پوچھے۔ امام بخاریؒ مجلس میں بلائے گئے اور ہر ایک نے ترتیب وار دس دس حدیثیں پوچھیں۔ امام صاحبؒ ہر ایک کے جواب میں فرماتے مجھے اس حدیث کی خبر نہیں جو تم نے سُنائی۔ جب دسوں آدمی اپنی انتخاب کی ہوئی سو حدیثیں سُنا چکے تو امام صاحب سنبھل کر بیٹھے اور پہلے پوچھنے والے سے فرمایا۔ آپ نے پہلی حدیث یہ سنائی، دوسری یہ سنائی، تیسری یہ سنائی اس طرح پہلے ان کی سنائی ہوئی غلط حدیث ترتیب وار سناتے پھر بتاتے اس حدیث میں آپ نے یہاں غلطی کی، اس حدیث میں آپ نے یہ بڑھایا، اس حدیث میں آپ نے یہ الفاظ گھٹائے۔ پھر اسی طرح آپ نے دوسرے آدمی سے فرمایا، پھر تیسرے سے۔ غرض ایک ایک کر کے آپ نے دسوں آدمیوں کو پہلے ان کی غلط پڑھی ہوئی حدیثیں سنائیں پھر صحیح پڑھ کر بتائیں۔ یہ منظر دیکھ کر وہ لوگ دنگ رہے گئے۔

دار قُطنیؒ کا عجیب وغریب حافظہ

دار قطنیؒ مشہور عالم ہیں، حدیث میں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے انھوں نے بہت دور دراز کے سفر کئے۔ بغداد، مصر، بصرہ، کوفہ، واسط، شام ہر جگہ گئے۔ ایک بار اپنے استاد کی مجلس میں بیٹھے ہوئے حدیث کا درس سن رہے تھے، اور قلم ہاتھ میں لیے کچھ لکھ بھی رہے تھے، ایک ساتھی نے کہا جب آپ لکھنے میں مشغول ہیں تو آپ حدیث کیا سن رہے ہیں؟ فرمانے لگے، نہیں میں دونوں کام پوری توجہ سے کر رہا ہوں۔ پھر اپنے ساتھ سے پوچھا بتاؤ شیخ نے کتنی حدیثیں سنائیں، وہ کچھ ہچکچانے لگے تو فرمایا تو سنو میں تمھیں سناؤں اور ترتیب دار اٹھارہ حدیثیں سُنادیں جو استاد نے پڑھائی تھیں، ساتھیوں کو ان کے اس حافظہ پر بڑا تعجب ہوا۔

حافظہ کا علاج

(۱) امام شافعیؒ اہل سُنت کے مشہور امام گزرے ہیں، حدیث میں ان کا بہت بڑا درجہ ہے، ان کے حافظہ کے بھی بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ ایک بار انھوں نے اپنے استاد حضرت وکیعؒ سے شکایت کی کہ میرا حافظہ کمزور ہے کوئی تدبیر بتایے کہ میرا حافظہ ٹھیک ہو جائے۔ ان کے استاد حضرت وکیعؒ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ اللہ کی نافرمانی اور گناہ سے بچو یہی حافظہ کا علاج ہے، علم اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے، اور یہ نور ان کو نہیں دیا جاتا جنھوں نے گناہوں سے اپنی زندگی گندی کر لی ہو، امام شافعیؒ نے اس واقعہ کو خود ایک رباعی میں بیان فرمایا ہے۔

شَکَوْتُ اِلیٰ وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ
فَاَوْصَانِیْ اِلیٰ تَرْکِ الْمَعَاصِیْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰہٍ
وَنُوْرُ اللّٰہِ لَایُعْطیٰ لِعَاصِیْ

میں نے وکیعؒ سے شکایت کی کہ میرا حافظہ خراب ہے۔ تو انھوں نے نصیحت فرمائی کہ کہ گناہوں سے دور رہو کیونکہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور اللہ کے نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔

(۲) حدیث کے امام حضرت محمد ابن اسماعیلؒ جن کے حافظہ کی مثال ملنا مشکل ہے اُن سے ایک بار کسی نے پوچھا بتایے حافظہ کا علاج کیا ہے؟ فرمایا ''برابر مطالعہ کرتے رہو اور بس۔''

ذہانت کا امتحان

(۱) حضرت سعید ابن مسیبؒ مدینہ کے مشہور عالم ہیں، حدیث وفقہ کے امام مانے جاتے ہیں۔ آپ کبھی کبھی اپنے طالب علموں کی ذہانت اور سمجھ کا امتحان بھی لیتے تھے۔ ایک بار آپ نے شاگردوں سے پوچھا وہ کون سی نماز ہے جس کی سب رکعتوں میں آدمی بیٹھتا ہے۔ کوئی شاگرد جواب نہ دے سکا۔ پھر خود ہی فرمایا۔ مغرب کی نماز اگر تمھیں امام کے

ساتھ پہلی رکعت نہ ملے اور دوسری رکعت میں شریک ہوتو ہر رکعت میں بیٹھو گے۔

(۲)ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صحابہؓ سے پوچھا۔ایک درخت ایسا بھی ہوتا ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے.....اس کی مثال مومن آدمی کی سی ہے۔بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟

صحابہؓ نے بہت سوچا مگر نہ بتا سکے۔حضرت عمرؓ کے نوعمر لڑکے حضرت عبداللہؓ بھی موجود تھے، کہتے ہیں میرے دل میں بار بار خیال آرہا تھا کہ ہو نہ ہو یہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں شرم کے مارے کہہ نہ سکا۔پھر صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا حضورؐ آپ ہی بتایئے۔آپؐ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں یہ واقعہ جب میرے والد کو معلوم ہوا تو مجھ سے فرمایا کاش بیٹے تم نے کہہ دیا ہوتا تو مجھے کتنی خوشی ہوتی!۔

امام شافعیؒ کی طالب علمی

امام احمد ابن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے جس کسی کے ہاتھ میں بھی کاغذ اور دوات ہے اس کے گلے میں امام شافعیؒ کے احسان کا طوق بھی ضرور ہے' آپ شعروادب، فقہ وحدیث کے ماہر تھے، ابھی بیس سال ہی کی عمر تھی کہ فتویٰ دینے لگے۔ان کا اصل نام محمد بن ادریسؒ تھا۔مکہ کے رہنے والے تھے اور قریشی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔باپ کا انتقال ہو چکا تھا ماں زندہ تھیں۔ابتدائی زندگی نہایت غربت اور تنگ دستی میں گزری۔علم کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ان کی ماں بھی بڑی نیک تھیں، اور علم دین کی بڑی قدر کرتی تھیں۔محمد ابن ادریسؒ جب ذرا ہوشیار ہوئے تو ماں نے ایک مکتب میں داخل کرادیا لیکن گھر میں اتنا بھی نہ تھا کہ استاد کی کچھ خدمت کی جاتی۔آخر کار استاد اس پر راضی ہوگئے کہ جب وہ باہر جائیں تو ان کی غیر موجودگی میں امام صاحب بچوں کی نگرانی کریں۔اس طرح غربت اور تنگی میں آپ پڑھتے تھے اور جب قرآن شریف ختم ہوا تو مسجد میں علما کے حلقوں میں شریک ہونے لگے۔حافظہ خدا نے ایسا دیا تھا کہ جو سنتے فوراً یاد ہو جاتا۔غربت کا حال یہ تھا کہ کاغذ

نہیں خرید سکتے تھے، چکنی ھڈیاں ڈھونڈتے پھرتے اوراس پر لکھتے، جب وہ بھر جاتیں تو گھڑے میں حفاظت سے رکھ لیتے۔اس طرح مشقت وتنگی میں فقہ وحدیث کے امام نے دین کا علم حاصل کیا۔اورایک دنیا کواپنے فیض سے مالا مال کیا۔

شاگرد سے محبت

امام شافعیؒ مکہ کے رہنے والے ایک مشہور بزرگ ہیں۔فقہ اور حدیث کے امام ہیں، ان کے ایک شاگرد ربیع ابن سلیمانؒ تھے، آپ ربیع ابن سلیمانؒ کو بڑی محنت سے پڑھاتے اوراتنہائی محبت فرماتے تھے۔کبھی کبھی محبت جوش مارتی توفرماتے ربیعؒ! اگر میں تمہیں علم گھول کر پلاسکتا توضرور پلاتا۔

بدترین علما

حضرت قتادہؒ بصرہ کے بہت بڑے عالم تھے، بصرہ میں ان سے بڑھ کرحدیث کا کوئی عالم نہ تھا۔ ۶۱ھ میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۱۱۷ھ میں وفات ہوئی، فرمایا کرتے تھے، بدترین حاکم وہ ہیں، جودین کے عالموں سے دوردور رہتے ہیں' اور بدترین علما وہ ہیں جودنیادار حاکموں سے نزدیک رہتے ہیں۔

علم کے درجے

حضرت فُضیل ابن عیاضؒ بہت بڑے عابدوزاہد تھے، فرمایا کرتے تھے، علم کے پانچ درجے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی خاموش رہنا سیکھے۔دوسرا درجہ یہ ہے کہ توجہ سے سننا سیکھے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ جوکچھ سنے اسے یادرر کھے۔چوتھا درجہ یہ ہے کہ جوکچھ معلوم ہو جائے اس پرعمل کرے، پانچواں درجہ ہے کہ جوعلم حاصل ہواس کو پھیلائے۔

مطالعہ کا شوق

(۱) ابوالعباس احمدؒ کوفہ کے رہنے والے بڑے زبردست عالم تھے۔نحواورلغت میں انھیں بڑا کمال حاصل تھا۔انھوں نے بہت سی مفید کتابیں لکھیں اور اپنی تحقیق اورعلم سے

لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔آپ سے لوگوں نے ایک بار پوچھا کہ اب تو آپ کسی سے ملتے ہی نہیں ہر وقت گھر ہی میں بیٹھے رہتے ہیں، کیا لوگوں سے بالکل ہی نفرت ہوگئی ہے؟ اگر آپ کبھی باہر تشریف لائیں، لوگوں کو ملاقات کا موقع دیں تو خدا کی مخلوق کو بڑا فائدہ پہنچے اور ملنے جلنے سے آپ کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو۔

ابوالعباسؒ نے یہ بات سن کر سر جھکا لیا۔تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھے رہے جیسے کچھ سوچ رہے ہوں، پھر سر اٹھایا اور انتہائی اطمینان اور مسرت کے ساتھ مسکراتے ہوئے کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

''اگر ہم بادشاہوں کے پاس بیٹھیں تو وہ غرور اور گھمنڈ سے پیش آئیں گے۔کاروباری لوگوں میں بیٹھیں تو روپے گننے میں لگ جائیں اور دل کے غریب ہو جائیں گے۔اس لیے ہم مجبور ہو کر گھروں کے ہو گئے ہیں کہ علم سے کتابوں کے صفحات بھر رہے ہیں۔''

(۲) علامہ ابن رُشدؒ فقہ کے مشہور عالم تھے، فلسفہ میں بھی ان کو بڑا کمال حاصل تھا۔۱۱۲۶ء میں اسپین میں پیدا ہوئے۔عرصہ تک قرطبہ میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر رہے۔فقہ میں آپ کی کتاب بدایۃ المجتہد بہت مشہور ہے۔شروع ہی سے پڑھنے پڑھانے کا بہت شوق تھا۔ ہر وقت کتاب ہاتھ میں رہتی۔ابن الآبار کا بیان ہے کہ علامہؒ کی تمام عمر میں صرف دو راتیں ایسی گزری ہیں جن میں وہ مطالعہ نہیں کر سکے ہیں۔ایک جس رات کو ان کی شادی ہوئی اور ایک جس رات کو ان کے والد کا انتقال ہوا۔فقہ، طب، کلام، فلسفہ ہر موضوع پر آپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ابن الآبار کہتے ہیں آپ کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کے کل صفحات بیس ہزار ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہؒ بہت مشہور عالم گزرے ہیں۔یہ مشہور خلیفہ عمر ابن عبدالعزیزؒ کے پوتے تھے۔علم اور مطالعہ کے شوق میں لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا اور ہر وقت قبرستان میں رہنے لگے تھے، کتاب ہاتھ میں لیے ہر وقت تنہا بیٹھے پڑھتے رہتے۔ایک

مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا، آپ زندگی میں لوگوں سے الگ تھلگ قبرستان میں کیوں رہتے ہیں؟ فرمایا، میری نظر میں قبر سے زیادہ اچھا کوئی نصیحت کرنے والا نہیں' کتاب سے زیادہ کوئی دل چسپ رفیق نہیں اور تنہائی سے زیادہ بے ضرر کوئی ساتھ نہیں۔

(۴) بصرہ کے مشہور بزرگ حضرت حسن ابن یسارؒ فرمایا کرتے تھے، میری عمر کے چالیس سال ایسے گزرے ہیں کہ سوتے جاگتے کتاب میرے سینے پر رہی ہے۔

چٹورے طالب علم

امام ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں۔ آپ کا نام یعقوب ابن ابراہیم تھا۔ عباسی خلفا کے دور میں عرصہ تک قاضی القضاۃ رہے۔ اسلام میں سب سے پہلے انھی کو قاضی القضاۃ کہا گیا۔

ایک دن اپنی طالب علمی کا قصہ سُنانے لگے" کہ ہم بہت سے لڑکے پڑھنے جایا کرتے تھے، لیکن علم انھی کو ملا جن کے دل دہی کھاتے کھاتے پک گئے تھے، صبح سویرے ہم باسی روٹی پر دہی چپڑ لیتے اور ناشتہ کر کے فوراً پڑھنے کے لیے گھر سے نکل پڑتے، لیکن ہمارے چٹورے ساتھی، مزے دار کھانوں کی چاٹ میں رُکے رہتے۔ اور اس وقت پہنچتے جب ہم بہت سا پڑھ چکتے۔ اس طرح یہ چٹورے طالب علم، علم کی چاٹ سے محروم رہے۔

نصیحت کا اثر

حضرت عیینہؒ کو اپنے پیارے بیٹے سفیان کی تعلیم کا بڑا خیال تھا۔ سفیان ابھی چار سال کے تھے کہ باپ نے قرآن حفظ کرنے کے لیے بٹھا دیا۔ سات سال کے ہوئے تو پورا قرآن شریف حفظ ہو گیا۔ اب ان کے باپ نے چاہا کہ میرا بیٹا محدث بنے اور حدیث کے عالموں کے پاس بھیجنے لگے۔ کئی سال تک پڑھتے رہے۔ ۱۴۔۱۵ سال کی عمر ہو گئی لیکن پڑھنے کی طرف توجہ نہ تھی۔ باپ بہت سمجھاتے لیکن پڑھنے میں ان کا جی ہی نہ لگتا۔ حضرت عیینہؒ خدا سے دعائیں کرتے اور مایوس نہ ہوتے۔ ایک بار انھوں نے بڑے پیار سے بیٹے کو

اپنے پاس بٹھایا، اور سوز و محبت کے ساتھ اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔

پیارے بیٹے! بچپن کے دن گزر گئے۔ اب تم ماشا اللہ ہوشیار ہو، میرے بیٹے اب تو جی جان سے پڑھنے میں جُت جاؤ۔ پیارے بیٹے! یاد رکھو علم کی راہ میں سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تم علما کی خدمت کرو۔ اور ان کے کہے پر چلو۔ ان کی خدمت سے عظمت پاؤ گے اور ان کی اطاعت سے علم اور مرتبہ پاؤ گے۔

باپ کی دل سے نکلی ہوئی نصیحت بیٹے کے دل میں بیٹھ گئی۔ سچ ہے ''بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔'' یہی سفیانؒ ہیں جو قرآن کے مانے ہوئے مفسر بنے، حدیث کے امام کہلائے اور انھی کے بارے میں امام احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا میں نے حضرت سفیان ابن عیینہؒ سے زیادہ قرآن کا جاننے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔

روشنی کے مینار

حضرت ابو جعفرؒ کے بیٹے حضرت عبید اللہؒ فرمایا کرتے تھے، دین کے عالم دنیا کے لیے روشنی کے مینار ہیں، انھی کی ذات سے وہ روشنی پھوٹتی ہے جس سے بھٹکے ہوئے لوگ راستہ پاتے ہیں۔

گود سے گور تک

حضرت مامون الرشیدؒ ساتویں عباسی خلیفہ ہیں' ان کو علم کا بڑا شوق تھا۔ یونانی زبان کی بہت سی کتابوں کا عربی ترجمہ کرایا اور ہر طرح علما کی خدمت کرتے اور علم کی سرپرستی فرماتے۔

ایک دن ابراہیم ابن مہدی ان سے ملنے آئے، دیکھا کہ بڑے بڑے علما بیٹھے ہوئے ہیں اور علمی مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے۔

مامونؒ نے ابراہیم سے کہا۔ کہیے ان مسائل میں آپ کی کیا رائے ہے؟۔

''میری بھلا کیا رائے ہوتی۔ یہ تو پڑھے لکھوں کی باتیں ہیں۔ میں کیا جانوں؟''

ابراہیم نے کہا۔

''پھر آپ سیکھتے کیوں نہیں؟'' مامونؒ نے برجستہ جواب دیا۔

''بوڑھے طوطے بھی کہیں پڑھتے ہیں! اب بڑھاپے میں مجھ سے کیا ہوگا۔'' ابراہیم نے مایوسی کے ساتھ کہا۔

''نہیں نہیں..... آپ مایوس نہ ہوں، علم حاصل کرتے کرتے موت کا آجانا اس سے بہتر ہے کہ آدمی جہالت پر مطمئن ہو کر مرے۔'' مامون الرشیدؒ نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔

''تو پھر میں کب تک پڑھتا رہوں؟'' ابراہیم نے سوال کیا۔

''جب تک سانس رہے، علم تو گود سے گور تک حاصل کرنا چاہیے۔'' علم دوست خلیفہ نے جواب دیا۔

ذہانت

(۱) ایک بار خلیفہ ہارون الرشیدؒ اپنے ایک وزیر کے یہاں تشریف لے گئے۔ گھر میں سے وزیر کا ایک چھوٹا سا لڑکا نکلا اور سلام کر کے ادب سے ایک طرف کو بیٹھ گیا۔

ہارون الرشیدؒ نے لڑکے سے پوچھا:۔

بتاؤ ہمارا گھر اچھا ہے کہ تمھارا؟

لڑکے نے بے جھجک جواب دیا۔ ہمارا گھر اچھا ہے۔

ہارون الرشید نے پوچھا۔

بھئی وہ کیسے؟

لڑکے نے اطمینان سے کہا۔

اس لیے کہ آپ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔

ہارون الرشید لڑکے کی اس ذہانت اور حاضر جوابی سے بہت خوش ہوئے اور اس کو بہت سا انعام دیا۔

(۲) ہارون الرشید کے لڑکے مامون الرشیدؒ نحو اور قراءت کے مشہور عالم ''کسائی'' کے پاس قرآن شریف پڑھنے جایا کرتے تھے۔ مامون الرشیدؒ ابھی چھوٹے سے ہی تھے لیکن بڑے ذہین اور سمجھ دار تھے۔

حضرت کسائیؒ کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ مامونؒ پڑھتے رہتے اور وہ گردن ہلاتے رہتے۔ جہاں کہیں مامونؒ سے غلطی ہوتی تو سر اٹھا کر مامونؒ کو دیکھنے لگتے۔

ایک دن مامونؒ نے سورۂ الصّف شروع کی اور جب یہ آیت پڑھی لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ○ الصّف 2:61 (ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟) تو حضرت کسائیؒ نے سر اٹھا کر مامونؒ کو دیکھا۔ مامونؒ نے پھر یہ آیت اسی طرح دہرادی۔ کسائیؒ خاموش ہو گئے اور پھر گردن ہلانے لگے۔

مامون پڑھنے کے بعد جب گھر گئے تو اپنے باپ سے کہا۔

ابا جان ایسا معلوم ہوتا ہے آپ نے حضرت کسائیؒ سے کوئی وعدہ فرمایا تھا اور وہ غالباً آپ سے ذکر کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔

ہارون الرشیدؒ نے تھوڑی دیر سوچا اور کہا ''ہاں انھوں نے علمائے قراءت کی مدد کے لیے کہا تھا لیکن تم سے کس نے کہا۔ کیا حضرت کسائیؒ نے خود کچھ کہا؟''۔

''نہیں تو''..... مامونؒ نے جواب دیا۔

''پھر تمھیں کیسے معلوم ہوا؟'' ہارون الرشیدؒ نے پوچھا۔

مامونؒ نے اپنے پڑھنے کا پورا قصہ سُنایا اور آیت کے بارے میں بھی بتایا۔

ہارون الرشیدؒ کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ بیٹے کی اس سمجھ اور ذہانت کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آئے۔

(۳) معتصم باللہ نے ایک مرتبہ ایک لڑکے سے پوچھا، کیوں بھئی تم نے میری انگوٹھی سے بھی اچھی کوئی چیز دیکھی ہے؟

لڑکا۔ ''کیوں نہیں۔''

''کیا چیز دیکھی ہے؟''، معتصم نے تعجب سے کہا۔

لڑکا۔ ''امیر المومنین آپ کی انگلی۔''

خلیفہ بہت خوش ہوا اور انگوٹھی اتار کر اسی لڑکے کو دے دی۔

تصنیف وتالیف

حُمیدیؒ اندلس کے رہنے والے مشہور محدث ہیں۔ان کا پورا نام محمد ابن ابی نصرؒ ہے۔ حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مصر،شام،عراق، مکہ دور دور کے سفر کئے۔یہ بہت ہی نیک اور پرہیز گار آدمی تھے۔لوگوں سے بہت کم ملتے اور ہر وقت لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتے ۔حدیث میں حافظ ابن عبدالبر کے شاگرد تھے۔انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں۔اُن کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ تصنیف وتالیف اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔گرمی کے دنوں میں جب گرمی ستاتی تو ایک لگن میں پانی بھر لیتے اور اس میں بیٹھ جاتے اور لکھتے رہتے۔ان کی ایک مشہور رباعی ہے۔

لِقَاءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيدُ شَيْئًا
سِوَى الْهَذْيَانِ مِنْ قِيْلٍ وَقَالٍ
فَأَقْلِلْ مِنْ لِّقَاءِ النَّاسِ اِلاَّ
لِأَخْذِ الْعِلْمِ اَوْاِصْلَاحِ حَالٍ

لوگوں سے ملنے جلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے،بس یہی ہے کہ بکواس ہو،اور نری بات چیت ہو پس لوگوں سے ملنا جلنا کم کردو(بس دو ہی وجہوں سے ملو) یا تو علم حاصل کرنے کے لیے یا اصلاح کے لیے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا حیرت انگیز حافظہ

علامہ ابن تیمیہؒ اسلام کے ان چند عالموں میں سے ہیں جن پر رہتی زندگی تک علمی دنیا فخر کرتی رہے گی۔۶۶۱ھ میں دمشق کی ایک چھوٹی سی بستی حران میں پیدا ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو زبردست حافظہ عطا فرمایا تھا۔تاریخ میں ان کے حافظہ کے بہت سے دل چسپ واقعات ملتے ہیں۔

(۱)ابوالمظفر جمال الدین ،علامہ کے بچپن کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں،فرماتے ہیں ایک بار آپ کے والد جنگل کو پکنک منانے کے لیے جارہے تھے،ان سے بھی چلنے کو

کہا، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ والد، بھائی اور سب ہی لوگوں نے بہت کہا مگر کسی طرح جانے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ جب سب لوگ پکنک سے واپس آئے تو آپ کے ابا نے پوچھا۔ بیٹا، دن بھر گھر میں کیا کرتے رہے؟ علامہ ایک موٹی سی کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، ابا جان کو دکھا کر کہنے لگے۔ ابا! دن بھر یہ کتاب پڑھتا رہا اور اب خدا کا شکر ہے یہ ہے مجھے حفظ ہو گئی ہے۔

(۲) ایک مرتبہ حلب کے رہنے والے ایک شیخ آپ کی شہرت سن کر دمشق آئے اور لوگوں سے پوچھنے لگے یہاں احمد ابن تیمیہ نام کا ایک لڑکا ہے ہم نے حلب میں اس کے حافظہ کی بہت تعریف سنی ہے، میں اس سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔

خیاط نامی ایک شخص نے شیخ سے کہا آپ یہیں تشریف رکھیں، اسی راستے سے وہ مدرسہ جاتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں احمد ایک بڑی سی تختی لیے مدرسہ جاتے دکھائی دیئے۔ خیاط نے کہا دیکھیے یہ ہیں ''احمد'' شیخ نے احمد کو آواز دی، بیٹا یہاں آؤ۔ احمد آئے تو شیخ نے ان کے ہاتھ سے تختی لے کر اس پر تیرہ ۱۳ حدیثیں لکھ دیں اور احمد سے کہا۔ پڑھو۔ ابن تیمیہ نے تختی پر ایک نظر ڈالی اور سب تیرہ حدیثیں حافظہ سے سنا دیں۔ اس کے بعد حدیث کی سندیں لکھیں۔ آپ نے ان پر بھی ایک نگاہ ڈالی اور حافظہ سے سب سنا دیں۔ شیخ صاحب کو ان کے حافظہ پر بڑا تعجب ہوا۔ دعا دی، اور فرمایا۔ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اپنے وقت کا بہت بڑا علامہ بنے گا اور بہت بڑا انسان ہوگا پھر لوگوں سے کہا میں نے اس عمر میں اس حافظہ اور ذہانت کا بچہ آج تک کبھی نہیں دیکھا۔

پڑھنے میں محنت

(۱) علامہ عبدالرحمن ابن علیؒ بہت بڑے محدث گزرے ہیں، علامہ ابن الجوزیؒ کے نام سے مشہور ہیں، ابھی تین سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بڑی تنگی اور بے بسی میں پرورش پائی۔ لیکن بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا انتہائی شوق تھا۔ محنت کا حال یہ تھا کہ بس ہر وقت پڑھنے لکھنے میں جٹے رہتے، جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے تو ضرور جامع مسجد جاتے، اس

کے علاوہ کبھی اپنے گھر سے دور نہ جاتے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے قلم سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ لکھنے کا یہ عالم تھا کہ کبھی ان کو وقت ضائع کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ نیزے کے قلم سے لکھتے تھے، اور جب قلم بناتے تو اس کے تراشے جمع کرتے جاتے، مرتے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ میرے نہانے کے لیے انھیں تراشوں سے پانی گرم کیا جائے۔ یہ تراشے اتنے زیادہ تھے کہ غسل کے لیے پانی گرم کرنے کے بعد بھی بچ رہے۔

(۲) علامہ ابن جریرؒ بھی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم ہیں، ان کی تاریخ طبری بہت مشہور ہے، چالیس سال تک برابر روزانہ چالیس ورق لکھا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے لکھنے کا اندازہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ زندگی بھر روزانہ چودہ ورق لکھے ہیں۔ ان کی تاریخ تقریباً چودہ ہزار صفحوں کی ہے، اور آپ نے صرف تاریخ ہی نہیں لکھی بلکہ اور بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب بھی ان کو دیکھا پڑھنے لکھنے میں مشغول دیکھا۔

ذہانت اور دانائی

خلیفہ عبدالملک کے دور میں امام شعبی سفارت کے نہایت اہم کاموں کو انجام دیا کرتے تھے۔ یہ نہایت ہی ممتاز عالم اور اپنے وقت کے زبردست فقیہ تھے۔ دین کی سوجھ بوجھ اور معاملہ فہمی میں اپنی مثال آپ تھے۔

خلیفہ عبدالملک نے ایک بار ان کو قیصر روم کے یہاں سفارتی خدمت پر روانہ فرمایا قیصر روم نے ان سے بہت سوالات کئے جن کے جوابات انھوں نے نہایت ذہانت و فراست کے ساتھ دیے، وہ ان کی سوجھ بوجھ اور علم و بصیرت سے بہت مرعوب ہوا اور پوچھا۔

''کیا آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟

''جی نہیں، میں تو ایک عام عرب ہوں۔'' امام صاحب نے سادگی سے جواب دیا۔

قیصر روم کچھ بڑبڑایا اور پھر ایک رقعہ لکھا اور امام صاحب کے حوالے کرتا ہوا بولا۔

اپنے خلیفہ کو میری باتیں پہنچانے کے بعد میرا یہ رقعہ بھی حوالے کر دینا۔

امام شعبی وہاں سے رخصت ہوئے اور عبدالملک کے پاس پہنچ کر قیصر روم کے پیغامات دینے کے بعد اس کا دیا ہوا رقعہ بھی دیا۔

عبدالملک نے وہ رقعہ پڑھا پھر امام شعبی سے پوچھا یہ رقعہ لکھنے سے پہلے قیصر روم نے آپ سے کوئی گفتگو کی تھی، فرمایا: بس یہ پوچھا تھا کہ آپ کا تعلق شاہی خاندان سے ہے؟ اور میں نے کہہ دیا تھا کہ نہیں میرا تعلق شاہی خاندان سے نہیں ہے۔ یہ کہہ کر امام صاحب رخصت ہو گئے۔

امیر المؤمنین نے ان کو بلوایا اور پوچھا۔

عبدالملک:۔ کیا آپ نے یہ رقعہ پڑھا ہے۔

امام شعبی:۔ جی نہیں، میں نے نہیں پڑھا ہے۔

عبدالملک:۔ لیجئے اس کو پڑھیے۔ اس میں لکھا ہے ''حیرت ہے کہ ایک ایسے شخص کے ہوتے ہوئے اس قوم نے ایک دوسرے شخص کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے۔''

امام شعبی:۔ امیر المومنین اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس میں یہ لکھا ہے تو میں ہرگز اس رقعہ کو لے کر نہ آتا۔

عبدالملک:۔ امام صاحب آپ سمجھے بھی کہ اس لکھنے سے قیصر روم کا مقصد کیا ہے۔

امام شعبی:۔ امیر المؤمنین میں نہیں سمجھ سکا۔

عبدالملک:۔ دراصل قیصر روم نے مجھے آپ کے خلاف بھڑکانے اور آپ کو قتل کرانے کے لیے یہ سازش کی ہے۔

جب قیصر روم کو معلوم ہوا کہ خلیفہ عبدالملک نے پرچہ کے بارے میں یہ اظہار خیال کیا ہے تو وہ خلیفہ کی ذہانت اور دانائی سے بہت متاثر ہوا اور اس نے اقرار کیا کہ واقعی اس پرچے سے میرا یہی مقصد تھا۔

عالم اور بے نیازی

محمد ابن سحنونؒ بیان کرتے ہیں ایک عالم دین کے بھائی روزانہ رات کو چھپ کر شہر

کے حاکم کے پاس سلام کو جایا کرتے تھے، جب ان عالم کو خبر لگی تو اپنے بھائی کو لکھا۔ ''میرے بھائی جو خدا تمھیں دن میں دیکھتا ہے وہی خدا تم کو رات میں بھی دیکھتا ہے سُنو، تمھارے نام یہ میری آخری تحریر ہے۔'' سحنونؒ نے جب اپنے بیٹے محمدؒ سے یہ واقعہ سنا تو بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا بالکل ٹھیک لکھا واقعی یہ بات ایک عالم کے لیے کتنی شرم ناک ہے کہ لوگ تو اس سے دین سیکھنے کے لیے اس کے دروازے پر پہنچیں اور وہاں جا کر معلوم ہو کہ وہ حضرت خود کسی کی ڈیوڑھی پر حاضری دینے گئے ہیں۔

عالم کی قسمیں

حضرت ابوقلابہؒ بصرہ کے مشہور عالم ہیں، حدیث اور فقہ میں ان کا درجہ بہت اونچا ہے۔ ان کا اصل نام عبداللہ ابن زیدؒ تھا۔ بہت ہی نیک اور گوشہ نشین عالم تھے، جب بصرہ کے حاکموں نے قاضی بنانا چاہا اور بہت ضد کی تو وہ اپنا وطن چھوڑ کر شام میں جا بسے۔ ان سے بہت سی حکمت کی باتیں مشہور ہیں فرمایا کرتے تھے، عالم تین طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک تو وہ عالم ہیں جو اپنے علم سے خود تو زندگی حاصل کر لیتے ہیں لیکن دوسرے لوگوں کو ان کے علم سے کوئی زندگی نہیں ملتی۔

۲۔ دوسرے وہ عالم ہیں جن کے علم سے دوسرے لوگ تو فائدہ اٹھاتے ہیں اور زندگی حاصل کرتے ہیں لیکن خود وہ محروم رہتے ہیں۔

۳۔ تیسری قسم کے عالم وہ ہیں جو نہ اپنی زندگی سے خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسرے ہی اس سے کوئی زندگی حاصل کرتے ہیں۔

بصرہ کا سردار

حجاج نے ایک بار خالد ابن صفوانؒ سے پوچھا۔ خالد! تمھاری نظر میں بصرہ کا سردار کون ہے؟ ''بصرہ کے سردار حضرت حسنؒ[1] ہیں'' خالدؒ نے برجستہ جواب دیا۔

---

(۱) مشہور تابعی بزرگ ہیں، آپ کا نام حسن بن یسارؒ ہے، اور حسن بصریؒ کے نام سے مشہور ہیں، بہت بڑے عالم و فاضل اور نیک بزرگ تھے، تحریر و تقریر دونوں میں اپنی مثال آپ تھے، نہایت جری اور خدا ترس تھے، حجاج جیسے ظالم سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔

''یہ کیسے حسنؒ تو غلاموں کی اولاد ہیں!'' حجاج نے تعجب سے پوچھا۔

خالدؒ نے کہا۔ جی ہاں حضرت حسنؒ ہی بصرہ کے سردار ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں بصرہ کے چھوٹے بڑے سب ہی دین میں ان کے محتاج ہیں، اور حسنؒ کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا کے کسی معاملہ میں بھی ان کے محتاج نہیں ہیں بصرہ میں جس کو دیکھو ان کی نصیحتیں سننے کا خواہش مند ہے۔ ان کی مجلس علم میں پہنچنے کے لیے بے چین ہے اور ان سے کچھ سیکھنے کا مشتاق ہے۔

حضرت انور شاہؒ کے زبردست حافظہ کا عجیب واقعہ

عرب والوں کا حافظہ تو دنیا بھر میں مشہور ہی ہے، لیکن ہندستان میں بھی بعض ایسے لوگ گزرے ہیں جن کے زبردست حافظہ کے واقعات سن کر آدمی حیران رہ جاتا ہے۔

ہندستان میں سب سے بڑا اور پرانا دینی مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے۔ یہاں کچھ سال پہلے حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ پڑھایا کرتے تھے۔ یہ شیخ الہندؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بڑے زبردست عالم تھے، انتہائی نیک، دین دار، بہادر اور سادہ زندگی گزارنے والے بزرگ تھے۔ ان کے ایک ہونہار شاگرد مولانا محمد انورؒ تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑا حیرت انگیز حافظہ بخشا تھا۔ اسی زبردست حافظہ کی وجہ سے لوگ ان کو ''زندہ کتب خانہ'' کہا کرتے تھے۔ بعد میں یہ دارالعلوم میں حدیث کے استاد بنائے گئے اور ایک دنیا کو انھوں نے فیض پہنچایا۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ایک عزیز شاگرد مولانا قاری محمد طیب صاحب ہیں، جو آج کل دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہیں۔ ایک خط میں حضرت قاری محمد طیب صاحب نے اپنے اچھے استاد حضرت محمد انور شاہؒ کے پڑھانے کے حالات لکھ کر بھیجے ہیں جو بڑے ہی دل چسپ ہیں اور ان حالات میں ایک واقعہ تو بڑا ہی حیرت انگیز ہے۔

محترم قاری صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جب حدیث پڑھاتے تو پڑھانے کے دوران میں مختلف کتابوں کے حوالے دیتے جاتے اور یہ تک بتاتے کہ یہ بات فلاں کتاب کے کس صفحے اور کس سطر میں ہے۔ ہم لوگ یہ سوچتے تھے کہ شاید یہ کتاب آپ نے آج کل ہی میں دیکھی ہوگی۔ لیکن معلوم کرنے پر بڑا تعجب ہوتا کہ جن کتابوں کے آپ

حوالے دے رہے ہیں اور صفحے اور سطریں تک بتا رہے ہیں ان میں سے بہت سی کتابیں وہ ہیں جن کا مطالعہ آپ نے چالیس چالیس سال پہلے کیا تھا۔

ایک مرتبہ تو بڑا ہی عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں ایک کتاب تیار کر رہا تھا۔ اس کے لیے مجھے ابوالحسن کذاب کے حالات زندگی کی ضرورت تھی، چنانچہ میں نے اپنے استاد محترم حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ حضرت ابوالحسن کذاب کے واقعات اور زندگی کے حالات کن کن کتابوں میں ملیں گے؟۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے بہت سی کتابوں کے نام لیے۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت میں کہاں کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔ آپ خود ہی کچھ حالات سنا دیں۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے ابوالحسن کے حالات سنانا شروع کئے۔ کب پیدا ہوئے، کب انتقال ہوا۔ کس کس سنہ میں کیا کیا واقعہ پیش آیا۔ پیدائش سے لے کر موت تک کے سارے واقعات سنا دیے اور سارے واقعات ترتیب وار مسلسل سنائے۔ اور ان کی غلط بیانی اور جھوٹ کے بہت سے واقعات بھی بیان فرمائے۔

مجھے یہ خیال ہوا کہ حضرت نے شاید ابھی حال ہی میں ابوالحسن کے حالات پر کوئی کتاب پڑھی ہے۔ جبھی تو پیدائش سے لے کر مرنے تک کے سارے حالات ترتیب وار یاد ہیں اور پھر ان کی سنیں تک یاد ہیں..... اور میں نے حضرت کے سامنے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا۔

حضرت نے فرمایا نہیں مولوی صاحب، یہ بات نہیں۔ آج سے تیس چالیس سال پہلے جب میں مصر گیا تھا تو وہاں کے کتب خانے میں اتفاق سے ابوالحسن کے حالات زندگی پر ایک کتاب ہاتھ آ گئی اور میں نے وہیں کتب خانے کی الماری کے پاس کھڑے کھڑے پڑھ ڈالی تھی۔ اب آپ نے جب پوچھا تو وہ سارے واقعات حافظہ میں تازہ ہو گئے۔

علم دین کی عظمت

ایک بار مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ مولانا فضل الرحمنؒ گنج مرادآبادی سے ملنے کے لیے

ان کے یہاں تشریف لے گئے۔لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت گنج ؒ مرادآبادی ان کے آنے سے اتنے خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی آپ اتنے خوش نہیں دیکھے گئے۔فوراً اٹھے اور نہایت عزت واحترام سے مولانا کو چارپائی پر بٹھایا۔پھرفرمایا تم بچے ہواور میں بوڑھا ہوں مگرتم سمجھے میں نے تمھاری اتنی عزت کیوں کی؟.....صرف اس لیے کہ تم دین کے عالم ہو،حضرت عباس ؓ نے بڑے ہوتے ہوئے حضرت عمر ؓ کی تعظیم اسی وجہ سے کی تھی،پھراپنے بڑے لڑکے احمد میاں کوآواز دی اورفرمایا.....بیٹے بتاؤتمھیں ان کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یانواب حیدرآباد کے آنے سے،لائق بیٹے نے کہا حضرت ان کے آنے سے،آپ بہت خوش ہوئے۔بیٹے کوحکم دیا۔جاؤدالان میں چارپائی پران کے لیے بستر بچھاؤ۔اوران کے لیے اچھے اچھے کھانے تیارکرو۔

عمل پرعلم کی فضیلت کے پانچ وجوہ

علم کوعمل پر پانچ وجہوں سے فضیلت حاصل ہے۔

(۱)علم،عمل کے بغیر بھی حاصل ہوجاتا ہےلیکن عمل وعلم کے بغیرنہیں ہوسکتا ہے۔

(۲)علم،عمل کے بغیر بھی نفع پہنچا سکتا ہے،لیکن عمل،علم کے بغیر کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔

(۳)علم چراغ کی مانندخودروشنی ہےاورعمل علم کی روشنی ہی سے روشن ہوتا ہے۔

(۴)علم انبیا کامقام ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کے مانند ہیں۔''

(۵)علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اورعمل بندوں کی صفت ہے اوراللہ کی صفت بندوں کی صفت سے افضل ہے۔[1]

حفاظت علم اور پانچ چیزوں کا اہتمام

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،جوشخص اپنے علم کی حفاظت کاخواہش مندہواس کے لیے

---

(۱)علمااسلاف

ضروری ہے کہ وہ پانچ باتوں کا اہتمام کرے۔

(۱) تہجد کی نماز کا اہتمام کرے چاہے دو ہی رکعتیں پڑھے۔

(۲) ہمیشہ باوضو رہے۔

(۳) کھلے چھپے ہر حال میں خدا کا خوف رکھے۔

(۴) جو کچھ کھائے اس لیے کھائے کہ اس سے خدا کے خوف میں اضافہ ہو نہ یہ کہ اس سے بُری خواہشیں زیادہ بڑھیں۔

(۵) اور پابندی سے مسواک کرے۔ (۱)

طالب علم کے لیے چھ اجر

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے پھر کسی علمی مجلس میں بیٹھ کر خدا کا کلام سنے اور جو کچھ سُنے اس کے مطابق عمل کرے۔ وہ اس کے صلے میں خدا سے چھ اجر پائے گا۔''

(۱) اس کو حلال روزی نصیب ہوگی۔

(۲) عذاب قبر سے نجات حاصل ہوگی۔

(۳) اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(۴) پُل صراط پر وہ بجلی کی طرح گزر جائے گا۔

(۵) وہ پیغمبروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

(۶) اور جنت میں اس کے لیے سرخ یاقوت کا ایسا حسین اور کشادہ محل تیار کیا جائے گا جس کے چالیس دروازے ہوں گے۔ (۲)

---

(۱) علما اسلاف

(۲) زبدۃ الواعظین

علم کے تین حرف

بزرگوں نے کہا ہے، ''علم کے تین حرف ہیں، ع، ل، م۔ ''ع'' سے مراد علیین [1] ہے۔
''ل'' سے مراد لطف ہے اور ''م'' سے مراد ملک ہے۔ [2]
پس علم کا عین عالم کو علیین میں پہنچاتا ہے، ''ل'' عالم کو لطیف و مہربان بنا دیتا ہے اور ''م'' عالم کو عام لوگوں پر اقتدار و عظمت عطا کرتا ہے۔ (مجالس الابرار)

چار آیتیں

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾

التوبہ 122:9

(۱) اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے، اور دین کی سوجھ بوجھ پیدا کرتے اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غلط روش) سے پرہیز کرتے۔

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ فاطر 28:35

(۲) (اللہ سے اس کے بندوں میں علم والے ہی ڈرتے ہیں)

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ طٰہٰ 114:20

(۳) (اور (اے رسولؐ) کہو، اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم عطا فرما!)

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ الزمر 9:39

---

(۱) علیین سے مراد وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں اہل جنت کے ناموں کا اندراج ہوتا ہے، ان کے نیک اعمال کے فائل تیار کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے اہل جنت کی روحوں کو وہیں ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور پھر وہاں سے اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے، كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ المطففین 18:83 بے شک نیک لوگوں کے اعمال نامے علیین میں ہیں۔ اور تم کیا جانو کہ علیین کیا ہے، لکھا ہوا دفتر ہے، جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

(۲) اقتدار اور بادشاہی۔

(۴)(کہو، کیا وہ لوگ جو علم والے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے ، برابر ہو سکتے ہیں)

چار حدیثیں

(۱) ایک مسافر علم کے شوق میں سیکڑوں میل کا سفر کر کے مدینۂ منورہ سے شام پہنچتا ہے اور دمشق کی مسجد میں پیارے صحابی حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔

صحابیؓ :۔ کہئے بھائی! کیسے آنا ہوا؟

مسافر! حضرت ! آپ کی زبان سے صرف ایک حدیث سُننے کے لیے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ حدیث آپ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان سے سُنی ہے۔

صحابیؓ :۔ واقعی آپ کسی اور غرض سے نہیں آئے ہیں؟

مسافر:۔ جی ہاں حضرت ! اور کوئی غرض نہیں ہے۔

صحابیؓ :۔ کسی کاروباری ضرورت سے تو نہیں آئے ہیں؟

مسافر:۔ جی نہیں، کوئی کاروباری ضرورت نہیں ہے۔

صحابیؓ :۔ صرف حدیث رسولؐ کے شوق میں آئے ہیں تو سنیے۔

میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنا ہے، آپؐ ارشاد فرماتے تھے۔

''جو شخص تلاش علم کے شوق میں کسی راہ پر نکلتا ہے، تو خدا اسے جنت کو جانے والی راہ پر چلاتا ہے..... اور فرشتے اس کی خوشی کے لیے اس کی راہ میں اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ اور زمین و آسمان کی ساری مخلوقات یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی عالم دین کے لیے دعائیں کرتی ہیں کہ خدایا تو اسے بخش دے!

ایک عبادت گزار کے مقابلے میں ایک عالم دین کی بڑائی اتنی ہی زیادہ ہے، جتنی ایک چاند کی بڑائی آسمان کے تمام ستاروں کے مقابلہ میں۔

اور انبیا کی میراث پانے والے وہی لوگ ہیں، جو دین کا علم حاصل کریں۔ کیونکہ انبیا کی میراث نہ سونے کے سکے ہیں اور نہ چاندی کے، ان کی میراث تو صرف دین کا علم ہے۔

پس جس نے یہ دولت پائی، اس خوش نصیب نے بہت بڑی دولت پالی۔

(۲) مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"علم دین حاصل کرو۔ علم دین محض خدا کی خوش نودی کے لیے حاصل کرنے سے خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ طلب علم عبادت ہے، علم کا سیکھنا سکھانا اور مذاکرہ خدا کا ذکر اور تسبیح ہے، علم کی تلاش اور کوشش جہاد ہے، ناواقفوں کو سکھانا پڑھانا صدقہ ہے۔ ضرورت کے موقع پر علم سے کام لینا اجر وثواب ہے۔ علم حلال وحرام کو پہچاننے کا ذریعہ ہے۔ علم جنت کے راستے پر روشنی کا ستون ہے۔ تنہائی کے گوشے میں مونس اور پردیس میں رفیق ہے، خلوت کا رازدار ساتھی ہے۔ راحت اور مصیبت دونوں میں راہ نمائی کرنے والا ہے۔ دشمنوں سے مقابلہ کے لیے زبردست ہتھیار ہے۔ دوستوں کے درمیان میں زینت و جمال ہے، علم ہی کے ذریعے اللہ قوموں کو اونچا اٹھاتا ہے..... اور ان کو پیشوا اور امام بنا دیتا ہے کہ قومیں ان کے پیچھے چلتی ہیں۔ ان کی زندگیاں لوگوں کے لیے نمونہ اور مثال بن جاتی ہیں' اور لوگ ان کے قول وفعل کی پیروی کرتے ہیں۔ پست اقوام کو علم کی بدولت یہ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کی رائے ہر معاملے میں آخری رائے سمجھی جاتی ہے۔ فرشتے ان کی خدمت اور رفاقت کی آرزو کرنے لگتے ہیں، اور عاجزی کے ساتھ اپنے پروں سے ان کو چھوتے ہیں۔ ان کے لیے دنیا کی ہر خشک وتر چیز استغفار کرتی ہے، یہاں تک کہ دریاؤں کی مچھلیاں، کیڑے مکوڑے جنگل کے درندے اور چوپائے بھی ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں، علم جہالت کی موت سے دلوں کو زندگی بخشتا ہے۔ علم اندھیرے میں روشنی اور چراغ کا کام دیتا ہے۔ علم انسان کو دنیا اور اخرت میں پسندیدہ لوگوں کے مرتبہ تک پہنچاتا اور اونچے درجوں پر فائز کراتا ہے۔ علم میں غور وفکر روزے کے برابر ہے۔ اور علم کی مشغولیت قیام لیل کے مانند ہے۔ علم ہی کے ذریعہ آدمی صلۂ رحمی کا سلیقہ سیکھتا ہے اور حلال وحرام میں تمیز کرتا ہے۔ علم، عمل کا راہبر ہے اور عمل، علم کو پیروی ہے..... علم کی توفیق سعید اور خوش نصیب بندوں ہی کو ملتی ہے' بدنصیب علم کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔"[1]

---

(۱) جامع بیان العلم لحافظ ابن عبدالبر

(۳) حضرت انس بن مالک ؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، علما آسمان کے روشن ستاروں کے مانند ہیں جن کی روشنی خشکی اور تری میں راہ نمائی کرتی ہے۔ اگر یہ ستارے چھپ جائیں تو اس بات کا یقینی خطرہ ہے کہ راہ چلنے والے صحیح راہ سے بھٹک جائیں۔ (۱)

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرا کرو تو ان سے کچھ فیض ضرور حاصل کرلیا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ جنت کی کیاریوں سے کیا مراد ہے۔ فرمایا ''جنت کی کیاریاں یہی علمی مجلسیں ہیں۔''(۲)

چار کلمے

(۱) حضرت سمرہ بن جندب ؓ کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، خدا کو قرآن پاک کے بعد چار کلمے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ چاروں کلمے قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔ ان میں سے جس کو چاہو پہلے پڑھ لو کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ	۲۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ
۳۔ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	۴۔ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ

(۲) امّ المومنین حضرت جویریہ ؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح تڑکے نماز فجر کے لیے ان کے کمرے سے نکلے تو وہ مصلّے پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ چاشت کے وقت جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو دیکھا آپ اسی طرح بیٹھی ہوئی کچھ پڑھ رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''تم ابھی ویسے ہی بیٹھی ہوئی ہو جیسے میں تمھیں چھوڑ گیا تھا؟'' انھوں نے اپنے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ بتائی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں تمھیں ایسے چار کلمے بتاتا ہوں جن کو صرف تین تین بار پڑھا جائے تو ان کا وزن اس ذکر و تسبیح سے زیادہ ہوگا جو تم صبح تڑکے سے اب تک پڑھتی رہی ہو'' (اور پھر آپؐ نے یہ چار کلمے بتائے)

---

(۱) مسند احمد
(۲) طبرانی

۱۔سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ

خدا کی پاکی اور بڑائی اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر

۲۔سُبْحَانَ اللهِ رِضَاءَ نَفْسِهٖ

خدا کی پاکی اور بڑائی اس کی ذات کی خوش نودی کی حد تک

۳۔سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ

خدا کی پاکی اور بڑائی اس کے عرش کے وزن کے برابر

۴۔سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (۱)

خدا کی پاکی اور بڑائی اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر

چار شرطیں

خدا کی راہ پر چلنے کا سب سے پہلا قدم توبہ ہے۔اور خدا کی نظر میں سب سے اچھی توبہ وہ ہے جو جوانی میں کی جائے ۔خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے،خدا کی نظر میں جوان آدمی کی توبہ سے زیادہ محبوب کوئی شے نہیں ہے۔ (۲) ''ہر کام کی کچھ شرطیں ہوتی ہیں، توبہ کی چار شرطیں ہیں۔

(۱) اپنے گناہوں پر شرمندگی اور افسوس۔

(۲) گناہوں سے فوری اجتناب۔

(۳) گناہوں سے بچنے کا پختہ ارادہ اور آئندہ کسی گناہ میں پڑنے کا خیال تک دل میں نہ لانا۔

(۴) بندے کا حق پورا پورا ادا کر دینا۔(اگر توبہ کسی ایسے گناہ سے ہو جس کا تعلق بند کے حق سے ہو)

چار خلیفہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے چار خلیفہ اور جانشین ہوئے ۔جو علم دین کا مرکز اور

---

(۱) مسند احمد ح ۳۳۰۸ ص ۱/۳۵۳

(۲) مَا مِنْ شَیْءٍ اَحَبَّ اِلَی اللهِ مِنْ شَابٍّ تَائِبٍ

فیض القدیر ح ۸۰۵۰ ص ۵/۶۱۸

سرچشمہ ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ

رسولؐ کے پہلے خلیفہ، اور مردوں میں سے سے پہلے ایمان لانے والے بزرگ ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب بیوی حضرت عائشہؓ کے والد اور ہجرت کے ساتھی ہیں۔ قرآن وسنت کے سب سے بڑے ماہر اور دین کی حکمت کے سب سے بڑے عالم ہیں، آپ فرمایا کرتے تھے۔

دَارُنَا فَانِيَةٌ وَاَحْوَالُنَا عَارِيَةٌ وَاَنْفَاسُنَا مَعْدُوْدَةٌ وَ كُسْلُنَا مَوْجُوْدَةٌ۔

''یعنی ہمارا یہ گھر عارضی ہے جو بہر حال فنا ہونے والا ہے اور یہاں ہمارے سارے احوال واسباب ہمارے پاس مانگے کے ہیں جو بہر حال ہم سے چھن جائیں گے، ہمارے سانس بھی گنتی کے ہیں مگر پھر بھی ہم غفلت اور سستی میں پڑے ہوئے ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی دعاؤں میں کہا کرتے۔

''پروردگار! دنیا کو میرے لیے خوب کشادہ فرمادے لیکن مجھے اس کے چکر میں پھنسنے سے بچائے رکھ۔ (۱)

(۲) حضرت عمر فاروقؓ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے خلیفہ اور اسلام کے مثالی حکم ران ہیں علم ودانش فقہ وبصیرت اور حق وباطل میں امتیاز آپؓ کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (توبہ توبہ) قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے، مگر خدا نے آپؓ کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔ جس روز آپؓ اسلام لائے حضرت جبریلؑ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو مبارک باد دیتے ہوئے یہ خوش خبری سنائی۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! (حضرت) عمرؓ کے ایمان لانے پر تمام آسمان والے خوشیاں

---

(۱) اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ لِيَ الدُّنْيَا وَزَهِّدْنِيْ عَنْهَا

منار ہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''عمر کی زبان سے حق بات ہی نکلتی ہے۔'' نیز فرمایا ''پچھلی اُمتوں میں دین کی حکمتوں کو سمجھنے والے محدث ہوتے رہے ہیں، میری اُمت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔''

حضرت عمرؓ اکثر یہ دعا مانگتے۔

''اے اللہ! میں تیری راہ میں شہادت پانے کی سعادت کا طالب ہوں۔ اور تیرے رسولؐ کے شہر میں موت کی درخواست کرتا ہوں۔''

(۳) حضرت عثمان غنیؓ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیسرے خلیفہ اور ذی النورین کے خطاب سے مشہور آپؐ کے داماد ہیں، آپؐ کی پہلی بیٹی حضرت رقیہ کا بدر کے دن انتقال ہوا تو آپؐ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم سے آپ کی شادی کر دی اسی لیے آپؓ کو ذی النورین کا خطاب ملا۔ اسی طرح آپ ''ذو ہجرتین'' بھی ہیں۔ اس لیے کہ آپ نے حبش کی طرف بھی ہجرت کی تھی اور پھر مدینے کی طرف بھی۔

شرم وحیا، تسلیم درضا، ایثار وقربانی اور اخلاص وللّٰہیت آپؓ کی نمایاں خوبیاں ہیں، آپؓ ان خوبیوں میں امت کے امام اور پیشوا ہیں۔ قرآن پاک کی اشاعت اور امت کو ایک قراءت پر جمع کرنا آپؓ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ آپ کے دور میں جب نمازیوں کی کثرت ہوگئی تو آپ نے حکم دیا کہ خطبے کی اذان سے پہلے ایک اور اذان دی جایا کرے۔ چنانچہ ایک اور اذان ہونے لگی اور اس وقت سے آج تک جمعہ کے دن یہ پہلی اذان دی جاتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حق میں یہ دعا فرماتے تھے۔

اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

(۴) حضرت علی مرتضیٰؓ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چوتھے خلیفہ اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں، علم وحکمت اور فہم دین میں آپؓ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔''

حضرت علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے شوہر اور آپ کے مہربان چچا ابوطالب کے فرزند ہیں، شروع سے ہی آپؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت میں رہے، اس لیے دین کی حقیقتوں کو سمجھنے اور دین کا صحیح فہم رکھنے میں آپ اُمت کے امام ہیں۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے ''ہم سب میں حضرت علیؓ زیادہ معاملہ فہم ہیں۔''

حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت علیؓ کا ذکر آیا تو فرمایا، علیؓ سے زیادہ اب سنت کا کوئی واقف نہیں رہا حضرت علیؓ سے ایک بار حضرت معاویہؓ نے ایک مسئلہ معلوم کرایا۔ تو آپؓ نے فرمایا ''خدا کا شکر ہے، دین کے معاملہ میں میرا مخالف بھی مجھ سے پوچھتا ہے۔

آپؓ نے فرمایا۔

''عالم اور فقیہ اس شخص کو کہنا چاہیے جو لوگوں کو خدا سے ناامید نہ کرے۔ اور گناہوں کی چھوٹ نہ دے۔ اور خدا کے عذاب سے بے خوف نہ کر دے، قرآن پاک سے بے نیاز کر کے کسی اور چیز کی طرف مائل نہ کر دے۔''

آپؓ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

''علم سے لوگوں کی دل چسپی اس لیے کم ہوگئی ہے کہ وہ عالموں کو علم سے زیادہ نفع اٹھاتے نہیں دیکھتے۔''

طالب علموں کو آپؓ نے نصیحت فرمائی۔

''علم حاصل کرو۔ اور جب حاصل کر لو، تو اس کا وزن بھی محسوس کرو ہنسی مذاق اور کھیل کود سے علم کو نہ ملاؤ، ورنہ دل اس سے نفرت کرنے لگیں گے۔''

بے مثال ذہانت اور حاضر جوابی (لطیفہ)

ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ اس طرح راستے پر چل رہے تھے کہ بیچ میں حضرت علیؓ تھے، جن کا قد ذرا چھوٹا تھا، اور آس پاس یہ دونوں بزرگ تھے جن کا قد بڑا تھا۔

راہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے مزاح کے طور پر حضرت علیؓ کو متوجہ کرتے ہوئے کہا ''عَلِیٌّ بَیْنَنَا کَالنُّوْنِ فِیْ لَنَا'' (یعنی علیؓ ہم دونوں کے بیچ میں ایسے ہیں جیسے ''لَنَا'' میں نون)

اس بات میں ایک طرف تو ظاہری مزاح تھا کہ قد کے اعتبار سے تینوں کے ساتھ چلنے سے بالکل وہی شکل بن رہی تھی جو لَنَا کی ہے، کہ آس پاس لام اور الف ذرا لمبے ہیں اور بیچ میں نون کا شوشہ مختصر سا۔ گویا دو لمبے قد والوں کے درمیان ایک ٹھنگنا آدمی۔ لیکن دراصل اس مزاح میں لطیف اشارہ بھی تھا کہ جس طرح لَنَا میں لام اور نون اور الف آپس میں جڑے ہوئے ہیں اسی طرح اگر ہم تینوں بھی آپس میں متحد رہیں۔ تو سب کچھ ہمارے لیے ہے اس لیے کہ لَنَا کے معنی ہیں ہمارے لیے۔

حضرت علیؓ نے اس کا برجستہ جواب دیا جو ذہانت اور حاضر جوابی کی بہترین مثال ہے، فرمایا لَوْلَا کُنْتُ بَیْنَکُمَا لَکُنْتُمَا لَا۔ (یعنی میں اگر تم دونوں کے درمیان نہ ہوتا تو تم کچھ بھی نہ ہوتے)

اس لیے کہ لَنَا میں سے اگر نون ہٹ جائے تو لَا رہ جائے گا اور لَا کے معنی ہیں نہیں۔

چار ہدایتیں

حدیث کے مشہور امام حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے چار ہزار حدیثوں کا انتخاب یہ چار ہدایتیں ہیں۔

(۱) دنیا کے مال و دولت پر آدمی کبھی غرور نہ کرے۔

(۲) اپنے پیٹ کو کبھی ایسی غذاؤں سے نہ بھرے جن غذاؤں کو اس کا پیٹ برداشت نہ کر سکے۔

(۳) صرف وہی علم اور اسی قدر علم حاصل کرے جو نفع پہنچانے والا ہو۔

(۴) ہر معاملہ میں عورت پر بھروسا نہ کرے۔

چار چشمے

جب لوگوں نے سمجھ لیا کہ حضرت معاذؓ اب دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، تو انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ حضرت ہمیں کچھ وصیت فرمایئے۔

ابو عبدالرحمنؓ نے کہا ''اچھا تم لوگ ذرا مجھے اٹھا کر سہارے سے بٹھا دو۔'' لوگوں نے اٹھا دیا۔

آپؓ نے فرمایا ''علم کے چار چشمے ہیں۔ جو شخص بھی ان چشموں سے فیض یاب ہونے کا خواہش مند ہوگا، وہ علم و ایمان حاصل کر لے گا۔'' اور تین بار آپؓ نے یہ تاکید فرمائی کہ ''ان چار بزرگوں سے علم حاصل کرو۔ یہ چار علم کے چشمے ہیں۔''

(۱) حضرت ابو درداؓ
(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
(۳) حضرت سلمان فارسیؓ
(۴) حضرت عبداللہؓ بن سلام

چار علم

حضرت حاتمؒ فرماتے ہیں، جب سے میں نے چار علم حاصل کئے میں دوسرے سارے علوم سے فارغ اور بے نیاز ہو گیا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا حضرت وہ چار علم کون سے ہیں؟ فرمایا۔

۱۔ جب سے مجھے یہ علم حاصل ہوا ہے کہ میرے نصیب کی روزی میرے لیے علیحدہ رکھ دی گئی ہے اور اس میں نہ کوئی کمی کر سکتا ہے اور نہ زیادتی، اس وقت سے میں نے روزی کی فکر چھوڑ دی ہے، اور اس فکر سے آزاد ہو گیا ہوں۔

۲۔ جب سے مجھے یہ علم حاصل ہوا ہے کہ میرے اوپر میرے خدا کا ایک حق ہے، جس کو میں خود ہی ادا کر سکتا ہوں میری طرف سے کوئی دوسرا اس کو ادا نہیں کر سکتا۔ اس وقت سے میں اس حق کو ادا کرنے میں جی جان سے لگ گیا ہوں۔

۳۔ جب سے مجھے علم ویقین حاصل ہوا ہے کہ میرے سر پر موت کھڑی ہے اور میں اس سے کہیں بھاگ نہیں سکتا، تو میں نے موت سے سازگاری کر لی ہے۔

۴۔ جب سے مجھے یہ علم حاصل ہوا ہے کہ میرا ایک خدا ہے جو میرے ہر ہر کام کی پوری پوری خبر رکھتا ہے اور میری کوئی حرکت اس سے پوشیدہ نہیں ہے تو میں ایسے تمام کاموں سے باز آ گیا ہوں جن کی وجہ سے قیامت کے دن مجھے اس کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

چار سوال چار جواب

ا۔ حکیم جالینوس سے کسی نے پوچھا آپ نے اپنے تمام ساتھیوں سے زیادہ حکمت کیسے حاصل کر لی۔

فرمایا ''میں مطالعہ کے لیے چراغ کے تیل پر اس سے کہیں زیادہ رقم خرچ کی جتنی میرے ساتھیوں نے شراب پر خرچ کی۔

۲۔ حضرت سفیان ابن عیینہؒ سے کسی نے پوچھا علم حاصل کرنے کی ضرورت سب سے زیادہ کس کو ہے؟۔

فرمایا ''جو سب سے زیادہ علم والا ہے کیونکہ کسی عالم سے غلطی ہونا سب سے زیادہ بُرا ہے۔''

(۳) حضرت عیسیٰؑ سے کسی نے پوچھا علم کب تک حاصل کرنا چاہیے؟۔

فرمایا ''جب تک زندگی رہے۔''

(۴) حضرت کعبؒ سے کسی نے پوچھا وہ کون سی چیز ہے جو سینوں میں محفوظ علم کو نکال لے جاتی ہے؟۔

فرمایا ''لالچ اور مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانا۔''

چار مقولے

(ا) آدمی اسی وقت تک عالم ہے جب تک طالب علم رہے، اور اس وقت سے جاہل ہے، جب سے طالب علمی چھوڑ دے۔

(۲) جوکوئی علم سیکھنے میں شرماتا ہے اس کا علم بھی گھٹیا ہوتا ہے۔
(۳) علم کا چھپانا ہلاکت ہے اور عمل کا چھپانا نجات ہے۔
(۴) زیادہ بحث مباحثے سے عمل گم ہوجاتا ہے۔

چار باتیں

ایک پرانا مقولہ ہے کہ شریف آدمی چار باتوں سے کبھی نہیں ہچکچاتا۔
(۱) اپنے باپ کی خدمت اور تعظیم سے۔
(۲) مہمان کی خاطر تواضع اور خدمت سے۔
(۳) اپنے گھوڑے کی دیکھ بھال سے چاہے نوکر بھی موجود ہو۔
(۴) اپنے استاد کی خدمت سے۔

چار دن

خلیل ابن احمدؒ بہت بڑے عالم گزرے ہیں، لغت ادب اور حساب کے امام مانے جاتے ہیں۔ [1] عروض کا فن انھیں کی ایجاد ہے۔ ان کے بہت سے قول مشہور ہیں۔ ایک دن فرمایا، میری زندگی کے دن چار طرح کے ہیں۔

(۱) کمائی کا دن :۔ جو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے، تو میں اس سے خوب خوب سیکھتا ہوں۔

(۲) علم کے اظہار کا دن :۔ یہ وہ دن ہے جب میں گھر سے نکلتا ہوں اور اپنے برابر کے کسی عالم سے ملاقات ہوتی ہے۔ تو میں اس سے علمی مسائل میں خوب خوب بحث کرتا ہوں اور اپنے علم سے اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

(۳) سکھانے کا دن :۔ یہ وہ دن ہے جب میں گھر سے نکلتا ہوں اور کچھ ایسے بچوں سے ملاقات ہوتی ہے، جو علم کے پیاسے ہوتے ہیں انھیں شفقت سے سکھاتا ہوں۔

(۴) آرام کا دن :۔ یہ وہ دن ہے جب میں گھر سے نکلتا ہوں اور اپنے سے کم جاننے

---

(۱) اس علم سے اشعار کا وزن معلوم کرتے ہیں

والے کسی عالم سے ملاقات ہوتی ہے،۔لیکن یہ عالم خود کو مجھ سے اونچا سمجھتا ہے، میں اسے ہرگز منہ نہیں لگاتا اور بالکل خاموش رہ کر آرام کرتا ہوں۔

چار آدمی

انھی بزرگ کا قول ہے۔آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں:۔

(۱) جس سے سیکھا جائے:۔

یہ وہ عالم ہے جو بہت زیادہ جانتا ہے لیکن سمجھتا یہ ہے کہ میں بہت کم جانتا ہوں' ایسا شخص واقعی بہت بڑا عالم ہے،اس سے خوب سیکھو،دین کی باتیں پوچھو،اس کے کہے پر چلو اور اس کی پیروی کرنے میں کوئی کھٹکا نہیں۔

(۲) جس کو سکھایا جائے۔

یہ وہ شخص ہے جو کچھ نہیں جانتا،بالکل جاہل ہے،۔لیکن یہ سمجھتا ہے کہ میں واقعی نہیں جانتا۔ایسا شخص قابل رحم ہے،ایسے شخص کو شفقت سے سمجھاؤ اور جہاں تک ہو سکے،خوب سکھاؤ۔

(۳) جس کی غفلت دور کی جائے۔

یہ وہ شخص ہے جو علم والا ہے،لیکن وہ خود نہیں جانتا کہ میں علم والا ہوں' اور وہ اپنے علم کی قدر نہیں کرتا۔ایسا شخص بھی قابل رحم ہے،یہ غافل ہے اس کی غفلت دور کرو۔اور اسے علم کی قدر و قیمت بتاؤ۔

(۴) جس سے بھاگا جائے۔

یہ وہ بے وقوف ہے جو بالکل جاہل ہے، کچھ نہیں جانتا علم کی دولت سے بالکل محروم ہے' لیکن اتنا بھی نہیں جانتا کہ میں نہیں جانتا اس کو اپنی بے علمی کا بھی احساس نہیں' یہ شخص کند ذہن ہے،غبی ہے،بے وقوف ہے اس سے دور بھاگو۔

چار شعر

(۱) اَلْعِلْمُ فِيْهِ حَيَا تٌ لِّلْقُلُوْبِ
كَمَا تَحْيَا الْبِلَادُ اِذَا مَا مَسَّهَا الْمَطَرُ

علم سے دلوں کو ایسی زندگی حاصل ہوتی ہے جس طرح مُردہ خشک زمین بارش سے زندہ ہو کر لہلہا اٹھتی ہے۔

(۲)وَالْعِلْمُ يَجْلُوا الْعَمٰى عَنْ قَلْبِ صَاحِبِهٖ
كَمَا يَجْلِىْ سَوَادَ الظُّلْمَةِ الْقَمَرُ

علم دل کے اندھے پن کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جس طرح چاند گھپ اندھیرے کو دور کر دیتا ہے۔

(۳)اَلْعِلْمُ يَنْهَضُ بِالْخَسِيْسِ اِلَى الْعُلَا
وَالْجَهْلُ يَقْعُدُ بِالْفَتَى الْمَنْسُوْبِ

علم ایک حقیر آدمی کو بھی اونچا اٹھا دیتا ہے، اور جہالت بڑے حسب ونسب والے شریف خاندانی کو بھی لے ڈوبتی ہے۔

(۴) خَيْرُنَا اَفْضَلُنَا مَعْرِفَةً
وَاِذَا عَرَفَ اللّٰهُ عَبَدَ

ہم سب سے بہتر وہ ہے جو علم ومعرفت میں ہم سب سے بڑھا ہوا ہے' اور خدا کو پہچاننے کے بعد ہی صحیح عبادت ہوتی ہے۔

چار نصیحتیں

ا۔علم کے سوتے اور ہدایت کے ستارے بنو۔(عبداللہ ابن مسعودؓ)

(۲) حجت نہ کرو، نہ جاہل سے اور نہ عالم سے۔عالم سے حجت کرو گے تو اس کے علم سے محروم رہ جاؤ گے اور جاہل سے حجت کرو گے تو وہ تمھارے سینے پر چڑھ بیٹھے گا۔(میمون ابن مہرانؒ)

(۳) عالموں کی صحبت میں بیٹھو۔اچھائیاں دیکھیں گے تو خوش ہوں گے۔ برائیاں دیکھیں گے تو معاف کر دیں گے۔غلطی کرو گے تو جھڑکی نہ دیں گے۔بے عقلی کے کام کرو گے تو علم سکھائیں گے۔اور اگر گواہی کا موقع آیا تو سچی گواہی دے کر فائدہ پہنچائیں گے۔(حضرت شعبیؒ)

(۴)علم سیکھو۔اور جب سیکھ چکوتو اس کا وزن بھی برداشت کرو۔ہنسی مذاق کھیل کود سے علم کو نہ ملاؤ۔کہ پھر لوگوں کے دل اس سے نفرت کرنے لگیں گے۔(حضرت علیؓ)

چار لفظ

حضرت فضیل ابن عیاضؒ بہت ہی نیک اور عبادت گزار عالم تھے۔ابن مبارکؒ جو خود بھی بہت بڑے عابد وزاہد تھے اور ان کے استاد بھی تھے،فرماتے تھے۔''میرے نزدیک اس وقت زمین پر ان سے زیادہ علم وفضل والا کوئی نہیں۔''بڑے بڑے عالموں نے ان سے علم سیکھا۔ان کی باتیں بڑی جچی تلی ہوتی تھیں۔ایک بار حضرت ابراہیم ابن اشعبؒ نے ان سے چار لفظوں کا مطلب پوچھا۔آپ نے ان لفظوں کے ایسے جچے تلے مطلب بتائے جس سے ان لفظوں کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔حضرت ابراہیم ابن اشعبؒ نے پوچھا۔بتایئے،صبر ۱،زہد ۲،وَرَع ۳،اور خاک ساری ۴،کا کیا مطلب ہے؟ حضرت فضیلؒ نے فرمایا۔

صبر:۔کا مطلب تو یہ ہے کہ جب تم پر مصیبتیں آئیں تو تم شکوہ وشکایت نہ کرو۔

زہد:۔کے معنی یہ ہیں کہ تم قناعت اختیار کرو۔جو کچھ تمھیں میسر ہے اسی کو بہت سمجھو یہی سب سے بڑی مال داری ہے۔

وَرَع:۔کے معنی یہ ہیں کہ جن باتوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

خاک ساری:۔کا مطلب یہ ہے کہ تم حق کے سامنے جھک جاؤ۔اور جس کسی سے بھی حق ملے اسے کھلے دل سے قبول کرو۔چاہے کسی ایسے شخص سے ملے جو تمھاری نظر میں سب سے زیادہ کم علم اور نادان ہو۔

چار محبتیں

خدا اپنے کسی پسندیدہ بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو حضرت جبریلؑ سے کہتا ہے، جبریلؑ!میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں،تم بھی اس سے محبت کرو، اور جبریل

امینؑ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر حضرت جبریلؑ آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں، آسمان والو! خدا اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے پھر خدا اس کو زمین میں بھی مقبول بنادیتا ہے اور زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔[1] (اور یہ بندہ چار محبتوں کا مرکز بن جاتا ہے،۔ خدا کی محبت، جبریل امینؑ کی محبت، آسمان والوں کی محبت، زمین والوں کی محبت)

چار دُعائیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تلاوت قرآن کا بڑا شوق تھا، خوش قسمتی سے اللہ نے آپؓ کو آواز بھی بڑی اچھی عطا فرمائی تھی۔ روزانہ ایک منزل پابندی سے پڑھتے۔ ہفتہ کے روز قرآن شروع فرماتے اور جمعہ کے دن ختم کرتے۔ اور رمضان میں یہ شوق اور بڑھ جاتا تو ہر تیسرے دن ختم فرماتے۔

ایک بار تہجد کی نماز میں بڑی دل بستگی کے ساتھ سورۂ النسا کی تلاوت کر رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پہنچ گئے۔ آپ کے ہم راہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے، آپؐ دیر تک ان کا قرآن سنتے رہے، بہت خوش ہوئے۔ جب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی میں فرمایا مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو، اور بار بار آپؐ نے یہی فرمایا۔ اور اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ دُعا مانگی اور کیا ہی جامع دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا لَّا یَرْتَدُّ وَنَعِیْمًا لَّا یَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ نبیك مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَعْلٰی جنة الْخُلْدِ۔[2]

اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان چاہتا ہوں جو پھر مجھ سے واپس نہ لیا جائے۔ اور وہ نعمتیں چاہتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہوں اور تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت چاہتا ہوں اس جنت کے سب

---

(۱) کشف المحجوب

(۲) مسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابه، مسند عبدالله بن مسعود، حدیث ۴۲۵۵، ص ۴۴۵/۱

سے اونچے درجے میں جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔

(۲) حضرت عمرؓ تلاوت قرآن کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ التَّفَكُّرَ وَالتَّدَبُّرَ بِمَا يَتْلُوْهُ لِسَانِیْ مِنْ كِتَابِكَ وَالْفَهْمَ لَهٗ، وَالْمَعْرِفَةَ بِمَعَانِيْهِ وَالنَّظَرَ فِیْ عَجَائِبِهٖ وَالْعَمَلَ بِذَالِكَ مَا بَقِيْتُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ۔ (۱)

اے اللہ! میری زبان تیری کتاب میں سے جو کچھ پڑھے، مجھے توفیق دے کہ میں اس میں غور وفکر کروں اے اللہ! مجھے اس کی سمجھ دے، مجھے اس کے مفہوم ومعانی کی معرفت عطا فرما، اور اس کے عجائبات کو پانے کی نظر عنایت کر، اور جب تک زندہ رہوں مجھے توفیق دے کہ میں اس پر عمل کرتا رہوں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(۳) حضرت زیدؓ بن ارقم کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَنَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَدَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا۔ (۲)

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، بے حضور دل سے، بے صبر نفس سے، بے سود علم سے، اور نامقبول دعا سے۔

(۴) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا يَنْفَعُنِیْ وَارْزُقْنِیْ عِلْمًا تَنْفَعُنِیْ بِهٖ۔ (۳)

اے اللہ! تو نے مجھے جو علم بخشا ہے اس کو میرے حق میں نفع بخش بنا دے، اور مجھے وہ علم سکھا جو مجھے نفع پہنچائے، اور مجھے وہ علم نصیب کر جو میرے لیے مفید ہو۔

ان جامع اور مسنون دعاؤں کا اہتمام وہی بندہ کر سکتا ہے جسے اپنے احتیاج اور بندگی کا شدید احساس ہو، خدا سے گہرا تعلق ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کا شوق ہو۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) العقد الفرید ص ۱/۴۹۱، جمهرة قطب العرب ۱/۲۱۴

(۲) سنن النسائی، کتاب الاستعاذه، باب الاستعاذه من العجز، حدیث ۵۴۵۸، ص ۸۰/۲۶۰

(۳) السنن الکبری للنسائی، حدیث ۷۸۱۹، ص ۷/۲۰۵

باب دوم

ایمان واخلاص

اپنے اسلاف کے ایمان واخلاص
کے ایسے سچے واقعات اوراقوال جن
کے مطالعے سے ایمان میں تازگی،
عمل میں اخلاص اوردل میں دین کی
تڑپ پیدا ہوتی ہے۔

''حضورؐ! مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔''

یمن کے گورنر نے یمن کی طرف روانہ ہوتے ہوئے درخواست کی۔

''معاذ! اپنے دین میں خلوص پیدا کرو۔

تھوڑا سا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔''

سرکار دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا۔

(شعب الایمان للبیہقی باب اخلاص العمل للہ عزوجل وترک الریا، حدیث ۶۴۴۳، ص ۹/۱۷۴)

تین مسافر چٹان کی اوٹ میں

تین مسافر کہیں جارہے تھے، راستے میں رات ہوگی.....اب کیا کریں سوچا چلو، ایک غار میں پناہ لے لیں، آرام سے رات گزار کر صبح کو نکل لیں گے۔ اور وہ تینوں ایک غار میں جا کر پڑ رہے۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک بڑی سی چٹان پہاڑ کے اوپر سے پھسلی اور غار کے منہ پر آ کر رک گئی۔ تینوں حیران کہ اب کیا کریں۔ یہ بڑی چٹان بھلا ہم سے کیا ہٹے گی۔ اب تو یہ غار ہم تینوں زندہ انسانوں کی قبر ہے۔ تینوں زندگی سے مایوس سوچنے لگے کہ اب کیا ہونا چاہیے' بظاہر تو موت سے بچنے کی اب کوئی صورت نہیں ہے۔

ایک صاحب ان میں سے بولے: بھائی دیکھو، زندگی اور موت خدا کے اختیار میں ہے، اسی سے زندگی کی بھیک مانگو۔

سب کے چہرے چمک اٹھے۔

پھر وہ صاحب بولے، ہم میں سے ہر ایک نے زندگی کے کتنے ہی سال گزار لیے ہیں، بے شک ہم سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہوئیں۔ لیکن ہر ایک نے کبھی نہ کبھی تو کوئی ایسا کام کیا ہوگا، جو صرف اپنے مالک کو راضی کرنے کے لیے ہو۔ ہمارا مالک بڑی قدرت اور طاقت والا ہے۔ سوچو، جس نے جو بھی کام خالص اپنے مولا کی خوش نودی کے لیے کیا ہے اس کا واسطہ دے کر وہ اپنے مالک سے زندگی کی بھیک مانگے اور گڑگڑا کر دعا کرے کہ اے خدائے رحیم وقدیر تو جانتا ہے کہ ہم نے یہ کام تیری ہی رضا کے لیے کیا تھا۔ اے ہمارے رب اس کے طفیل تو ہمیں اس ناگہانی مصیبت سے نجات دے۔

اس مشورے سے سب نے اتفاق کیا۔ اندھیرے غار میں انھیں زندگی کی روشنی محسوس

ہوئی۔اور ہر ایک نے باری باری اپنا واقعہ بیان کر کے خدا سے رحم کی درخواست کی۔

ایک صاحب بولے، میں جنگل میں مویشی چرایا کرتا تھا۔میرے بوڑھے ماں باپ تھے،اور کئی چھوٹے چھوٹے بچے بھی۔روزانہ میں صبح کو مویشی لے کر جنگل نکل جاتا اور شام کو واپس آتا۔گھر آ کر دودھ دوہتا، پہلے اپنے بوڑھے ابا اور بوڑھی اماں کو پلاتا۔پھر اپنے بچوں اور گھر والی کو پلاتا۔اسی طرح دن گزرتے رہے۔

اتفاق کی بات ایک دن میں چارے کی تلاش میں دور نکل گیا۔بہت دور، وہیں شام ہوگئی۔

گھر کے سب لوگ میرا راستہ دیکھتے رہے ،سب ہی بھوکے تھے۔پھر چھوٹے چھوٹے بچے، ان کا تو بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔میں رات گئے گھر پہنچا۔

بوڑھی اماں انتظار کرتے کرتے سوگئی تھیں، اور بوڑھے ابا بھی انتظار کرتے کرتے سوگئے تھے۔ہاں بیوی اور بچے جاگ رہے تھے۔مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں نے دیر کر کے گھر والوں کو کیسا ستایا،

اب میں نے جلدی جلدی دودھ دوہا.....اور پیالے میں بھر کر اماں اور ابّا کے پاس پہنچا۔سوچا انھیں جگا کر دودھ پلا دوں، اس لیے کہ بچے بھی بھوکے ہیں۔بیوی تو خیر صبر کر لے گی، لیکن بچے جو بھوک سے چیخ رہے ہیں یہ کیسے مانیں گے! لیکن دل نے کسی طرح گوارا نہیں کیا کہ بوڑھے ماں باپ کی نیند میں خلل ڈالوں اور انھیں جگا کر پریشان کروں، دونوں نہایت بوڑھے تھے اور آرام سے سو رہے تھے۔

اب میں دودودھ کے پیالے لیے وہیں کھڑا رہا کہ جس وقت بھی ان کی آنکھ کھلے گی فوراً پیش کر دوں گا۔میں کھڑا رہا اور ماں باپ سوتے رہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے میرے پیروں سے لپٹ لپٹ کر چیختے رہے اور اپنی پیاری زبان میں مجھ سے دودھ مانگتے رہے۔بچوں کی بھوک، ان کی چیخ پکار اور دودھ کے لیے ان ننھے بچوں کی بے قراری پر میرا دل لرز لرز گیا۔اور میرا دل بے تاب ہوگیا۔لیکن یہ سوچ کر کہ ماں باپ سے پہلے ان بچوں کو کیسے پلا دوں۔میں نے ان کو دودھ کا ایک قطرہ تک نہیں دیا اور اسی حالت میں پہاڑ سی یہ

رات گزر گئی۔

صبح ہوئی، ماں باپ اٹھے اور میں نے معافی چاہتے ہوئے دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ ماں باپ نے سیر ہوکر پیا۔ اور پھر میں نے اپنے معصوم بچوں کو پلایا۔ پروردگار تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضا کے لیے کیا تھا۔ پروردگار! تو اس کی برکت سے اس چٹان کو ہٹا دے اور ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا دے.....اور خدا کی مہربانی سے وہ چٹان غار کے منہ سے اتنی ہٹ گئی کہ آسمان نظر آنے لگا۔

اب دوسرے مسافر نے کہنا شروع کیا:۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے کچھ مزدوروں کو کام پر لگایا۔ مزدور جب کام سے فارغ ہوئے تو اپنی مزدوری لینے آئے، میں نے سب کو خوشی خوشی مزدوری دے دی اور وہ مزدوری لے کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے ایک مزدور ایسا تھا کہ اس نے مزدوری نہیں لی اور چلا گیا، مجھے بڑا افسوس ہوا خیر میں نے اس کی مزدوری کی رقم کاروبار میں لگا دی، خدا کا کرنا اس میں دن دونی رات چوگنی۔ برکت ہونے لگی اور میں اس کا نفع اسی میں لگاتا رہا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس رقم سے کئی نوکر، کئی باغ اور کتنے ہی مویشی ہو گئے۔

اب کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دن وہی مزدور چلا آرہا ہے، اس کے چہرے پر امید اور مایوسی کی ملی جلی کیفیت ہے۔ وہ آیا اور کہنے لگا۔ خدا آپ کا بھلا کرے، بہت دن پہلے میں آپ کے یہاں اپنی مزدوری چھوڑ گیا تھا۔ اس وقت مجھے بڑی سخت ضرورت ہے، خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں، میری مزدوری مجھے دیجیے اور دیکھیے خدا کا خوف کیجیے، انکار نہ کیجیے گا۔

میں نے نہایت سادگی سے کہا:۔ بھائی میں کیوں انکار کرنے لگا۔ یہ دیکھیے، یہ گائیں، بھینسیں، بکریاں، یہ نوکر چاکر سب کچھ آپ ہی کا ہے۔ آپ اطمینان سے یہ سب چیزیں لیجیے اور اپنے ساتھ لے جایئے۔ یہ سن کر وہ شخص بولا۔

بھائی خدا سے ڈرو اور میرا مذاق نہ اڑاؤ۔ میں نے کہا بھائی میں ہرگز مذاق نہیں اڑا رہا ہوں، خدا گواہ ہے یہ سب کچھ تمھارا ہے۔ مجھے اس میں سے ایک ذرہ روکنے کا کوئی حق نہیں۔

بات یہ ہوئی کہ جب آپ اپنی مزدوری چھوڑ گئے تو مجھے فکر ہوئی کہ اس کا کیا کروں آخر کار میں نے سوچ سمجھ کر اس رقم کو کاروبار میں لگالیا۔ اور خدا نے اس میں یہ برکت دی جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص بہت خوش ہوا اور اپنی گائیں بھینسیں اور نوکر چاکر لے کر خوش خوش چلا گیا۔

پروردگار! تجھے خوب معلوم ہے کہ میں نے سب کچھ صرف تیری خوش نودی کے لیے کیا ہے۔ خدایا تو اس عمل کی برکت سے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے اور غار کے منہ سے یہ بھاری چٹان اپنی قدرت سے ہٹادے۔

دعا کرنی تھی کہ چٹان کو خدا تعالیٰ نے غار کے منہ سے کافی ہٹادیا اور باہر کی روشنی اندر خوب آنے لگی۔

تیسرے مسافر نے کہنا شروع کیا:۔ پروردگار! میری ایک چچازاد بہن تھی، بہت ہی خوب صورت اور بہت ہی حسین۔ مجھے اس سے محبت ہوگئی۔ اور میں اس کی محبت میں بے تاب رہنے لگا۔

ایک دن میں نے اس سے دل کی بات کہہ ہی ڈالی۔ وہ بولی ایک سو بیس ۱۲۰ اشرفیاں دیجیے تب آپ کی خواہش پوری ہوسکتی ہے۔ میں نے محنت مزدوری کر کے رقم اکٹھی کی اور پھر اس کے پاس پہنچا، اس کے ہاتھ پر رقم رکھی، اور چاہا کہ اپنی ضرورت پوری کروں۔ وہ عورت بولی، بھائی خدا نے جو مہر لگائی ہے اس کو تم ناجائز طور پر کیوں توڑ رہے ہو۔ یہ سننا تھا کہ مجھ پر ہیبت طاری ہوئی، میں نے وہ رقم بھی اس کو بخش دی، اور اس گناہ سے بھی باز رہا..... خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ سب کچھ میں نے صرف تیری خوش نودی کے لیے کیا۔

اے خدا! تو اس عمل کی برکت سے ہمیں اس ناگہانی مصیبت سے بچالے اور غار کے منہ سے اس چٹان کو ہٹادیا۔ اور غار کا راستہ بالکل کھل گیا،

ایمان کی کشش

مکہ میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دس سال گزر چکے

تھے مکہ کے گلی کوچوں میں ہر طرف اسلام کے چرچے تھے۔ بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں مسلمان ہو چکی تھیں، کچھ بچے بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ پیارے نبیؐ کی زبان میں یہ اثر تھا کہ جو بھی آپؐ کی زبان سے حق کی اواز سنتا، آپؐ کے ساتھیوں میں شامل ہو جاتا اور آپؐ پر جان چھڑکنے لگتا۔ یہ حالت دیکھ کر مکہ کے کافر بہت جھنجھلاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہتے اور لوگوں کو روکتے اور ان پر زور ڈالتے کہ ان کی باتیں نہ سنو۔

انھی دنوں یمن کے ایک مشہور شاعر ''طفیل'' مکے میں آئے، یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے، اور یمن کے لوگ ان کو بہت مانتے تھے۔ جب یہ مکہ پہنچے تو مکہ والوں نے ان کا بڑا شاندار سواگت (۱) کیا اور بڑی عزت سے پیش آئے۔ مگر مکہ والوں کو یہ فکر ہوگئی کہ اگر کہیں طفیل نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سن لیا تو یہ ضرور مسلمان ہو جائیں گے۔ وہ کلام کی اچھائی کو پرکھنے والے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونچا، پراثر کلام اور پھر ان کے سیرت واخلاق کی کشش..... طفیل نے اگر ان کو دیکھا تو مسلمان ہو ہی جائیں گے۔ اور اگر یہ مسلمان ہو گئے تو ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔

مکہ والوں کے لیے طفیل کا یہاں آنا ایک بڑا حادثہ بن گیا۔ طفیل نے ان کو بڑی فکر میں ڈال دیا۔ سب سمجھ دار لوگ مل جل کر بیٹھے۔ آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے ہو گیا کہ جیسے بھی ہو طفیل کو محمدؐ سے نہ ملنے دیا جائے۔ کچھ لوگ طفیل کے پاس پہنچے، اور بڑی رازداری اور خیرخواہی کے انداز میں طفیل سے کہا..... آپ نے تو ضرور ذکر سنا ہوگا۔ ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں وہ کچھ دنوں سے اپنے آپ کو نبیؐ کہنے لگے ہیں۔ بڑے زبردست جادوگر ہیں۔ ان کی باتوں میں بلا کا اثر ہے۔ ان کی باتیں سننے والا ان کے جادو سے ہرگز نہیں بچتا۔ جو بھی ایک بار ان کی باتیں سن لیتا ہے بس انھی کا ہو رہتا ہے، مکے کے بہت سے بھولے بھالے ان کے جادو میں پھنس گئے ہیں۔ اور اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گئے ہیں۔ بہت سے گھرانے ہیں جہاں انھوں نے بیٹھے بٹھائے باپ بیٹوں میاں بیویوں اور چچا بھتیجوں میں

---

(۱) خوش آمدید، آؤ بھگت، سلام، آداب

لڑائی کرار کھی ہے۔ اور پھر جس پر بھی ان کا جادو چل جاتا ہے وہ ایسا ہکا بکا ہو جاتا ہے کہ پھر وہ کسی کی نہیں سنتا بھلا کیا مجال کہ کوئی اپنی بات سے ہٹا سکے۔ آپ کو یہ سب باتیں ہم نے اس لیے سنائیں کہ آپ ہوشیار رہیں۔

طفیل نے ان لوگوں کی یہ باتیں بڑے غور سے سنیں اور دل میں طے کر لیا کہ کچھ بھی ہو اس شخص کی بات ہرگز نہ سنوں گا۔ کہیں میرے اوپر بھی اس کے جادو کا اثر ہو گیا تو کیا ہوگا۔ اور پھر تو طفیل کعبہ میں جب بھی جاتے کانوں میں خوب خوب روئی ٹھونس لیتے کہ کہیں اس شخص کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے۔

ایک دن کعبہ میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اتفاق کی بات طفیل بھی پہنچ گئے۔ خدا کا کرنا قرآن شریف کی آواز کان میں پڑ گئی۔ انھیں یہ آواز بہت بھلی لگی۔ پہلے تو ٹھٹکے، لیکن پھر خود ہی سوچا بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ آدمی کسی کی بات نہ سنے ایسا بھی کیا؟ میں خود شاعر ہوں، اچھی بُری بات کو سمجھتا ہوں، کلام کی باریکیوں اور خوبیوں سے میں واقف ہوں۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ کون سی بات میرے لیے اچھی ہے اور کون سی بُری۔ سننا تو چاہیے۔ کہ آخر یہ صاحب کس قسم کی باتیں کرتے ہیں یہ سوچ کر انھوں نے اپنے کان اُدھر لگا دیئے۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن شریف پڑھتے جا رہے تھے اور طفیل کا دل آہستہ آہستہ پگھل رہا تھا۔ ایک ایک آیت ان کے دل پر اثر کر رہی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ختم کی اور گھر جانے لگے..... طفیل بھی پیچھے پیچھے ہو لیے..... رسولؐ اللہ جب اپنے دروازے پر پہنچے تو ایک آواز آئی ''حضور! مجھے بھی اندر چلنے کی اجازت دیجئے۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مڑ کر دیکھا کہ یمن کے معزز سردار طفیل آپؐ سے اندر چلنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم بڑی عزت سے انھیں گھر کے اندر لے گئے، اپنے پاس بٹھایا

اور آنے کی وجہ پوچھی۔

طفیل نے اپنی پوری آپ بیتی سنائی۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی دل چسپی سے طفیل کی آپ بیتی سنی۔

پھر طفیل نے کہا ''حضورؐ! مجھے اپنی کچھ باتیں سنایئے!۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی چند اثر بھری آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

طفیل بڑے غور سے قرآن کی آیتیں سن رہے تھے اور انھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ دل کی سیاہی دُھل رہی ہے، غفلت کے پردے اٹھ رہے ہیں اور حقیقت کا جمال ان کی آنکھوں کو روشن کر رہا ہے۔

جب پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت فرما چکے تو طفیل نے کہنا شروع کیا، اس خدا کی قسم! جس نے مجھے پیدا کیا، میں نے عرب کا ایک سے ایک اچھا کلام سنا ہے مگر آج تک ایسا اونچا مؤثر اور پاکیزہ کلام کبھی نہیں سُنا یہ کلام تو سراسر ہدایت ہے، سراسر نور ہے، سراسر انصاف ہے۔ اس سے منہ موڑنا ہدایت سے منہ موڑنا ہے۔ خدا کی قسم یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ یہ انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا کا کلام ہے..... طفیل کہے جا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ان کی ہدایت پر باغ باغ ہو رہا تھا..... پھر آپؐ نے طفیل کو اسلام کا کلمہ پڑھایا اور ایمان کے نور سے ان کے سینے کو جگمگا دیا۔

یمن کا یہ معزز مہمان اب ایمان کی عزت بھی پا چکا تھا۔ مکہ میں داخلے کے وقت صرف دنیا کی عزت حاصل تھی اب اسے دین کی عزت بھی حاصل ہو گئی۔

جب طفیل نے یمن کو واپسی کا ارادہ کیا تو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا حضورؐ! میرا سینہ تو نورِ ایمان سے جگمگا اٹھا، لیکن میرا قبیلہ اور گھر کے لوگ تو کفر کے اندھیرے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یارسول اللہؐ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ انھیں بھی ایمان کی دولت بخشے۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیئے ''اے اللہ تو طفیل کو اسلام کا نشان بنا دے کہ اس سے لوگ اسلام کی راہ پائیں۔

طفیل ایمان کی تڑپ لیے گھر پہنچے۔ بوڑھے عمر سے ملاقات ہوئی۔ طفیل بولے ''ابا! میں کفر کی اندھیریوں سے ایمان کی روشنی میں آ گیا ہوں۔ ابا! اب میرا آپ کا کوئی رشتہ نہیں، میں مکہ کے سچے رسولؐ پر ایمان لے آیا ہوں، اب میرا رشتہ صرف اسی شخص سے ہے جو اس رسولؐ کا کلمہ پڑھے۔ اور اسلام کو اپنا دین مانے۔

طفیل کی یہ دل سے نکلی ہوئی باتیں سن کر عمر سوچ میں پڑ گئے۔

''اچھا ایمان میں یہ قوت ہے کہ اس سے باپ بیٹے کا رشتہ بھی ختم ہو سکتا ہے؟ کیا ایمان کا رشتہ باپ بیٹے کے رشتے سے بھی زیادہ ہے؟'' طفیل کے باپ عمر دوسی نے سوچا اور اپنے بیٹے سے کہا'' طفیل! لاؤ ہمیں بھی سناؤ، اس رسولؐ کی باتیں'' طفیل نے سمجھا سمجھا کر باپ کو اسلام کا پیغام سنایا۔ حق کی کشش نے کام کیا اور بوڑھے باپ نے بیٹے سے کہا۔

''طفیل! بیٹے تم میرے بیٹے ہو اور میں تمھارا باپ ہوں۔ میں بھی اسی نبیؐ پر ایمان لاتا ہوں جس پر تم ایمان لائے ہو۔''

طفیل کی آنکھیں خوشی سے بہہ پڑیں۔ اور بولے ''ابا جان! چلئے غسل فرمالیجئے اور اسلام کا کلمہ پڑھ کر اللہ کے پیارے بن جایئے۔''

عمر دوسی نے غسل کیا، کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ باپ کے بعد محبت کرنے والی بیوی سے ملاقات ہوئی، بیوی کو دیکھ کر طفیل کی آنکھوں میں محبت کے آنسو آ گئے، مگر وہ فوراً ہی سنبھلے اور بیوی سے کہا:۔

''پیاری بیوی! اب ہمارا تمھارا کیا رشتہ؟ میں تو مکہ والے نبیؐ پر ایمان لا چکا ہوں، اور تم ایمان کی روشنی سے محروم ہو، میں اسلام کی روشنی میں چل رہا ہوں اور تم کفر کی اندھیریوں میں بھٹک رہی ہو، ایمان اور کفر کا کیا ساتھ؟ میرا رشتہ تو صرف ان لوگوں سے ہے جو اس خدا کی بندگی کریں جس کا کوئی شریک نہیں اور اس رسول پر ایمان لائیں جسے خدا نے ہماری ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔''

طفیل کی اثر بھری تقریر سن کر بیوی کے دل کے دروازے بھی کھل گئے۔ حق کی

کشش نے اسے بھی کھینچ لیا اور وہ کہنے لگی:۔

''پیارے شوہر آپ میرے شوہر ہی ہیں، اور میں رہتی زندگی تک آپ کی رفاقت ہی میں رہوں گی۔ میں بھی اس خدا پر ایمان لاتی ہوں جو ساری کائنات کا خالق ہے، اور ایمان لاتی ہوں اس رسولؐ پر جس پر آپ ایمان لائے ہیں۔''

طفیل کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا، ان کا چہرہ حق کی فتح پر چمک رہا تھا اور وہ یہ سوچ رہے تھے کہ کتنی کشش ہے ایمان میں؟!

مؤذنِ رسول کا جذبۂ توحید

حضرت بلالؓ نے دین کی خاطر جو جو تکلیفیں اٹھائیں، ان کے سننے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ امیہ ابن خلف کے غلام تھے۔ یہ شخص اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موذن کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا۔ اور آپ کے سینے پر بڑی سی چٹان رکھ دیتا کہ تکلیف سے ہلنے نہ پائیں۔ اور پھر کہتا یا تو اسلام سے پھر جاؤ ورنہ اسی حال میں جان دینی پڑے گی۔ اور آپ جذبۂ توحید سے سرشار اس سنگ دل کو جواب دینے کے بجائے ''اَحَدٌ، اَحَدٌ'' پکارتے رہتے۔

اور جب رات آتی تو یہ کم بخت زنجیروں سے جکڑ کر آپ پر کوڑے برساتا اور پھر دوسرے دن زخمی پیٹھ کو اور زیادہ زخمی کرنے کے لیے آپ کو گرم ریت پر لٹا دیتا اور اوپر سے چٹان رکھ دیتا کہ یا تو دین سے پھر جائیں یا زخموں کی تاب نہ لا کر مر جائیں۔ مارنے پیٹنے والے تھک جاتے۔ باری باری پیٹتے، لیکن آپ کی زبان صرف ایک ہی کلمہ سے آشنا تھی ''اَحَدٌ اَحَدٌ'' آپ یہی کہتے رہتے۔

یہ بدنصیب جب مارتے مارتے تھک جاتے تو گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے حوالے کر دیتے۔ وہ آپ کو گلی کوچوں میں گھسیٹے گھسیٹے پھرتے اور آپ چیخنے کراہنے کے بجائے بس یہی کہتے رہتے ''اَحَدٌ اَحَدٌ'' خدا یکتا ہے وہ ایک ہی ہے۔

اسی کا صلہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنی مسجد کا مؤذّن مقرر فرمایا۔ اور

حضورؐ شہر میں ہوتے یا سفر میں، اذان بلالؓ ہی کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے مدینے میں رہا نہ گیا۔ مدینے کے درو دیوار اور گلیاں حضورؐ کی یاد دلاتیں اور بلالؓ کی حالت غیر ہو جاتی، آخر کار آپ باہر رہنے لگے۔ مگر ایک بار آپؓ نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا فرما رہے تھے ''بلالؓ تم ہمارے پاس نہیں آتے؟''۔ آنکھ کھلتے ہی مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینے پہنچے تو حضورؐ کا وقت یاد آیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا۔ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے درخواست کی اذان دیجئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسوں کی بات کیسے ٹالتے۔ اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے مدینے والوں نے جو آپ کی آواز سنی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ یاد آ گیا۔ اور مدینے میں ایک کہرام مچ گیا۔ گھروں میں سے عورتیں تک روتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ چند روز آپ مدینے میں رہے، لیکن نہ رہا گیا اور پھر دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ اور کچھ عرصے کے بعد وہیں کی سرزمین نے آپ کے جسم مبارک کے لیے اپنی آغوش کھول دی۔

آزمائش کی عبرت آموز داستان

چلچلاتی دھوپ، تپتی ریت، لو کے تیز و تند جھگڑ اور صحرا میں دور دراز کا جان لیوا سفر ساتھ ہی قحط سالی، فصلیں پکنے کے قریب، جنگی سامان کی کمی، اور پھر اپنے سے کئی گنا بڑی طاقت سے مقابلہ..... مسلمانوں کے لیے یہ وقت انتہائی نازک تھا۔ اور یہ جنگ ان کے لیے موت اور زندگی کی جنگ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر مسلمانوں سے تیاری کی اپیلیں کر رہے تھے۔ اور پوری قوت سے آمادہ کر رہے تھے کہ اس موقع پر کوئی مسلمان بچھڑنے نہ پائے۔ اور ہوا بھی یوں ہی کہ مسلمان جان پر کھیل کر میدان جنگ کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور پروانہ وار جہاد کے لیے دوڑ پڑے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین مخلص اور وفادار ساتھی جو بارہا اپنے ایمان و اخلاص کا ثبوت دے چکے تھے، اس موقع پر پیچھے رہ گئے اور اپنی لاپروائی سستی کے باعث ''غزوۂ تبوک'' کی شرکت سے محروم رہے۔

ان کی اس بے موقع غفلت پر خدا نے ان کو سخت تنبیہ کی۔ اور پچاس ۵۰ دن تک ان

کوزبردست آزمائش میں رکھا۔انھی تین بزرگوں میں ایک حضرت کعبؓ ابن مالک بھی تھے ۔آخری عمر میں جب ان کی آنکھیں جاتی رہی تھیں اور یہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کا ہاتھ پکڑے پکڑے چلا کرتے تھے۔ایک دن انھوں نے اپنی یہ عبرت آموز داستان پوری تفصیل کے ساتھ اپنے بیٹے کوسنائی اور تاریخ نے اس سبق آموز داستان کو اپنے دامن میں محفوظ کرلیا تا کہ رہتی دنیا تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت اس واقعے سے عبرت حاصل کرتی رہے اور یہ سبق لیتی رہے کہ ''دین کی راہ میں ذراسی غفلت اور سُستی سے برسوں کی کمائی ہوئی نیکیاں برباد ہوسکتی ہیں۔''

حضرت کعبؓ نے اپنی داستان بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی مسلمانوں کواس مہم پر جانے کے لیے ابھارتے اور میں آپؐ کی باتیں سنتا تو دل میں پکاارادہ کرلیتا کہ میں ضرور جاؤں گا۔اور تیاری کی ٹھان لیتا،لیکن آپؐ کی مجلس سے آنے کے بعد میں سُستی کرجاتا اور سوچتا ابھی کیا ہے،میرے پاس خدا کا شکر ہے دو دوسواریاں ہیں،خدانے صحت وتوانائی بھی دے رکھی ہے اور میں پہلے سے کہیں زیادہ خوش حال بھی ہوں۔جب چلنے کا وقت آئے گا،چل پڑوں گا۔تیار ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔اور بات ٹلتی رہی۔یہاں تک کہ اسلامی لشکر روانہ ہوگیا اور میں تیار نہ تھا۔میں نے دل میں سوچا لشکر کو جانے دو میرے پاس تیز سواریاں ہیں ایک دو روز میں راستے ہی میں لشکر کو جالوں گا۔یہی ٹال مٹول ہوتی رہی،کہ سفر کی ہماہمی شروع ہوگئی۔سارے مسلمان میدان جنگ میں پہنچ گئے اور میں گھر میں بیٹھا ارادہ ہی کرتا رہا۔کاش میں اسلامی لشکر سے راستے ہی میں جاملتا۔مگر افسوس کہ میں اس سعادت سے محروم رہا۔

اب جب بھی میں گھر سے نکلتا تو یہ دیکھ کر میرا دل کڑھتا کہ پیچھے جن لوگوں کے ساتھ میں رہ گیا ہوں وہ یا تو منافق ہیں یا وہ معذور لوگ ہیں جن کو خدانے جنگ سے رہ جانے کی رخصت دی ہے۔

راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔میدان جنگ میں پہنچ

کر آپؐ نے دریافت فرمایا! کعبؓ کو کیا ہوا؟ بنی سلمہ کے ایک صاحب بولے حضورؐ! بھلا وہ ہمارے ساتھ کیوں آتے، انھیں اپنے دیدہ زیب کپڑوں اور شاہانہ چال ڈھال دیکھنے ہی سے فرصت کب ہے؟۔

معاذ بن جبلؓ یہ سن کر بولے! تم نے بڑی بری بات کہی۔ یارسول اللہ ہمارے خیال میں تو وہ انتہائی بھلے آدمی ہیں۔ نبی ﷺ خاموش رہے۔ اسی دوران ایک سفید پوش گھوڑے پر سوار گرد اڑاتا ہوا چلا آرہا تھا۔ دیکھتے ہی نبی اکرم ﷺ کی زبان سے نکلا۔ ابوخیثمہ۔ یہ ابوخیثمہ ہی تھے۔ یہ وہی بزرگ تھے جنھوں نے اس موقع پر صرف تھوڑی سی کھجوریں ہی دی تھیں۔ اور منافقین ان پر باتیں بنا رہے تھے، لیکن خدا نے ان کو اس سعادت سے نوازا کہ وہ میدان جنگ میں پہنچ گئے۔

اب مجھے یہ خبر ملی کہ آج کل میں نبی صلی اللہ وسلم غزوۂ تبوک سے پلٹنے والے ہیں مجھے بڑی فکر ہوئی، دل میں طرح طرح کے جھوٹے بہانے آنے لگے۔ یہاں تک کہ آپؐ واپس تشریف لے آئے۔ آپؐ نے حسب معمول مسجد میں پہنچ کر پہلے دو رکعت شکرانے کی نماز ادا فرمائی، پھر لوگوں سے ملاقات کے لیے بیٹھے۔

اب منافقین نے آگے بڑھ بڑھ کر اپنے جھوٹے عذرات پیش کرنے شروع کئے۔ اور لمبی چوڑی قسمیں کھانے لگے۔ ایسے لوگوں کی تعداد کچھ اوپر اسی ۸۰ تھی۔ نبی ﷺ نے ان سب کے عذرات سُنے۔ اور ان کی باطنی حالت کو خدا کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا: خدا تم کو معاف فرمائے۔

اب میری باری آئی، میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ مسکرائے۔ لیکن آپ کی مسکراہٹ میں غصّہ تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: آیئے آپ بھی آیئے؟ کہیے آپ کو کیا رکاوٹ پیش آگئی تھی؟ کیا آپ کے پاس سواری نہیں تھی؟ میں نے کہا یارسول اللہؐ! اگر میں کسی دنیوی بادشاہ کے سامنے ہوتا تو طرح طرح کے عذرات تراش کر اور جھوٹی سچی باتیں بنا کر آپؐ کو راضی کرسکتا تھا۔ لیکن آپ کے بارے میں میرا یقین یہ

ہے کہ اگر آج میں باتیں بنا کر آپؐ کو راضی کر بھی لوں تو کل خدا آپؐ کو وحی کے ذریعے حقیقت حال بتا کر پھر مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور اگر اس وقت میں ٹھیک ٹھیک سچی بات بتا کر آپؐ کو ناراض بھی کر دوں، تو میری سچائی کی بدولت مجھے امید ہے کہ خدا ضرور میری معافی کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ اور آپؐ کو مجھ سے راضی فرما دے گا۔ اے خدا کے سچے رسولؐ! مجھے کوئی مجبوری نہیں تھی۔ اس موقع پر مجھے جو سہولت اور خوش حالی حاصل تھی، پہلے کسی موقع پر یہ فراغت حاصل نہیں تھی۔ صرف میری لاپروائی اور سستی نے مجھے اس سعادت سے محروم رکھا۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی اور مجھ سے فرمایا اچھا جاؤ۔ اور اپنے معاملے میں خدا کے فیصلے کا انتظار کرو۔ اب میں اٹھ آیا اور آ کر اپنے قبیلے کے لوگوں میں بیٹھ گیا۔

بنی سلمہ کے لوگ میرے پیچھے پڑ گئے۔ اور بولے ہمیں نہیں معلوم کہ تم نے کبھی کوئی کوتاہی کی ہو۔ جھوٹے لوگوں نے کیسے کیسے عذر تراشے، اگر تم بھی کوئی بہانہ کر دیتے تو حضورؐ تمھارے لیے استغفار فرما دیتے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استغفار تمھاری کوتاہی کا کفارہ ہو جاتا، تم نے بڑی غلطی کی۔ ان لوگوں کی یہ باتیں سن کر جی میں آیا کہ ٹھیک تو ہے کیوں نہ جا کر کوئی بات بنا دوں۔

اب میں نے ان لوگوں سے پوچھا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ میری طرح کوئی اور بھی ہے؟ لوگوں نے بتایا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں۔ انھوں نے وہی بات کہی جو تم نے کہی تھی۔ اور ان کو بھی وہی جواب ملا جو تم کو ملا تھا۔ میں نے کہا ذرا بتاؤ تو وہ کون لوگ تھے۔ بولے ایک تو مرارہ ابن ربیعؓ ہیں دوسرے ہلال ابن امیہؓ ہیں..... میں ان دونوں کا ذکر سنتے ہی گھر چلا آیا۔ ان کا نام سنتے ہی میرے دل کو اطمینان ہو گیا کہ جو کچھ میں نے کیا ٹھیک کیا۔ یہ دونوں نیک بندے بدرؔ میں شریک ہونے والوں میں سے تھے۔ اور دونوں میرے لیے بہترین نمونہ تھے۔

اب ہماری آزمائش کا دوسرا دور شروع ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام مسلمانوں میں اعلان کرادیا کہ ہم تینوں سے کوئی بات نہ کرے۔ یہ دونوں بوڑھے تو صدمے کی تاب نہ لاکر گھر بیٹھ رہے۔ اور صبح وشام روتے رہے۔ لیکن میں جوان آدمی تھا..... میں برابر باہر نکلتا رہا۔ بازاروں میں بھی آتا جاتا اور مسجد میں بھی جماعت سے نمازیں پڑھتا رہا لیکن کوئی مجھ سے باتیں کرنے کا روادار نہ تھا۔ لوگوں نے ایسا رُخ بدلا کہ گویا کسی سے کوئی جان پہنچان ہی نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سرزمین ہی بدل گئی ہے اور میں یہاں ایسا اجنبی ہوں کہ مجھے کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی اور مجھے اپنی جان بار نظر آنے لگی۔ مسجد میں ہمیشہ کی طرح پابندی سے نماز کے لیے جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتا۔ لیکن جواب کے لیے بس انتظار ہی کرتا رہتا کہ کاش نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ جنبش کریں۔ نماز میں بھی نظریں چرا چرا کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کرتا کہ آپؐ مجھ پر نظر ڈالتے ہیں یا نہیں۔ لیکن وہاں حال یہ تھا کہ میں جب تک نماز میں ہوتا آپؐ مجھے دیکھتے رہتے اور جوں ہی سلام پھیر لیتا، آپ بھی نگاہیں پھیر لیتے۔

ایک دن جب میں بہت زیادہ گھبرایا تو میں اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے دوست ابوقتادہؓ کے پاس گیا اور ان کے باغ کی دیوار پر چڑھ کر میں نے ان کو سلام کیا۔ مگر اس خدا کے بندے نے سلام کا جواب تک نہیں دیا۔ میں نے کہا یار ابوقتادہؓ! میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں بتاؤ! کیا مجھے خدا اور خدا کے رسولؐ سے محبت نہیں ہے؟ مگر وہ خاموش رہے میں نے پھر پوچھا۔ وہ پھر خاموش رہے۔ تیسری بار جب میں نے قسم دے کر پوچھا تو بس اتنا بولے کہ ''خدا اور خدا کا رسولؐ ہی بہتر جانتا ہے۔'' یہ بے رُخی دیکھ کر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ اور میں غم سے نڈھال دیوار سے نیچے آ گیا۔

انھی دنوں میں ایک روز بازار میں گھوم رہا تھا کہ شام کا ایک نبطی جو تجارت کا غلہ لے کر آیا تھا، لوگوں سے پوچھتا پھر رہا تھا، کوئی مجھے کعب بن مالکؓ کا پتہ بتا سکتا ہے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہی کعب ابن مالکؓ ہیں۔ وہ میرے پاس آیا

اور مجھے شاہ غسان کا ایک خط دیا جو حریر میں بڑے سلیقے سے لپٹا ہوا تھا میں نے کھول کر پڑھا تو لکھا تھا،

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمھارے صاحب آج کل تم سے ناراض ہیں اور تم پر ستم توڑ رہے ہیں۔ تم کوئی ذلیل آدمی نہیں ہو، نہ اس لائق ہو کہ تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا جائے تم ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تمھاری شایان شان قدر کریں گے۔'' میں نے سوچا یہ ایک اور مصیبت نازل ہوئی۔ میرے غم کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی اور میں نے اس خط کو اسی وقت چولھے میں جھونک دیا۔

اسی بے کسی اور آزمائش کی حالت میں چالیس دن گزر گئے۔ وحی کافی عرصے سے نہیں آئی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد آپؐ کا یہ حکم لے کر پہنچا کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا کیا طلاق دے دوں، قاصد نے کہا، نہیں، بس الگ ہو جاؤ۔ چنانچہ میں نے اپنی رفیقہ حیات کو میکے بھیج دیا اور کہہ دیا کہ وہیں رہ کر انتظار کرو۔ دیکھو خدا کیا فیصلہ فرماتا ہے۔

قصہ مختصر اسی کس مپرسی کے عالم میں دس راتیں اور بیت گئیں، پچاسویں دن فجر کی نماز کے بعد میں اپنی چھت پر اپنی جان سے بے زار، مایوس بیٹھا ہوا تھا اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ تھی کہ میں نے سلع کی پہاڑی سے ایک پکار سنی، کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: مبارک ہو کعب ابن مالکؓ مبارک ہو۔' یہ سنتے ہی میں اپنے خدا کے حضور سجدے میں گر پڑا، اور میں سمجھ گیا کہ میری خوشیوں کی گھڑی آ گئی ہے۔

صبح کی نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری معافی کا اعلان سنایا اور پھر تو لوگ ہمارے پاس بھاگ چلے آ رہے تھے۔ ہر ایک دوسرے سے پہلے پہنچ کر مجھے مبارک باد دینا چاہتا تھا۔

ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا، اس کی آواز گھوڑے کی آواز سے بھی زیادہ تیز تھی۔ جب وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے پیغام مسرت سنایا تو میں نے خوشی میں اپنے کپڑے اُتار کر اسی کے حوالے کر دیئے۔ خدا شاہد ہے میرے پاس اس وقت بس

یہی دو کپڑے تھے۔ پھر میں نے مانگ کر کپڑے پہنے، اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ لوگ مجھ سے بڑی گرم جوشی سے مل رہے تھے اور مبارک باد دے رہے تھے کہ خدا نے تمھاری توبہ قبول فرمائی۔ میں خوش خوش مسجد نبوی میں پہنچا۔

دیکھا کہ نبی ﷺ بیٹھے ہوئے ہیں اور صحابۂ کرامؓ آپؐ کے گرد جمع ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی طلحہ بن عبید اللہؓ اٹھ کر کھڑے ہو گئے، بڑھ کر گرم جوشی میں مجھ سے مصافحہ کیا، اور مبارک باد دی۔ خدا کی قسم میں ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا۔ مہاجرین میں صرف یہی مجھ کو دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے، میں نے بڑھ کر نبی ﷺ کو سلام کیا، آپؐ کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا۔ فرمایا:

''کعبؓ مبارک ہو، یہ دن تمھاری زندگی کا سب سے بہترین دن ہے۔''

میں نے پوچھا: حضورؐ! یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے۔ فرمایا، خدا کی طرف سے ہے اور قرآن کی آیات سنائیں۔

﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ التوبہ 118:9

(اور ان تینوں کو بھی خدا نے معاف کر دیا جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ زمین جب اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی، اور ان پر ان کی جانیں بار ہونے لگیں۔ اور انھوں نے جان لیا کہ خدا سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ خود خدا کے سوا نہیں ہے۔ تو خدا ان کی طرف پلٹا، تا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں' بلاشبہ وہ بڑا ہی معاف فرمانے والا انتہائی مہربان ہے)

یہ آیات سن کر میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ میری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں صدقہ کر دوں..... آپؐ نے فرمایا کچھ مال اپنے لیے روک رکھو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ میں نے آپؐ کے مشورے کے مطابق خیبر والا حصّہ روک کر باقی سب صدقہ کر دیا۔

پھر میں نے کہا، یا رسول اللہ! مجھے خدا نے سچائی کے سبب معاف فرمایا ہے۔ میں خدا

سے عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ ہمیشہ سچائی پر قائم رہوں گا۔اور آج تک میں نے جان بوجھ کر کبھی کوئی بات غلط نہیں کہی۔اس لیے کہ خدا نے سچائی کے صلے میں مجھ پر جو رحم و کرم فرمایا، جہاں تک مجھے علم ہے ایسا کرم کسی پر نہیں ہوا۔اور مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں گا، خدا میری اسی طرح حفاظت فرماتا رہے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی دیانت

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے بہت سا مال و دولت لے کر مدینے پہنچے۔عشا کی نماز حضرت عمرؓ کے ساتھ پڑھی۔نماز کے بعد حضرتؓ سے ملاقات ہوئی۔دعا سلام اور ابتدائی بات چیت کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا۔کہیے ابوہریرہؓ کیا لے کر آئے ہیں؟

ابوہریرہؓ:۔امیر المؤمنین پانچ لاکھ کی رقم لایا ہوں۔

امیر المومنین:۔کیا کہا؟ کچھ سوچ کر بھی بول رہے ہیں؟

ابوہریرہؓ:۔امیر المؤمنین! جی ہاں پانچ لاکھ ہی لے کر آیا ہوں۔

امیر المؤمنینؓ:۔اچھا اب آپ گھر جایئے، آرام کیجئے، اور جو رقم لائے ہیں اسے ایک بار پھر گنیے۔کل پھر کسی وقت تشریف لایئے۔

حضرت ابوہریرہؓ سلام کر کے رخصت ہو گئے۔

دوسرے دن جب حضرت ابوہریرہؓ امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امیر المومنینؓ نے پھر فرمایا، بتائے کتنی رقم لے کر آئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے پھر وہی بات دہرا دی۔

امیر المومنینؓ نے حیرت سے کہا:۔شاید آپ کچھ سوچ کر نہیں بول رہے ہیں؟

ابوہریرہؓ کچھ اکتا سے گئے اور کہنے لگے، امیر المومنینؓ۔!ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ اور پھر ایک لاکھ (حضرت ابوہریرہؓ نے اس طرح پانچ لاکھ کی گنتی گنی)

امیر المومنینؓ آپ کی اس دیانت اور امانت سے بہت متاثر ہوئے۔خدا کا شکر ادا کیا

اور پوری رقم مستحقین میں تقسیم فرمادی۔

رسولؐ سے والہانہ محبت

یارسول اللہؐ! کب تک ہم یہ حق کی دعوت چھپ چھپ کر دیتے رہیں گے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں آج بیت اللہ میں کھڑے ہوکر لوگوں کو ان کے رب کا پیغام پہنچاؤں؟ ابوبکر صدیقؓ نے بڑے جذبے کے ساتھ کہا۔

نہیں ابھی ایسا نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے انکار کیا، مگر صدیق اکبرؓ آج پیغامِ حق پہنچانے کے لیے کچھ ایسے بے تاب تھے کہ اصرار کرتے ہی رہے، اور آخر کار رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ اور مسلمان اسلام کے موضوع پر بڑا اجتماع کرنے کے لیے خانہ کعبہ میں پہنچ گئے۔

کفار کو معلوم ہوا تو وہ بھی بھاری تعداد میں جمع ہوئے۔ اب صدیق اکبرؓ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے۔ اسلام کے موضوع پر یہ پہلی تقریر تھی جو اس طرح ایک عام مجمع کے سامنے کی گئی۔ خدا نے اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو اسلام کی دولت سے نوازا۔

توحید کی یہ صدا مشرک برداشت نہ کر سکے اور بُری طرح مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے حضرت ابوبکرؓ پر بھی ان بدبختوں نے حملہ کر دیا۔ اور بڑی بے دردی سے مارا۔ جوتوں لاتوں سے مارا۔ پاؤں میں روندا اور یہ سنگ دل جو کچھ کر سکتے تھے کیا۔ آپ کی ناک کان اور پورا چہرہ لہولہان ہوگیا۔ زخموں سے چہرے کی یہ حالت ہوئی کہ پہچانا نہ جاتا تھا۔ آپ بے ہوش ہوگئے۔ بنو تمیم کے لوگوں کو معلوم ہوا تو دوڑے آئے، اور اٹھا کر لے گئے۔ حضرتؓ کی حالت بہت زیادہ خراب تھی۔ گھر والے یہی سمجھ رہے تھے کہ اب یہ چند گھڑی کے مہمان ہیں۔ چنانچہ قبیلے کے لوگ خانہ کعبہ میں پہنچے اور وہاں اعلان کیا کہ اگر ابوبکر اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکے تو ہم عتبہ ابن ربیعہ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ عتبہ نے حضرت ابوبکرؓ کو مارنے میں بڑی سنگ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کے ارد گرد گھر کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، ہزار کوشش ہو رہی ہے کہ

حضرتؓ آنکھ کھولیں کچھ منہ سے بولیں۔ ماں کا صدمے سے بُرا حال تھا لیکن شام تک نہ حضرت نے آنکھ کھولی نہ زبان سے کچھ کہا۔ ماں نے بہت بلانا چاہا، آوازیں دیں، لیکن وہ زخموں سے کچھ ایسے نڈھال تھے کہ بولنے کی طاقت ہی نہ تھی۔

کچھ رات گزرنے پر حضرتؓ نے زبان کھولی۔ آہستہ آہستہ کچھ ہونٹ ہلائے۔ گھر والے خوش ہوئے۔ ماں کی جان آئی۔ لیکن جب کان لگا کر آپؓ کی بات سننے کی کوشش کی تو گھر والوں کو غصہ آیا۔ کہ جس پر ایمان لانے کی بدولت یہ دن دیکھنا پڑا۔ اب ہوش آیا تو ہونٹوں پر سب سے پہلے اسی کا نام ہے۔ ابوبکرؓ پوچھ رہے تھے۔ خدارا مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا محمدؐ کا کیا حال ہے؟ کافروں نے ان کو تو نہیں ستایا ہے؟

اب بوڑھی ماں اُمّ خیر کچھ تیار کر کے لائیں، اور کہا بیٹا کچھ کھالے۔ مگر ابوبکرؓ کی زبان پر بس وہی ایک صدا تھی۔ حضورؐ پر کیا گزری، آپؐ کس حال میں ہیں۔؟ اُمّ خیر بولیں بیٹے میں کیا بتاؤں کیا حال ہے، مجھے کیا خبر، بیٹے کچھ کھالے تو ذرا جان آئے۔ ابوبکرؓ نے کہا، اماں! پہلے امّ جمیل سے جا کر یہ معلوم کیجئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔ مامتا کی ماری ماں مسلمان تو نہیں تھیں لیکن زخموں سے نڈھال بیٹے کی بے تابانہ درخواست کو بھلا کیسے رد کرتیں، فوراً اٹھیں اور عمرؓ کی بہن اُمّ جمیل کے یہاں پہنچیں۔ امّ جمیلؓ سے حال دریافت کیا۔ اُمّ جمیل مسلمان ہوگئی تھیں، لیکن عورت تھیں ان حالات میں بھلا اپنے اسلام کو کیسے ظاہر کرتیں۔ بولیں، میں کیا بتاؤں رسولؐ کا حال؟ آپ کے لڑکے کا حال سُن کر بہت دکھ ہوا۔ میں بھی چل کر ذرا ان کا حال دیکھوں! اور اُمّ خیر کے ساتھ روانہ ہوگئیں۔

اُمّ خیر کے یہاں پہنچ کر ابوبکرؓ کا زخموں سے بگڑا ہوا چہرہ جو دیکھا تو تاب نہ لاسکیں، حالت غیر ہوگئی اور سسکیوں سے رونے لگیں کہ بدبختوں نے کس بے دردی سے مارا ہے، خدا ان کو سمجھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے بڑی بے تابی سے پوچھا: اُمّ جمیل حضورؐ کا کیا حال ہے؟ جواب دینے کے بجائے اُمّ خیر کی طرف اشارہ کرنے لگیں کہ سُن رہی ہیں کیسے بتاؤں؟ ابوبکرؓ نے

کہا ان کی فکر نہ کرو، تم بتاؤ۔ اُمّ جمیل نے کہا خدا کا شکر ہے آپؐ بخیر ہیں۔ اور اس وقت ارقم کے مکان میں ٹھیرے ہوئے ہیں۔

یہ سنتے ہی ابوبکرؓ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اور بولے خدا کی قسم میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گا جب تک اپنی آنکھوں سے حضورؐ کو بخیر و عافیت نہ دیکھ لوں۔ بیٹے کے یہ الفاظ سُن کر اُمّ خیر کی پریشانی اور بڑھ گئی، ان کی خواہش تھی کہ ابوبکرؓ کچھ کھالیں تو ذرا جان آجائے اور وہ قسم کھا بیٹھے۔

بہر حال بوڑھی ماں کو بیٹے کی محبت میں سب کچھ کرنا تھا۔ انتظار کرنے لگیں کہ مکے کی گلیوں اور سڑکوں پر سناٹا ہو تو بیٹے کو لے کر ارقم کے گھر پہنچیں۔ جب اچھی خاصی رات گزر گئی اور مکّے کی گلیوں میں سناٹا چھا گیا، تو وہ ابوبکرؓ کو لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں نے جب اپنے پیارے ساتھی کو اس حالت میں دیکھا تو دوڑ کر لپٹ گئے اور خوب ہی روئے، حضورؐ بھی ابوبکرؓ سے محبت میں لپٹ گئے۔ اور ابوبکرؓ کے چہرے کو دیکھ دیکھ کر دیر تک روتے رہے۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ غم نہ فرمائیں، آپ کو بخیر دیکھ کر سارا غم اور ساری تکلیف بھول گیا۔ پھر ابوبکرؓ نے اپنی والدہ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا، یا رسول اللہ! یہ میری ماں ہیں ان کے حق میں دعا فرمایئے کہ خدا ان کو بھی اسلام کی دولت سے نوازے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ بھی مسلمان ہو گئیں۔

اظہار حق کا ولولہ

مکے میں ہر طرف نئے نبیؐ کے چرچے تھے۔ آس پاس کے علاقوں میں خبریں پہنچ رہی تھیں۔ ابوذر غفاریؓ نے بھی سُنا۔ انھیں فکر ہوئی کہ تحقیق حال ہونی چاہیے آخر بات کیا ہے؟ اپنے بھائی کو بُلایا اور بولے۔ بھائی میں چاہتا ہوں کہ تم ذرا مکے ہو آؤ۔

مکّے.....؟ آخر کیوں، بھائی نے حیرت سے کہا۔

شاید تم نے بھی سُنا ہو آج کل وہاں ایک نئے نبیؐ کے چرچے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کے پاس آسمان سے خدا کا پیغام آتا ہے۔ ذرا تحقیق تو کرو کہ بات کہاں تک صحیح

ہے۔واقعی وہ نبیؐ ہیں یایوں ہی دل بہلاوے کی باتیں ہیں، ابوذرؓ نے کہا۔

بھائی سفر کے لیے تیار ہوئے۔اور چندروز میں مجمل سی معلومات کر کے واپس آ گئے۔

ابوذرؓ:۔کہو بھائی کیا معلومات کر کے لائے؟

بھائی: جہاں تک میں دیکھ سکا وہ جو کچھ کہتے ہیں، بڑی ہی پاکیزہ باتیں ہیں، سراسر اخلاق اور بھلائی کی باتیں ہیں اور ایک ایسا اثر انگیز کلام سناتے ہیں جو محض شاعروں کی خیال آرائی نہیں ہے بلکہ سراسر ہدایت اور صداقت ہے۔بھائی کی ان مجمل باتوں سے ابوذر غفاریؓ کو تسکین تو کیا ہوتی شوق میں کچھ اور اضافہ ہی ہو گیا۔

اب وہ خود ہی مکّے جانے کی تیاری کرنے لگے۔چنانچہ مختصر سا سامان لیا، پانی پینے کے لیے ایک چھوٹا سا مشکیزہ لیا اور جذبۂ شوق میں روانہ ہو گئے۔مکّے پہنچ کر مسجد میں ٹھیرے مگر حیران تھے کہ کس سے پوچھیں، کیا پوچھیں۔آخر رات ہو گئی اور وہیں پر لیٹ گئے۔

حضرت علیؓ نے پڑے دیکھ کر سمجھ لیا کہ کوئی مسافر ہے اپنے ساتھ لے گئے، کھانا کھلایا اور وہیں اپنے یہاں رات کو ٹھیرالیا۔صبح ہوئی تو ابوذرؓ اپنا بوریا بستر لے کر پھر مسجد میں آ گئے۔نہ حضرت علیؓ سے کچھ پوچھا نہ انھوں نے بتایا۔دوسرے دن بھی کوئی بات نہیں ہوئی اور شام ہو گئی۔اور یہ پھر مسجد کے ایک گوشے میں پڑ رہے۔اتفاق کی بات پھر حضرت علیؓ کی نظر پڑ گئی۔سوچا شاید ابھی اس مسافر کا کام نہیں ہو سکا ہے۔اس لیے یہیں موجود ہے..... پھر اپنے ساتھ لے گئے، کھانا کھلایا اور اپنے پاس سلایا۔حضرت علیؓ نے بھی کچھ ضرورت محسوس نہیں کی کہ مسافر سے کچھ پوچھیں۔معلوم نہیں کیسا کام ہو بتانا چاہیں نہ چاہیں۔اور خود ابوذرؓ نے بھی کچھ نہ کہا۔صبح ہوئی اور یہ پھر اپنا بوریا بستر لپیٹ کر مسجد میں آ رہے۔شام کو پھر حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی۔

حضرت علیؓ کو بڑا احساس ہوا کہ تین روز سے ایک مسافر یہاں آیا ہوا ہے اور ہم سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ اس سے آنے کی غرض پوچھ کر کچھ مدد ہی کر دیں۔یہ سوچ کر مسافر سے پوچھا۔

اگر کوئی حرج نہ ہو تو مجھے بتائیں، یہاں آپ کس غرض سے آئے ہیں، شاید ہم آپ کی

کچھ مدد کر سکیں۔

ابوذرؓ نے کہا: میں آپ کو بتا تو دوں گا۔لیکن اسی وقت جب آپ مجھ سے یہ وعدہ فرمالیں کہ آپ میرے کام میں ساتھ دیں گے اور میری راہ نمائی کریں گے؟

کیوں نہیں، آپ ہمارے مہمان ہیں اگر ہمارے کرنے کا کام ہوگا تو ضرور کریں گے۔ میزبان کی طرف سے ہم دردی کے یہ جملے سن کر ابوذرؓ کا کچھ حوصلہ بڑھا، اور رازداری کے انداز میں بولے، سنا ہے یہاں کوئی نبیؐ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے خدا کا پیغام آتا ہے۔بس میں ان سے ملنے کے شوق میں آیا ہوں کہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔

حضرت علیؓ مسافر کی یہ بات سن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے۔اور بولے اچھا اس وقت تو آپ چل کر آرام کیجئے، جب صبح ہوگی تو نبیؐ کے پاس چلیں گے لیکن یہاں کے حالات بہت نازک ہیں ذرا اس کا خیال رکھنا۔آپ میرے پیچھے پیچھے چلیں۔اگر میں کہیں کھٹکا محسوس کروں گا تو پیشاب کے بہانے رُک جاؤں گا اور آپ چلتے رہیں تا کہ کسی کو یہ شبہہ نہ ہو کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔

ابوذرؓ نے کھانا کھایا اور لیٹ گئے۔مگر آج نیند کہاں وہ تو صبح کے شوق میں گھڑیاں گن رہے تھے۔آخر کار صبح ہوگئی۔اب یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔حضرت علیؓ آگے آگے اور ابوذرؓ پیچھے پیچھے' یہاں تک کہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پہنچ گئے۔

ابوذرؓ بڑے غور سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سُنتے رہے اور اتنے متأثر ہوئے کہ اسی وقت ایمان لیے آئے۔اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذرؓ کو نصیحت فرمائی کہ اب تم سیدھے اپنے گھر جاؤ اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو یہ دعوت پہنچاتے رہو۔جب میرا حکم پہنچے تو یہاں چلے آنا۔

مگر ابوذرؓ کو توحیدہ کا نشہ چڑھ چکا تھا، بولے یا رسول اللہؐ! میں تو ان کے مجمعوں میں گھُس گھُس کر اور چیخ چیخ کر اعلان کروں گا کہ خدا ایک ہی ہے، اور توحید کا پیغام دینے

والے خدا کے بھیجے ہوئے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ چنانچہ وہ باہر آئے اور مسجد میں پہنچ کر پوری قوت سے صدا لگائی۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، بس پھر کیا تھا پوری مشرک قوم ان پر ٹوٹ پڑی۔ اور ان کو اتنا مارا کہ زمین پر پٹک دیا۔ پھر حضرت عباس رضؓ آئے اور ان کے بچانے کے لیے ان پر اوندھے پڑ گئے۔ اور اپنے لوگوں سے کہا، تمھارا بُرا ہو تم یہ نہیں سوچتے کہ کس قبیلے کا آدمی ہے۔ یہ غفاری ہے اور شام کی طرف جانے کے لیے تمھاری طرف تجارت کا راستہ اسی قبیلہ غفار پر سے ہو کر گزرتا ہے، لوگ ہٹ گئے اور حضرت عباس رضؓ ان کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔

پھر جب دوسرا دن ہوا تو یہی واقعہ پیش آیا، پھر مشرکین حضرت ابوذر رضؓ پر ٹوٹ پڑے اور پھر حضرت عباس ان پر اوندھے پڑ گئے اور ان کو مشرکوں کے حملے سے بچایا۔

نفع کا سودا

حضرت صہیب رضؓ بڑے بہادر اور نیک صحابی تھے۔ تیر اندازی میں ان کو بڑا ملکہ تھا۔ حضرت عمر رضؓ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ آپ نے مرتے وقت وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے کی نماز صہیب رضؓ پڑھائیں۔

حضرت صہیب رضؓ اس وقت ایمان لائے تھے جب مکے میں مسلمان طرح طرح سے ستائے جا رہے تھے اور بدنصیب کافروں نے مسلمانوں کی زندگی تنگ کر رکھی تھی،

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دنوں حضرت ارقم رضؓ کے مکان پر ٹھیرے ہوئے تھے، حضرت صہیب رضؓ ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ دروازے پر حضرت عمار رضؓ سے ملاقات ہوئی، حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمار رضؓ بھی اسی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔ دونوں بہت خوش ہوئے۔

مسلمان ہونے کے بعد مکہ کے کافروں نے حضرت صہیب رضؓ کو بہت ستایا۔ آخر کار ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ مگر ان ظالموں کو یہ کب گوارا تھا کہ مسلمان کہیں اور جا کر بھی آرام و چین کی زندگی گزاریں۔ کافروں کو جب صہیب رضؓ

کے جانے کی خبر ملی تو انھوں نے ایک جماعت کو بھیجا کہ حضرتؓ کو گرفتار کر لائیں اور مکے سے باہر نہ جانے دیں۔

حضرت صہیبؓ نے کافروں کی اس جماعت کو للکارا، اور کہا تم خوب جانتے ہو کہ تم میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو تیر اندازی میں میرا مقابلہ کر سکے۔ سمجھ لو۔ جب تک میرے پاس تیر موجود ہیں مجھے تم گرفتار نہیں کر سکتے۔ اور جب تیر ختم ہو جائیں گے تو پھر میں اپنی تلوار سے کام لوں گا۔ اگر تم میری جان لینا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ یہ آسان کام نہیں ہے۔ دیکھو اگر تم مجھے یہاں سے نکل جانے دو تو میں تمھیں اپنا سارا مال اور دونوں باندیوں کا پتہ دیتا ہوں تم شوق سے یہ سب کچھ لے لو۔ لالچی کافر راضی ہو گئے۔ اور حضرت صُہیبؓ خدا کی حفاظت میں مکے سے نکل کھڑے ہوئے۔ چند ہی دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔

حضرت صُہیبؓ نے اپنی ہجرت کا پورا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا کہ کس طرح اپنا مال اور باندیاں کافروں کے حوالے کر کے انھوں نے اپنی جان بچائی۔ یہ سن کر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''صُہیبؓ! تم نے بڑے نفع کا سودا کیا۔'' اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے کھجوریں کھا رہے تھے۔ حضرت صُہیبؓ کی ایک آنکھ دُکھ رہی تھی، اس لیے حضورؐ نے ان سے کہا۔ صُہیبؓ! تمھاری آنکھ دکھ رہی ہے اور تم کھجور کھا رہے ہو؟

حضرت صُہیبؓ نے جھٹ کہا، یا رسول اللہؐ اس داڑھ سے کھا رہا ہوں جدھر کی آنکھ ٹھیک ہے۔ حضرت صُہیبؓ کی اس حاضر جوابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور ہنس پڑے۔

شوق شہادت

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابیؓ لنگڑے تھے۔ عمرو بن جموحؓ ان کا نام تھا۔ ان کو خدا نے چار بیٹے بخشے تھے۔ اور چاروں ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، آپؐ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے، عمرو بن جموحؓ اپنے بیٹوں کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔

اُحد کی جنگ میں عمرو بن جموحؓ کو بھی شوق ہوا کہ خدا کی راہ میں جان لڑائیں، لوگوں نے منع کیا کہ تم لنگڑے ہو اور معذوروں کو خدا نے رخصت دے رکھی ہے۔ لیکن حضرت عمروؓ کا شوق جہاد بڑھتا ہی گیا۔ کہنے لگے، میں اپنے بیٹوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ وہ تو جام شہادت نوش کر کے جنت میں جائیں اور میں رہ جاؤں، روز بروز آپؓ کا شوق بڑھتا رہا۔ اور آپ اس تمنا میں بے قرار رہنے لگے کہ کسی طرح شہادت نصیب ہو۔

آخر کار ایک دن ہتھیار لگائے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دُعا کی ''خدایا! مجھے گھر والوں کی طرف نہ لوٹائیو۔'' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنی تمنا کا اظہار کرتے ہوئے بولے، یارسول اللہ! میری تمنا ہے کہ میں راہ خدا میں شہادت پاؤں اور اپنے اس لنگڑے پیر سے جنت میں ٹہلوں۔ نبیؐ نے پہلے تو منع کیا کہ تم معذور ہو اور خدا نے تمھیں رخصت دی ہے لیکن ان کے شوق اور آرزو کو دیکھ کر خاموش رہے۔

حضرت ابوطلحہؓ نے دیکھا کہ حضرت عمروؓ اکڑا اکڑ کر میدان جنگ میں گھوم رہے تھے ، اور کہہ رہے تھے، خدا گواہ ہے میں جنت کا مشتاق ہوں، ان کا ایک لڑکا بھی ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، دونوں لڑتے رہے اور خدا نے دونوں کو شہادت کا مرتبہ نصیب فرمایا۔

شہید ہونے کے بعد جب حضرت عمرو کی بیوی ان کی اور شہید بیٹے کی لاش کو اونٹ پر لاد کر لے جانے لگیں تو اونٹ بیٹھ گیا، ہزار کوشش کی، لیکن اس کو نہ اٹھنا تھا نہ اٹھا۔ بہت دیر کی مار پیٹ اور کوشش کے بعد وہ کھڑا تو ہو گیا لیکن کسی طرح بھی مدینے کی طرف بڑھنے کے لیے تیار نہ تھا۔ بار بار اس کا رُخ مدینے کی طرف کیا جاتا اور وہ پھر احد کی طرف رخ کر لیتا۔

لوگوں نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حیرت انگیز واقعہ بیان کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمروؓ کی بیوی سے پوچھا، گھر سے چلتے وقت حضرت عمروؓ نے کیا کہا تھا۔ بیوی نے بتایا کوئی اور بات تو نہیں کہی تھی، البتہ قبلے کی طرف رُخ کر کے یہ دُعا ضرور کی تھی کہ:

''خدایا مجھے پھر گھر والوں کی طرف نہ لوٹائیو۔''

یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر یہ اونٹ مدینے کی طرف ہرگز نہیں جائے گا۔

نرالی دُعا

ایک بار حضرت عمرؓ خانہ کعبہ کا طواف فرمارہے تھے۔کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدو کھڑا دعا مانگ رہا ہے، اور انتہائی جوش وجذبے میں کہہ رہا ہے۔

اے میرے پروردگار.....!اے پروردگار! تو مجھے اپنے ''قلیل بندوں'' میں سے بنادے۔

.....یہ نرالی دعا سن کر حضرت عمرؓ کو تعجب ہوا۔فرمایا اس بدو کو بلا کر لاؤ..... جب وہ آیا تو امیر المومنینؓ نے پوچھا، بھائی یہ تم کیا دعا مانگ رہے تھے۔ایسی انوکھی دعا تو میں نے آج تک نہیں سنی۔تمھاری اس دعا کا مطلب کیا ہے؟

بدو کچھ دیر رُکا، پھر بولا حضرت آپ کو معلوم ہے۔

یہ سن کر امیر المومنینؓ کو اور بھی حیرت ہوئی اور فرمایا کچھ بتاؤ تو سہی ۔مجھے کیا معلوم ہے۔

بدّو بولا۔امیر المومنینؓ آپ خوب جانتے ہیں؟

امیر المومنینؓ کی حیرت اور اشتیاق بڑھتا رہا۔بولے بھئی میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا بتاؤ تو سہی۔

بدو نے کہا.....امیر المومنینؓ! کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا ہے، کیا قرآن میں آپ کی نظر سے یہ آیت نہیں گزری ہے'' وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (اور میرے شکر گزار بندے بہت قلیل ہیں۔) میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ الٰہی تو مجھے اپنے ان شکر گزار بندوں میں سے بنادے جو بہت ''تھوڑے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عمرؓ بہت متاثر ہوئے ۔پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، ہر شخص عمرؓ سے زیادہ جاننے والا ہے۔اور بہت دیر تک سر جھکائے سوچ میں ڈوبے رہے۔

مثالی تعلق

اُحد کی جنگ میں جو صحابہؓ شہید ہوئے انھیں میں حضرت سعدؓ بن ربیع بھی تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو ان کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا ''سعد'' سے ملاقات ہو تو ان سے میرا اسلام کہنا اور کہنا رسول اللہ نے تمھارا حال پوچھا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ، شہیدوں میں چکر لگانے لگے کہ سعد بن ربیعؓ سے ملاقات ہو جائے۔ دیکھا کہ زمین پر پڑے ہوئے ہیں، جسم پر تیر و تلوار اور نیزے کے ستر گھاؤ ہیں، اور جاں کنی کا عالم ہے۔ حضرت زیدؓ نے ان سے کہا۔ سعدؓ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو سلام کہا ہے اور یہ دریافت فرمایا ہے کہ تمھارا کیا حال ہے؟

سعدؓ نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ حضورؐ سے میرا اسلام کہنا اور کہنا، یارسول اللہؐ، جنت کی خوش بو پا رہا ہوں..... اور میری قوم انصار سے کہنا سعد کا تمھارے لیے یہ پیغام ہے کہ جب تک بدن میں ایک آنکھ بھی حرکت کر رہی ہے، اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ ہوا تو خدا کے یہاں تمھارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا''..... یہ فرمایا اور روح پرواز کر گئی۔ (زاد المعاد ج ۲)

رسولؐ کی عظمت

(۱) حضرت اُمّ حبیبہؓ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بیوی تھیں۔ آپ بنو امیہؓ کے اس خاندان سے ہیں جس کا بچہ بچہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ امّ حبیبہؓ کا باپ وہ ابوسفیان ہے جو مسلسل اکیس سال تک رسول اور اصحاب رسولؐ کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ ان کی والدہ ہندہ اسلام کی وہ بدترین دشمن تھی جو احد کی جنگ میں حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی تھی۔ ان کی پھوپھی امّ جمیلؔ ابولہبؔ کی وہ بدبخت بیوی ہے جو زندگی بھر مسلمانوں کو ستاتی رہی۔ قرآن نے اس کو حمالته الحطب کے نام سے ذلت کے ساتھ یاد کیا ہے' ان کے نانا قریش کے وہ مشہور سردار عتبہ ابن ربیعہ ہیں جو اسلام کی دشمنی میں ہمیشہ آگے آگے رہے۔

ایسے خاندان میں کسی لڑکی کا ایمان لانا سچی بات یہ ہے کہ موت کو پیغام دینا ہے، حضرت امّ حبیبہؓ کا استقلال دیکھئے، انھی حالات میں ایمان لائیں، اسلام کی خاطر سب رشتے قربان کئے اور وہ دُکھ اٹھائے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے، لیکن یہ خدا کی بندی

برابر دین پر جمی رہیں۔

اسلام کے ابتدائی پانچ سالوں میں جولوگ ایمان لائے، انھی لوگوں میں اُمّ حبیبہؓ اور ان کے پہلے شوہر بھی ہیں..... دو تین سال کے بعد جب مکہ کے کافروں کے ظلم دستم سے تنگ آکر مسلمانوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تو اُمّ حبیبہؓ بھی اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئیں، وہاں جا کر شوہر پر بدبختی چھائی اور اسلام چھوڑ کر عیسائی ہو گیا۔ یہ شیر دل بی بی اس وقت بھی اسلام پر جمی رہیں، اور ان کے قدم ذرا نہ ڈگمگائے۔ جس طرح انھوں نے دین کی خاطر ماں باپ، بہن بھائی اور دوسرے خاندان والوں کے رشتوں کو قربان کیا تھا، اسی طرح انھوں نے اسلام کی خاطر پیارے شوہر کو بھی چھوڑ دیا۔ اور حبش میں ایک ننھی بچی کے ساتھ اس طرح مسافرت کی زندگی گزارتی رہیں کہ خدا کے سوا کسی کا ظاہری سہارا نہ تھا۔ اللہ اکبر، کیسی زبردست قوت تھی ان کے ایمان میں کہ ان حالات میں بھی پہاڑ کی طرح اٹل رہیں۔ ان کے اسی استقلال اور قربانی کا صلہ اللہ نے ان کو دیا کہ یہ رہتی زندگی تک کے لیے تمام مسلمانوں کی ماں بنائی گئیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے لیے منتخب فرمالیا اور ملک حبش میں غائبانہ ان کا نکاح، خدا کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو گیا۔ خیبر کی جنگ کے زمانے میں یہ حبش سے مدینہ منورہ پہنچیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگیں۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد قریش کا سردار، ان کا باپ ابوسفیان صلح کی بات چیت کے لیے مدینہ منورہ پہنچا۔ اور اس نے یہ سوچ کر کہ بیٹی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی ہیں ان سے صلح کی بات چیت میں بڑی مدد ملے گی، یہی مناسب سمجھا کہ پہلے بیٹی سے ملے۔ چنانچہ وہ امّ حبیبہؓ کے گھر پہنچا۔ تیرہ سال کی جدائی کے بعد باپ بیٹی کو ملنے کا موقع مل رہا تھا۔ ایسے موقع پر باپ کے دل میں بیٹی کی طرف سے کیسی محبت اور عزت واحترام کی امیدیں ہوں گی۔ مگر وہاں تو عزت واحترام کی کسوٹی ہی بدل چکی تھی۔ کیسا باپ اور کیسا بھائی، ایمان ہے تو سب کچھ ہے اور اگر ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

ابوسفیانؓ بیٹی کے گھر پہنچ کر جب اس فراش پر بیٹھنے لگا جس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھا کرتے تھے، تو اُمّ حبیبہؓ نے لپک کر اس فراش کو باپ سے چھین لیا، اور فرمایا جس فراش پر خدا کے پاک رسولؐ تشریف رکھتے ہیں میں اس فراش پر اسلام کے دشمن کو نہیں بٹھا سکتی۔

.....مسلمان کے دل میں رسولؐ کی ایسی ہی عظمت ہوتی ہے۔

(۲) منصور کے بعد محمد المہدی تخت سلطنت پر بیٹھنے کے دو سال کے بعد حج کے ارادے سے حجاز کے لیے روانہ ہوئے۔ امام مالکؒ سے بھی ملاقات ہوئی، بڑے خلوص اور عقیدت سے ملے اور درخواست کی کہ حضرت میرے ساتھ بغداد تشریف لے چلیں اور اپنے خادم کے ذریعہ تین ہزار دینار بھیجے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا۔ کہنا تھیلیاں اسی طرح بندھی رکھی ہیں، میں اپنے رسولؐ کا شہر مدینہ ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ مہدی خاموش ہو گئے۔

پھر خادم کے ذریعے سواری بھیجی کہ امام صاحبؒ سوار ہو کر بارگاہ خلافت میں تشریف لائیں۔ امام صاحبؒ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے سواری واپس کر دی، اور فرمایا، جن گلی کوچوں میں سرکار دو عالمؐ پیدل چلتے پھرتے تھے ان گلی کوچوں میں ان کا خادم گھوڑے پر کیسے سوار ہو سکتا ہے۔ جس سرزمین پر سرورِ کائناتؐ نے قدم رکھے ہیں اس زمین کو گھوڑوں کے سموں سے کیونکر روند سکتا ہوں۔ اور پیدل دربار خلافت میں پہنچے۔

خوف خدا

(۱) حضرت عمرؓ کے سامنے کسی شخص نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔

﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ○ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ﴾ (الطور 52:9-7)

(یعنی تیرے پرودگار کا عذاب آ کر رہے گا، اس کو ٹالنے والی کوئی طاقت نہیں ہے)

حضرت عمرؓ نے آیت سنی تو بے اختیار ایک چیخ نکلی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صحابہ کرامؓ ان کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ اور آپؓ خوف خدا سے ایک مہینے تک بیمار رہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کے سامنے ایک شخص نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:

﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ الاعراف 41:7

(ان کے لیے جہنم ہی بچھونا ہوگا اور جہنم ہی اوڑھنا ہوگا)

آیت سنتے ہی آپ بے اختیار رونے لگے، دیر تک روتے رہے پھر بے ہوش ہوگئے۔ لوگ سمجھے شاید جان نکل گئی اور آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ اٹھے اور کھڑے ہوگئے۔

لوگوں نے کہا حضرت بیٹھ جایئے۔ فرمایا، کیسے بیٹھ جاؤں! اس آیت کی ہیبت مجھے بیٹھنے نہیں دیتی۔

(۳) بصرہ کا ایک رئیس اپنے باغ میں گیا۔ وہاں اس نے اپنے سنار کی حسین اور جوان بیوی کو دیکھا تو اس کی نیت خراب ہوگئی۔ اس نے سُنار کو کام سے باہر بھیج دیا، جب سنار چلا گیا تو اس کی بیوی کو حکم دیا کہ جاؤ اور کوٹھی کے سارے دروازے بند کردو۔ وہ گئی اور سارے دروازے بند کر آئی۔

واپس آئی تو رئیس نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پوچھا سارے دروازے بند کر آئیں۔ خاتون نے جواب دیا، جی ہاں میں نے سارے دروازے بند کر دیئے البتہ ایک دروازہ ایسا ہے جو میں بند نہیں کر سکتی، رئیس نے حیرت سے پوچھا، بھلا وہ دروازہ کون سا ہے، جس کو تم بند نہ کر سکیں۔ خاتون نے جواب دیا۔ حضور! جس دروازے سے میرا اور آپ کا خدا ہمیں دیکھ رہا ہے، اس کو میں کسی طرح بند نہیں کر سکتی۔

یہ سنتے ہی رئیس بصرہ لرز گیا۔ شرم سے پسینے پسینے ہوگیا۔ اس وقت اس نے توبہ کی اور اس شریف خاتون سے معافی مانگی۔

سب سے پہلے جنت میں جانے والے

پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار صحابہؓ سے پوچھا، بتاؤ! سب سے پہلے جنت میں کون جائے گا۔ صحابہؓ نے کہا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ہی کو معلوم ہے کہ کون جائے گا۔

پھر خود ہی پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دیکھو سب سے پہلے جنت

میں جانے والے لوگ وہ غریب اور پھٹے حال مہاجر ہیں، جن کے طفیل اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو مصیبتوں سے بچاتا ہے..... اور خود ناداری اور غریبی کو وجہ سے ان کا حال یہ ہے کہ دل کی تمنائیں دل ہی میں لیے مرجاتے ہیں، ان کے پاس اتنا نہیں ہوتا کہ دل کے ارمان پورے کرلیں۔

جب یہ لوگ جنّت میں جانے لگیں گے تو فرشتے اللہ میاں سے کہیں گے!

پروردگار! ہم تو فرشتے ہیں، اونچے آسمانوں میں رہنے والے ہیں۔ ہم دنیا کے بڑے بڑے انتظامات کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ ہم سے پہلے ہی جنت میں داخل ہورہے ہیں۔

اس پر اللہ میاں فرشتوں سے کہیں گے، تم جانتے ہو یہ کون لوگ ہیں؟ یہ میرے وہ پیارے بندے ہیں جو دنیا میں صرف میری ہی بندگی کرتے تھے،..... انھوں نے کبھی کسی کو میرے ساتھ شریک نہ کیا۔ ان کا مرتبہ میرے یہاں اتنا اونچا ہے کہ ان کے طفیل میں بہت سے لوگ مصیبتوں سے بچتے تھے۔ یہ نہایت غریب اور نادار تھے۔ اور ان کے صبر کا یہ حال تھا کہ ہزاروں ارمان دل میں لیے لیے ہی مرگئے۔ ان کے پاس اتنا نہ تھا کہ دل کے ارمان پورے کرتے، لیکن ہمیشہ شکر ہی ادا کرتے رہے۔

یہ سن کر فرشتے جنت کے ہر دروازے سے ان لوگوں کی طرف لپکیں گے اور انھیں سلام کرتے ہوئے کہیں گے تم پر سلامتی ہو تم نے دُنیا میں بڑا صبر کیا، آج تمھیں بڑا اچھا ٹھکانہ ملا ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کی معمولی سی غلطی سے پوری جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ پھر کسی نے یہ افواہ بھی پھیلادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہوگئے۔ یہ خبر مدینے میں پہنچتے ہی کھلبلی مچ گئی۔ بہت سی عورتیں بھی گھر سے نکل کھڑی ہوئیں کہ میدان جنگ میں جاکر صحیح صورت حال معلوم کریں، ایک انصاریہ خاتون پریشانی کے عالم میں میدان جنگ کی طرف دوڑ

پڑیں۔آگے بڑھ کر دیکھا کہ کچھ لوگ جمع ہیں، بڑی بے قراری سے پوچھا نبی ﷺ کا کیا حال ہے۔لوگوں نے کہا ٹھیک ہیں، مگر تمھارے والد شہید ہو گئے۔خاتون اِنّاللّٰہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔کچھ اور لوگ ملے، بے تاب ہو کر پوچھا کہیے نبی ﷺ کس حال میں ہیں؟ لوگوں نے بتایا خیریت سے ہیں، مگر تمھارے شوہر شہید ہو گئے۔ خاتون نے اِنّاللّٰہ پڑھا اور آگے بڑھ گئیں۔پھر کچھ لوگ آتے ہوئے ملے، پوچھا کچھ نبی ﷺ کی بھی خبر ہے؟ لوگوں نے بتایا، خدا کا شکر ہے۔آپؐ تو بعافیت ہیں۔مگر تمھارا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔

اب میدان جنگ کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ایک مجمع میں جا کر پوچھا، بھائیو! حضورؐ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا، خدا کا شکر ہے حضورؐ بخیر ہیں۔البتہ تمھارا بھائی شہید ہو گیا۔ خاتون نے اِنّاللّٰہ پڑھا اور بولیں جب تک اپنی ان آنکھوں سے حضورؐ کی زیارت نہ کرلوں گی۔مجھے چین نہ آئے گا۔لوگوں سے پوچھا حضورؐ کہاں ہیں؟ لوگوں نے ایک طرف کو اشارہ کیا کہ وہاں موجود ہیں۔

دوڑی دوڑی گئیں اور حضور ﷺ کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کیں تو کچھ تسکین ہوئی.....رسول اللہ ﷺ نے بھی باپ ، بیٹے، شوہر اور بھائی کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے صبر کی تلقین کی۔

خاتون نے رسول اکرم صلی اللہ وسلم کا دامن پکڑتے ہوئے کہا..... یارسول اللہ ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، جب آپؐ سلامت ہیں تو مجھے کسی کا غم نہیں۔ ؎

باپ بھی ،بیٹا بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں! ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

حضرت علیؓ قبرستان میں

حضرت علیؓ ایک بار قبرستان میں تشریف لے گئے۔ساتھ میں حضرت کُمیلؓ بھی تھے۔جب آپ قبرستان پہنچے تو آپؓ نے ایک نظر قبروں پر ڈالی اور اس کے بعد قبر والوں سے خطاب فرمایا:

اے قبر میں بسنے والو! اے کھنڈروں میں رہنے والا! اے وحشت اور تنہائی میں رہنے والو! کہو کیا خیر خبر ہے؟ کہو کیا حال ہے؟ ہمارا تو یہ حال ہے کہ مال تقسیم کر لیے گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند کر لیے..... یہ تو ہمارا حال ہے، اب تم بھی تو اپنی کچھ خیر خبر سناؤ۔

پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے، حضرت کمیلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا: کمیلؓ! اگر ان قبر کے باشندوں کو بولنے اجازت ہوتی تو یہ کہتے کہ ''بہترین توشہ پرہیز گاری ہے۔'' یہ فرمایا اور رونے لگے۔ دیر تک روتے رہے۔ پھر بولے کمیلؓ! قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت ہی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے۔

ایمانی جرأت

حضرت سعید ابن جُبیرؒ تابعین میں سب سے بڑے عالم مانے جاتے ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے ممتاز شاگرد تھے، ان کی نیکی اور علم کا حال یہ تھا کہ جب کوفے کے لوگ خود ان کے اُستاد حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھتے تو وہ فرماتے تم مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہو جب کہ تمھارے درمیان حضرت سعید ابن جبیرؒ جیسے عالم موجود ہیں۔ علم کے ساتھ اللہ نے ان کو جرأت، ہمت اور توکل کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ ان کی شہادت کا واقعہ پڑھ کر تو بڑا ہی اثر ہوتا ہے، اور رشک آتا ہے کہ اللہ نے ان کو کیسی ایمانی جرأت عطا فرمائی تھی۔

واقعہ یوں تھا کہ جب ان کے ساتھیوں کو عبدالملک ابن مروان کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو ان لوگوں نے مکہ کا راستہ لیا۔ ان دنوں مکہ کے حاکم خالد ابن عبداللہ تھے۔ خالد نے حضرت ابن جبیرؒ کو گرفتار کر لیا۔ اور اسماعیل ابن واسط کے ہمراہ حجاج کے پاس بھیج دیا۔ حضرت سعید ابن جبیرؒ جب حجاج کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے اقتدار اور غرور کے نشے میں بڑی ہی حقارت کے ساتھ آپ سے سوال جواب کئے۔

حجاج:۔ تیرا نام کیا ہے۔

سعیدؒ:۔ میرا نام سعید ابن جبیرؒ ہے۔

حجاج:۔ (غصے سے بے تاب ہوکر) تیرا نام شقی ابن کسیر ہے۔

سعیدؒ:۔ میرا نام میری ماں کو تجھ سے زیادہ اچھی طرح معلوم ہے۔

حجاج:۔ (جھنجھلا کر) تو بھی بدنصیب ہے اور تیری ماں بھی۔

سعیدؒ:۔ غیب کا جاننے والا تو کوئی اور ہے۔

خجاج:۔ (بے قابو ہوکر) اچھا میں ابھی تجھے زندگی کے بدلے جہنم کی موت کا مزا چکھاتا ہوں۔

سعیدؒ:۔ (اطمینان کے ساتھ) اگر میں موت وزندگی تیری قبضے میں سمجھتا تو تجھے اپنا خدا بنالیتا۔

حجاج:۔ (آگ بگولہ ہوکر) اچھا یہ بتا! محمدؐ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟

سعیدؒ:۔ وہ میرے پیارے محبوب، وہ تو ہدایت اور رحمت کا راستہ دکھانے والے تھے۔

حجاج:۔ (ہونٹ بھینچتے ہوئے) اچھا یہ بتا۔ علیؓ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے، وہ جنت میں ہیں یا جہنم میں؟

سعیدؒ:۔ اگر میں وہاں گیا ہوتا تو وہاں پہنچنے والوں کے بارے میں بتا دیتا۔

حجّاج:۔ (اُکتا کر) اچھا یہ بتا، خلفا کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

سعیدؒ:۔ (انتہائی سکون کے ساتھ) میں کوئی ان کا دار دغہ تو نہیں ہوں۔

حجّاج:۔ (حیرت اور غصے کے ملے جلے جذبات کے ساتھ) اچھا یہ تو بتا تجھے ہنسی کیوں نہیں آرہی ہے؟

سعیدؒ:۔ (ایک آہ بھر کر) وہ انسان بھلا کیا ہنسے جو مٹی سے پیدا ہے اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔

حجّاج:۔ اچھا تو ہم ہنس کیوں رہے ہیں؟

سعیدؒ:۔(انتہائی جرأت اور یقین کے ساتھ) تم اس لیے ہنس رہے ہو کہ تمھارے دل ہدایت سے خالی ہیں۔

حجّاج:۔غصے سے بے قابو ہو گیا اور بولا، سعیدؒ! دیکھو تیری موت آئی ہے۔ تیرے سر پر تباہی منڈلا رہی ہے۔

سعیدؒ:۔(نہایت اطمینان سے) نہیں، اس شخص کے لیے ہرگز تباہی نہیں جو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا جائے۔

حجّاج:۔ یہ جرأت، اطمیان، سکون اور بے خوفی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اب اس نے پینترا بدلا اور نہایت نرمی سے للچانے اور لبھانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

حجّاج:۔سعیدؒ! کیا میں تمہیں معاف کر دوں؟

سعیدؒ:۔(بے پروائی سے) تم کون ہوتے ہو معاف کرنے والے؟ معاف کرنے والا تو خدا ہے، حجّاج! تم تو اپنی فکر کرو، یہ سوچو کہ تم آخرت میں کیسے چھوٹو گے؟

حجاج:۔غصے سے تلملا اٹھا، جلّادکو حکم دیا۔فوراً اس کو قتل کر دو۔اور خود چل دیا حضرت سعیدؒ قتل کا حکم سن کر ہنس دیئے۔

حجاج کو بتایا گیا کہ وہ قتل کا حکم سن کر ہنس پڑے۔

حجاج پھر پلٹا اور بولا: سعید! تم ہنسے کیوں؟

حضرت سعیدؒ نے ٹھیر ٹھیر کر انتہائی اطمینان وسکون سے جواب دیا۔ مجھے ہنسی اس بات پر آئی کہ اللہ کے خلاف تری ناپاک جرأت کس قدر بڑھ گئی ہے، اور اللہ کی یہ وسعت کہ وہ تجھ سے درگزر کر رہا ہے۔

حجاج غصے میں سُرخ ہو گیا اور کڑکتے ہوئے بولا: اس کو ابھی ابھی میرے سامنے قتل کر دو۔

حضرت سعیدؒ ذرا نہ گھبرائے، قبلہ کی طرف منہ کرتے ہوئے بولے:

﴿ اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴾ الانعام79:6

میں نے اپنا رُخ اس اللہ کی طرف کرلیا ہے جو زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور میں نے سب سے کٹ کر اور یکسو ہو کر اسی سے لو لگالی ہے۔ میں اس کی خوشی اور خوف میں کسی کو شریک کرنے والا نہیں ہوں۔

حجاج نے کھسیاتے ہوئے حکم دیا، اس کا منہ قبلہ کی طرف سے پھیر دو۔ اور ظالموں نے زبردستی حضرت سعیدؒ کا منہ قبلہ کی طرف سے پھیر دیا۔

حضرت سعیدؒ نے کہا تم جس طرف بھی میرا منہ پھیر دگے میرا خدا اُدھر موجود ہے۔

﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ﴾ البقرہ 115:2

حجاج کے غصے کی انتہا نہ رہی، اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگے اور چیختے ہوئے بولا: اسے زمین پر اوندھے منہ ڈال دو۔

حضرت سعیدؒ نے زمین پر پیشانی رکھتے ہوئے کہا:

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ طٰہٰ 20:5

(اسی زمین سے ہم نے تمھیں پیدا کیا، اسی زمین میں ہم تمھیں لوٹائیں گے، اور پھر اسی زمین سے ہم تمھیں دوبارا اٹھائیں گے)

حجاج آپے سے باہر ہو گیا۔ اور حلق پھاڑتے ہوئے بولا۔ اسے ابھی قتل کر دو۔ جلدی کرو، جلدی کرو۔ میری آنکھوں کے سامنے اس کی گردن اُڑا دو۔

جلاّد چمکتی ہوئی تیز تلواریں لیے آگے بڑھے۔ حضرت سعیدؒ نے اپنی پاکیزہ زندگی کے آخری لمحے میں ایمان وسوز میں ڈوبی ہوئی آواز میں حجاج سے کہا:۔ حجاج میں تمھیں اپنے پر گواہ بناتا ہوں، یہ میری امانت ہے، قیامت کے دن اپنے خدا کے سامنے تم سے یہ امانت لوں گا۔ یہ کہا اور تلوار کی دھاروں نے زمین وآسمان میں صفِ ماتم بچھا دی۔ فرشتوں اور انسانوں کی آنکھیں بہ پڑیں۔

''ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔''

قتل کے بعد آپؒ کے جسم سے بہت ہی خون نکلا۔ حجاج نے طبیبوں کو جمع کیا اور پوچھا: یہ اتنا زیادہ خون نکلنے کی کیا وجہ ہے؟

طبیبوں نے دیکھ کر بتایا کہ قتل کی خبر سُن کر یہ ذرا بھی نہیں ڈرے۔ان کا دل اطمینان سے کام کرتا رہا۔اللہ اکبر! یہ جرأت ایمانی!!

بڑائی کا معیار

جبلہؔ غسانی ایک عیسائی بادشاہ تھا۔جب یہ مسلمان ہوا تو اس نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور دربار میں حاضری کی اجازت چاہی.....اجازت مل گئی اور جبلہ اپنے قبیلے کے پانچ سو آدمیوں کو لے کر شاہانہ شان کے ساتھ مدینے روانہ ہوا۔مدینے کے قریب پہنچ کر اس نے پڑاؤ ڈالا۔اور آدمی بھیج کر امیر المومنینؓ کو اپنے آنے کی اطلاع کرائی۔

حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو تحفے تحائف دے کر استقبال کے لیے بھیجا اور جبلہؔ کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

استقبال کرنے والے لوگ جب جبلہؔ کے پاس پہنچے تو اس نے فوراً حکم دیا کہ مدینے میں داخلے کی تیاریاں شروع کر دی جائیں۔چنانچہ فوراً تیاریاں شروع ہو گئیں جبلہؔ نے بھی اپنا بیش قیمت جواہرات سے سجا ہوا شاہی تاج پہنا اور اس کے آدمیوں نے بھی ریشمی وردیاں پہن کر ہتھیار لگائے اور گھوڑوں کو قیمتی ہاروں سے سجایا۔اور جبلہ شاہی کروفر کے ساتھ مدینے میں داخل ہوا۔

امیر المومنینؓ نے بڑی شفقت واحترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔اور عزت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔

کچھ روز کے بعد جب حضرت عمرؓ حج کو جانے لگے تو جبلہ بھی ساتھ ہو لیا۔اور حج کے ارکان ادا کرنے میں لگ گیا۔

حج ہو رہا تھا،خانہ کعبہ کے گرد حاجی دوڑ رہے تھے،فضا اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کی روحانی صداؤں سے گونج رہی تھی،امیر وغریب ،بادشاہ ورعایا،سب ہی ایک لباس پہنے ہوئے خانہ خدا کے چاروں طرف پروانوں کی طرح چکر لگا رہے تھے۔سب ایک خدا کی غلامی کے نشے میں سرشار دوڑ رہے تھے۔اتفاق کی بات بنی فزارہ کے ایک غریب آدمی کا پیر جبلہ

کے ڈھیلے ڈھالے تہبند میں الجھ گیا۔اور تہبند جھٹکے سے کھل گیا۔

جبلہ کی پیشانی پر شاہی غرور کی شکنیں نمودار ہوئیں۔ایک عام آدمی کی یہ گستاخی جبلہؔ برداشت نہ کرسکا۔اور غصے میں اس آدمی کی ناک پر ایسا گھونسا مارا کہ بے چارے کی ناک کا بانسہ ہی ٹوٹ گیا۔

مظلوم درد سے کراہتا امیر المومنینؓ کی خدمت میں پہنچا،اور اپنی مظلومی کا حال سنا کر انصاف کی درخواست کی۔

امیر المومنینؓ نے اسی وقت جبلہ کو اپنے حضور طلب کیا۔جبلہؔ حاضر کئے گئے،اور اسلامی عدالت قائم ہوگئی۔

امیر المومنینؓ (جبلہ سے مخاطب ہوکر) بنی فزارہ کا یہ بدو تمھارے ظلم کی شکایت کرتا ہے۔کہو تم کیا کہتے ہو؟۔

جبلہؔ: (تن کر) جی ہاں میں نے ہی اس بدّو کو اس کی گستاخی کی سزا دی ہے۔اس گستاخ نے میری تہبند پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور وہ کھل گیا،وہ تو بیت اللہ کے احترام میں، میں نے صرف اس کی ناک توڑی اگر کوئی اور جگہ ہوتی تو میں اپنی تلوار سے اس کے سر کے دو ٹکڑے کرتا امیر المومنین (وقار اور اطمینانؔ کے ساتھ) اچھا تو بات صاف ہے۔تم کو اپنے قصور کا اعتراف ہے۔اب یا تو تم کچھ دے دلا کر کسی طرح اس مظلوم بدو کو راضی کرلو۔ورنہ میں تم سے اس کا قصاص لوں گا۔

جبلہ: (ذرا اکڑتے ہوئے) بھلا آپ قصاص میں میرا کیا کریں گے؟

امیر المومنینؓ: (دوٹوک فیصلہ سناتے ہوئے) میں تمھاری ناک توڑنے کا حکم دوں گا۔ جیسے تم نے اس غریب بدو کی ناک توڑی ہے۔

جبلہ حیرت سے بوکھلا گیا۔اور بولا: امیر المومنینؓ یہ آپ کیا فرمارہے ہیں؟ کہاں وہ معمولی بدو اور کہاں میں۔میں بنوغسّان جیسے قبیلے کا بادشاہ ہوں۔ہزاروں افراد غلاموں کی طرح میرے حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔بھلا ایک معمولی بدّو اور بادشاہ کی ناک

برابر ہوگئی.....آپ کا فیصلہ سن کر تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

امیر المومنینؓ نے فیصلہ کن انداز میں کہا: اب اس گفتگو سے کوئی فائدہ نہیں، میرا بے لاگ فیصلہ یہی ہے کہ یا تو اسے راضی کرلو، ورنہ قصاص میں تمھاری ناک بھی توڑی جائے گی، اسلام نے تم کو اور اس بدو کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ سب کی غلامی سے نکال کر صرف ایک کا غلام بنا دیا ہے۔ تم بھی خدا کے بندے ہو اور وہ بدو بھی۔ اور اسلام کی نظر میں تم دونوں برابر ہو، یہاں بڑائی کا معیار نہ دولت ہے اور نہ بادشاہی، یہاں بڑائی کا معیار صرف نیکی اور خدا ترسی ہے۔

جبلّہ یہ بے لاگ فیصلہ سن کر ششدر رہ گیا اور بولا۔ اچھا مجھے آج کی رات سوچنے کا موقع دیجئے.....اور رات ہی وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔

موت سے محبت

امیر المومنینؓ کی حالت جب زیادہ بگڑ گئی اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ اب اپنے رب سے ملنے والے ہیں تو پریشان ہوئے۔ اور بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے امیر المومنینؓ سے کہا:۔

امیر المومنینؓ! خدا آپ کا سایہ دیر تک ہمارے سروں پر قائم رکھے! موت برحق ہے۔ اور ہر پیدا ہونے والے کو موت کی گھاٹی بہر حال پار کرنی ہے۔ یہ فرمایئے آپ کے بعد ہم کس کے ہاتھ پر بیعت کریں؟ خلافت کی گراں ترین ذمہ داری کون سنبھالے گا؟۔

امیر المومنینؓ نے بڑے اطمینان سے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:.....عمر ابن خطابؓ خلافت کی ذمہ داری سنبھالیں گے۔

عمر ابن خطابؓ خلیفہ ہوں گے!! بے اختیار لوگوں کی زبان پر یہ الفاظ آئے۔ اور حیرت و ہیبت کے جذبات نے دل کی دنیا میں ہلچل مچادی۔

جی ہاں، عمر ابن خطابؓ ہی اُمت کے ذمہ دار ہوں گے۔ صدیق اکبرؓ نے یقین میں ڈوبی ہوئی نحیف آواز میں جواب دیا۔

امیر المومنینؓ! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ ایسے تند مزاج اور سخت گیر انسان کو خلیفہ بنانے

کامشورہ آپ دے رہے ہیں آپ جیسے پیکر شفقت ورحمت سے یہ امید ہرگز نہ تھی۔ کچھ سوچا ہے آپ نے' اپنے رب کو کیا جواب دیں گے؟ لوگوں نے فریاد کے انداز میں کہا۔

ابوبکر صدیقؓ کی لرزتی آواز بلند ہوئی..... میں پورے اطمینان کے ساتھ اپنے رب سے کہوں گا کہ میں نے تیری مخلوق پر ایسے شخص کو اپنا جانشین بنایا ہے جو تیری مخلوق میں سب سے بہتر ہے۔ اتنے میں عمر ابن خطابؓ داخل ہوئے اور پھر امیر المومنینؓ حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوئے۔

راہ حق کے مخلص ساتھی! مجھے یقین ہے کہ اُمّت، خلافت کی عظیم ذمہ داری کے لیے تم ہی کو منتخب کرے گی..... میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں اس موقع پر میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

میں تمھیں ایک وصیت کرتا ہوں، اگر تم نے اس کو یاد رکھا تو دنیا کی کوئی چیز تمھیں موت سے زیادہ محبوب نہ ہوگی..... اور موت کا آنا یقینی ہے۔ اور اگر تم نے میری وصیّت کو بھلا دیا تو پھر دنیا کی کوئی چیز تمھاری لیے موت سے زیادہ مبغوض نہ ہوگی۔ حالانکہ تم کسی طرح بھی موت سے نہیں بچ سکتے۔

یاد رکھو! تم پر تمھارے خدا کے کچھ حقوق رات میں ہیں جن کو وہ دن میں ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ اور کچھ حقوق دن میں ہیں جن کو وہ رات میں ہرگز قبول نہ کرے گا اور یاد رکھو! خدا اس وقت تک نفل عبادات قبول نہیں کرے گا جب تک فرائض ادا نہ کرلو۔

حشر کے میدان میں ان لوگوں کی میزان ہلکی ہوگی جو باطل کی پیروی کر رہے ہیں، بلاشبہہ باطل انتہائی ہلکا اور بے وزن ہے اور جس میزان میں باطل رکھا جائے اسے ہلکا ہونا ہی چاہیے۔

قیامت کے روز بھاری میزان ان لوگوں کی ہوگی جو دنیا میں حق کی پیروی کرتے رہے ہیں اور حق انتہائی بھاری اور وزنی ہے جس میزان میں حق رکھا جائے گا، اسے بھاری اور وزنی ہونا ہی چاہیے۔ اگر تم نے یہ وصیّت یاد رکھی تو تمھارے لیے موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہ ہوگی، اور اگر تم نے یہ وصیت بھلا دی تو غائب چیزوں میں موت سے زیادہ کوئی

چیز تمھارے لیے مبغوض نہ ہوگی.....لیکن یاد رکھو تم اس سے بھاگ نہ سکو گے۔

آل رسولؐ کی عظمت

مدینے کا گورنر جعفر بن سلیمان غصے سے بے تاب گرج رہا ہے۔انسؓ کے بیٹے مالک سے کہہ دو آئندہ یہ فتویٰ نہ دیں کہ جبری طلاق درست نہیں۔اس سے لوگوں کو یہ سند ہاتھ آتی ہے کہ جبری بیعت نہیں ہوسکتی حالانکہ ابوجعفر منصور مسلمانوں کے خلیفہ ہیں' اوران کی بیعت صحیح ہے،لیکن حضرت امام نے ذرا پروانہ کی اور بدستور یہی کہتے رہے ''خلافت محمد نفسِ زکیہ کا حق ہے۔ منصور نے جبراً بیعت لی ہے،اورشریعت میں بجبر کرائے ہوئے کام کا کوئی اعتبار نہیں،حدیث میں ہے جبری طلاق درست نہیں۔'' گورنر مدینہ کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور بولا ''انسؓ کے بیٹے کو مجرموں کی طرح لایا جائے اور یہ عجیب وغریب مجرم گناہ گاروں کی طرح پکڑ کر لایا گیا،کپڑے اُتروائے گئے اورجلاد کو حکم دیا گیا کہ ننگی پیٹھ پر ستر کوڑے برسائے جائیں۔

تازہ دم جلاد پوری قوت سے ننگی پیٹھ پر کوڑے برسا رہا تھا،اور مجرم کہہ رہا تھا' میں فتویٰ دیتا ہوں کہ ''جبری طلاق درست نہیں۔''

مظلوم کی پیٹھ سے خون بہنے لگا،دونوں ہاتھ مونڈھوں سے اُتر گئے۔جلاد ستر کی گنتی شمار کر کے تھک گیا،مگر جعفر کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔وہ پھر گرجا۔

اس شخص کو اونٹ پر بٹھا کر مدینے کی گلیوں اور بازاروں میں گھماؤ۔اور مدینے والوں کو بتادو۔کہ جبری طلاق کا انکار کرنے والے کی یہی عبرت ناک سزا ہے۔

ادھیڑ عمر کا ایک عجیب وغریب مجرم اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا ہے،دونوں ہاتھ مونڈھے سے اُترے ہوئے ہیں،پیٹھ سے خون رس رہا ہے۔حکومت کے کارندے شرم اور گناہ کے بوجھ سے سر جھکائے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔،اور وہ کہہ رہا ہے۔

''جو شخص مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کر میں انسؓ کا بیٹا مالک ہوں،اور یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق درست نہیں۔''

اور جب یہ گشت پورا ہو گیا تو آپ خون میں لتھڑے ہوئے انھی کپڑوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں تشریف لائے ، پیٹھ سے خون صاف کیا اور اطمینان کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی ، اور فرمایا حضرت سعید بن مسیبؒ کے جب کوڑے مارے گئے تھے، تو انھوں نے بھی اسی طرح مسجد میں آ کر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔

منصور کو معلوم ہوا تو اس نے امام صاحب کو معذرت کا خط لکھا کہ ''نہ میں نے اس سزا کی اجازت دی تھی ، اور نہ میرے علم میں تھا کہ آپ کے ساتھ یہ زیادتی کی جا رہی ہے۔ میں نے حکم دیا ہے کہ جعفر کو گدھے پر سوار کر کے ذلت کے ساتھ مدینے سے بغداد لایا جائے۔

پھر جب دوسرے سال منصور حج کے ارادے سے حجاز آیا، تو اس نے چاہا کہ والی مدینہ جعفر سے قصاص لیا جائے۔ امام مالکؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا..... مالک آلِ رسولؐ سے قصاص نہیں لے سکتا..... اور فرمایا میری پیٹھ پر جب کوڑا پڑتا تھا میں اسی وقت جعفر کو معاف کر دیتا تھا کہ یہ رسولؐ کی اولاد میں ہیں اور ان کو رسولؐ سے رشتے کا شرف حاصل ہے۔

خدا سے خوش گمانی

ایک مرتبہ ہارون الرشید حج کا ارادہ کر کے بغداد سے نکلے۔ کوفہ پہنچ کر ٹھیرے کوفہ کے لوگ چاروں طرف سے خلیفہ کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ اونٹ پر ہودج میں ہارون الرشید بیٹھے ہوئے تھے۔ اور چاروں طرف سے لوگوں نے انھیں گھیر رکھا تھا، کہ یکا یک آواز آئی۔

ہارون ، ہارون ! لوگ حیران ہوئے کہ کون اتنی بے ادبی سے امیر المومنین کو پکار رہا ہے، خود ہارون الرشید بھی حیران ہوئے کہ یہ کون شخص ہے جو اتنی بے باکی اور جرأت سے میرا نام لے رہے۔ لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟

لوگوں نے کہا، حضور یہ شاہ بہلولؒ ہیں۔

ہارون نے ہودج کا پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ بہلولؒ بڑے وقار کے ساتھ سر نیچے کئے

کھڑے ہیں۔ ہارون الرشید نے بہلولؒ سے کہا۔ کہیئے شاہ صاحب کیا بات ہے؟

ہارون الرشید! حضرت عبداللہ عامریؓ کہتے ہیں کہ میں نے دونوں جہان کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج کے لیے جاتے دیکھا ہے۔ خدا کی قسم آپؐ کا سفر بڑا ہی سادہ اور فقیرانہ تھا۔ نہ نوکر چاکر تھے، نہ ہٹو بچو کے نعرے تھے اور نہ آنکھوں کو چکا چوند کرنے والی شان وشوکت تھی۔

ہارون! میں آپ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ اگر آپ واقعی حج کے لیے جا رہے ہیں تو اسی طرح سادگی کے ساتھ جایئے جس طرح آپ کے رسولؐ گئے تھے۔ یہ شان وشوکت چھوڑ دیجئے۔ یہ ہٹو بچو کی آوازیں بند کر دیجئے۔ یہ نوکر چاکر رخصت کیجئے۔ اور خدا کے عظمت و جلال والے گھر میں عاجزی اور تواضع کے ساتھ حاضری دیجئے۔ خدا سب بڑوں کا بڑا ہے۔ اس کے ہاں عاجزی اور انکساری کرنے والے ہی عزت پاتے ہیں۔ بہلولؒ نے بڑے سوز اور وقار کے ساتھ نصیحت کی۔

ہارون الرشید کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا، اور روتے ہوئے بہلولؒ سے کہا:۔

شاہ صاحبؒ! آپ نے بڑی ہی اچھی بات بتائی، کچھ اور بتایئے شاہ صاحبؒ! بہلولؒ نے کہا: ہارون! جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال ودولت دے، خوب صورتی بخشے، اور حکومت عطا کرے، اس کا فرض یہ ہے کہ وہ ان تینوں کا حق ادا کرے۔ مال تو اللہ کی راہ میں خرچ کیجئے۔ حسن و جمال کو پاک وصاف رکھیے۔ اور اس پر کسی گناہ کا دھبہ نہ لگایئے اور اللہ کی بخشی ہوئی اس حکومت کو عدل وانصاف کے ذریعے مضبوط بنایئے۔

ہارون الریشد یہ سن کر پھر رونے لگے، اور روتے ہوئے کہا۔ شاہ صاحبؒ آپ نے واقعی بڑی اچھی بات ہوئی..... پھر اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ شاہ صاحبؒ کو ایک بڑی رقم انعام میں دے دی جائے۔

جی نہیں، مجھے رقم کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ رقم آپ ان لوگوں کو دے دیں جن سے

لے لے کر آپ نے جمع کی ہے۔ بہلولؒ نے بڑی جرأت اور بے نیازی سے جواب دیا۔ ہارون الرشید خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر بہلولؒ سے بولے اچھا شاہ صاحب ؒ آج سے آپ کھانا ہمارے ساتھ کھایا کریں۔

بہلولؒ نے ہارون الرشید کی یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی اور عجیب انداز سے سر آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا: ہارون! میں اور آپ سب اللہ کے بندے ہیں اور وہ ہم سب کا پروردگار ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ آپ کو تو اتنی بڑی حکومت بخش دے اور مجھے دو وقت کی روٹی بھی نہ دے..... یہ کہا اور روانہ ہو گئے۔

آتش جہنم کا خوف

حضرت علیؓ کے پوتے حضرت زین العابدینؒ بڑے ہی نیک اور عبادت گزار بزرگ گزرے ہیں۔ آپؒ گھر پر ہوتے یا سفر میں، تہجد کی نماز کبھی نہ چھوٹتی۔ ایک بار آپ مسجد میں تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی، پاس پڑوس کے لوگ دوڑ پڑے۔ بڑا شور وغل ہوا۔ لوگوں نے آپ سے کہا اے نواسہ رسولؐ کے بیٹے! آگ لگ گئی۔ آگ لگ گئی۔ لیکن آپ نے ایک نہ سنی۔ اور اطمینان کے ساتھ سجدے میں پڑے رہے۔ خیر لوگوں نے بڑی محنت سے آگ بجھا دی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، لوگوں نے کہا:

حضرت! ہم نے آپ کو آوازیں دیں لیکن آپ نے توجہ ہی نہیں فرمائی۔ آخر آپ کو کس چیز نے اس آگ سے اس قدر بے پروا کر دیا۔

فرمایا "آتش جہنم نے۔"

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

حقیقی دین داری

مسافر بیت اللہ کے تصور میں ڈوبا ہوا گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ ابھی وہ اپنے شہر مرو سے چند ہی کوس نکلا تھا۔ کہ یکا یک اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور گھوڑے سے اتر پڑا۔

سڑک کے کنارے ایک غریب لڑکی گھورے سے کچھ اٹھا رہی تھی۔ مسافر دبے پاؤں آگے بڑھا۔ اور اس نے ایک جھرجھری لی۔ غریب بچی ایک مردار چڑیا کو جلدی جلدی ایک چیتھڑے میں لپیٹ رہی تھی۔ مسافر کو دیکھتے ہی وہ سہم گئی۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

بیٹی تم اس مردار چڑیا کا کیا کروگی۔ مسافر نے تسلی دیتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا۔ لڑکی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اور اپنے پھٹے پرانے میلے کپڑوں کو سنبھالتے ہوئے، رُندھی ہوئی آواز میں بولی:

چچا میاں! ہمارے باپ نہیں ہیں۔ ان کو کچھ ظالم لوگوں نے بے دردی سے قتل کر دیا اور ہمارا سب مال چھین لیا۔ ہماری سب جائیداد ظالموں نے ہتھیالی، یتیم بچی نے سر نیچے کرلیا۔ اور آنسو پونچھتے ہوئے بولی:

چچا میاں! اب میں ہوں اور میرا بھائی ہے، خدا کے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں۔ اب ہمارے پاس نہ کچھ کھانے کو ہے نہ پہننے کو کئی کئی وقت ایسے ہی گزر جاتے ہیں۔ اس وقت بھی ہم چھ وقت کے فاقے سے ہیں بھیا گھر میں فاقے سے نڈھال پڑے۔ اس کی حالت دیکھ کر میں تڑپ گئی، باہر نکلی کہ شاید کچھ مل جائے۔ یہاں آئی تو گھورے پر یہ مُردار چڑیا دیکھ کر بدن میں جان آئی۔ ہمارے لیے یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ میرا بھیا اب یہ کھا کر سو جائے گا..... اور فاقوں کو ماری غریب بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا دل بھر آیا۔ بچی کے سر پر ہاتھ رکھا اور خود بھی رونے لگے۔ دیر تک دونوں روتے رہے۔ پھر اپنے خزانچی سے پوچھا اس وقت تمھارے پاس کتنی رقم ہے؟

حضرت ایک ہزار اشرفیاں ہیں۔ خزانچی نے جواب دیا۔

میرے خیال میں مرو تک [1] پہنچنے کے لیے بیس اشرفیاں کافی ہوں گی۔ حضرتؒ نے پوچھا۔ جی ہاں، بیس اشرفیاں گھر تک پہنچنے کے لیے بالکل کافی ہیں۔ خزانچی نے جواب

---

(۱) مرو خراسان کا ایک شہر ہے جو حضرت عبداللہؒ ابن مبارک کا وطن تھا۔

دیا۔تو پھر آپ بیس اشرفیاں روک کر باقی ساری رقم اس لڑکی کے حوالے کر دیجئے۔ ہمارا حج اس سال یہیں ہوگا۔ یہ حج کعبے کے حج سے زیادہ بڑا ہے۔ حضرتؒ نے بڑے وقار کے ساتھ فیصلہ کن انداز میں کہا۔

خزانچی نے بیس اشرفیاں تھیلی سے نکال کر الگ رکھیں اور باقی رقم کی تھیلی اس بچی کو پکڑا دی۔

غم اور فاقے سے کملایا ہوا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔ اور لڑکی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ اور وہ تھیلی ہاتھ میں لیے دم بخود کھڑی رہی..... حضرتؒ نے پیار بھرے لہجے میں کہا:۔

جاؤ بیٹی جاؤ۔ یہ رقم گھر لے جاؤ۔ اب تم اور تمہارا بھائی فاقے کی مصیبت سے بچ گئے۔ خدا کا شکر ادا کرو۔ اور اس رقم کو کام میں لاؤ..... جاؤ بیٹی جاؤ۔ تمہارا بھیا انتظار کر رہا ہوگا۔ اب یہ مُردار چڑیا پھینک دو۔ اور لڑکی نے مُردار چڑیا پوری قوت سے دور پھینک دی۔

چچا میاں! اب یہ مردار کھانا ہمارے لیے جائز نہیں، یہ کہتے ہوئے لڑکی نے سلام کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی خوش خوش اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئی..... حضرتؒ اسے دیکھتے رہے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو خزانچی سے فرمایا:

چلیے، اب یہیں سے گھر کو واپس چلئے۔ خدا تعالیٰ نے اس سال ہمارا حج یہیں قبول فرمالیا:

خوف آخرت

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کی خلافت تو صرف ڈھائی سال ہی رہی، لیکن صرف ڈھائی سال ہی میں انھوں نے ایک بار پھر خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔ یہ بڑے ہی خدا ترس اور نیک انسان تھے۔ آخرت کے خوف سے ہر وقت کانپتے رہتے۔

ایک مرتبہ ان کی نیک بیوی حضرت فاظمہ کی روتے روتے گھگی بندھ گئی۔ ان کے بھائی اور عزیز بہت گھبرائے..... وجہ معلوم کی تو فرمانے لگیں، میں نے ایک ایسا دل ہلا دینے

والا منظر دیکھا ہے کہ اگر تم بھی اسے دیکھتے تو تمھارا بھی یہی حال ہوتا۔

اور پھر رُک رُک کر بیان کرنے لگیں، ایک رات میں نے امیر المومنینؒ کو دیکھا نماز پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے۔

﴿یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِo وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ القارعہ 101:5-4

(تصور تو کرو اس دن کیا حال ہوگا) جس دن لوگ پتنگوں کی طرح حیران و پریشان ادھر سے اُدھر منتشر ہوں گے پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے)

تو بے تاب ہو کر ایک چیخ ماری اور دھڑام سے زمین پر گر پڑے۔ پھر اُٹھے اور اُٹھ کر پھر ایسے گرے کہ میں سمجھی شاید دم نکل گیا۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا تو پھر چیخ ماری اور بے قرار ہو کر آنگن میں ٹہلنے لگے..... ٹہلتے رہے اور یہ آیت پڑھتے رہے ''کیا حال ہوگا اس دن جب تمام لوگ پتنگوں کی طرح تیز تیز اور بے قرار ہوں گے اور یہ پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ہوں گے'' یہ آیت پڑھتے پڑھتے ایک بار پھر دھڑام سے زمین پر گر پڑے۔ اس بار مجھے یقین ہو گیا کہ جان نکل گئی، پھر ان کو ہوش نہیں آیا یہاں تک کہ صبح کے مؤذن نے اللہ کے نام سے انھیں جگایا۔

سچی توبہ

خراسان میں ایک بہت ہی آزاد خیال نوجوان تھے۔ ماں باپ کے اکلوتے، عبداللہ دن رات کھیل کود میں مست رہتے، ہر کام میں لاپروائی برتتے، ہر قت برائیوں میں پھنسے رہتے، گانا بجانا اور عیش اُڑانا بس یہی ان کا دن رات کا محبوب مشغلہ تھا۔ اور دھیرے دھیرے تو یار دوستوں کے ساتھ پینا پلانا بھی شروع ہو گیا۔ رات رات بھر دوستوں کی محفلیں جمی رہتیں، ستار بجتے، گانا ہوتا اور شراب کا دور چلتا۔

ان کی یہ گھناؤنی زندگی دیکھ کر ماں باپ کی بُری حالت تھی، نہ کھانا اچھا لگتا نہ پینا، اندر ہی اندر کڑھتے اور روتے بیٹے کی تربیت کے لیے انھوں نے کیا کچھ نہ کیا تھا۔ لیکن انسان

کے بس کی کیابات ہے؟ دلوں کا پھیرنا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔اب بھی جوان سے بن آتا کر رہتے نذریں مانتے،صدقہ وخیرات دیتے،اللہ سے رو رو کر دُعائیں کرتے۔

ایک رات عبداللہ کے سارے یار دوست جمع تھے،گانے بجانے کی محفل خوب گرم تھی،شراب کے دور پر دور چل رہے تھے،اور ہر ایک نشے میں مست تھا،اتفاق سے عبداللہ کی آنکھ لگ گئی۔اور انھوں نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا،کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لمبا چوڑا خوب صورت باغ ہے اور ٹہنی پر ایک پیاری چڑیا بیٹھی ہوئی،اور اپنی سریلی اور میٹھی آواز میں قرآن شریف کی یہ آیت پڑھ رہی ہے۔

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ الحدید 16:57

(کیا ابھی تک وہ گھڑی نہیں آئی ہے کہ اللہ کا ذکر سن کر مومنوں کے دل لرز جائیں اور نرم پڑ جائیں)

عبداللہ گھبرائے ہوئے اُٹھے،ان کی زبان پر یہ بول جاری تھے.....اللہ میاں وہ گھڑی آ گئی..... پیارے اللہ میاں وہ گھڑی آ گئی،اُٹھے۔شراب کی بوتلیں پٹک دیں، چنگ و ستار چور چور کر دیئے،رنگین کپڑے پھاڑ ڈالے اور غسل کر کے سچے دل سے توبہ کی،اللہ سے پکا عہد کیا کہ اب کبھی تیری نافرمانی نہ ہوگی اور پھر کبھی کسی برائی کے قریب نہ پھٹکے اور گناہوں سے ایسے پاک ہو گئے کہ گویا کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔

سچ ہے توبہ ہے ہی ایسی چیز یہی عبداللہ ہیں،جن کو تمام دنیا حضرت عبداللہ ابن مبارک ؒ کے نام سے جانتی ہے..... سچی توبہ نے ان کی کایا ہی پلٹ دی،ایسے نیکوں کے نیک بنے کہ اپنے زمانے کے تمام علما نے ان کو اپنا سردار مانا.....حدیث کے امام کہلائے۔

بڑے بڑے محدثین اور فقہا ان کی شاگردی پر فخر کرتے رہیں گے۔اور رہتی دنیا تک ان کا نام عزت سے لیا جاتا رہے گا۔

رب کے قرضے کی فکر

فضل ابن ربیع ؒ نے ایک دن ہارون الرشید اور ابن عیاض ؒ کی ایک بڑی ہی عبرت آموز کہانی بیان فرمائی.....کہنے لگے جب خلیفہ ہارون الرشید حج کے لیے روانہ ہوئے

تو میرے پاس بھی آئے، وہ کچھ گھبرائے ہوئے تھے۔ فرمایا ابن ربیعؒ! میرا دل اس وقت بہت پریشان ہے۔ چلو کسی ایسے صاحب دل کے پاس چلیں کہ دل کو تسکین حاصل ہو۔ میں فوراً ساتھ ہولیا اور ہم لوگ رات گئے حضرت فضیل ابن عیاضؒ کی خدمت میں پہنچے۔ معلوم ہوا کہ حضرت اس وقت نماز میں مشغول ہیں۔ اور ایک ہی آیت کو بار بار دہرا رہے ہیں، جب وہ فارغ ہوئے تو ان کو اطلاع کی گئی۔ اندر سے پوچھا کون؟ کہا گیا امیر المومنین آپ سے ملنے آئے ہیں۔ بڑی بے نیازی سے بولے:

بھلا امیر المومنین مجھ سے کیوں ملنے آئے ہیں..... میں نے کہا حضرتؒ! امیر المومنین کی اطاعت تو آپ پر بھی فرض ہے۔ سنتے ہی حضرتؒ کوٹھے سے نیچے اترے، دروازہ کھولا، ہم لوگ اندر داخل ہوئے۔ حضرتؒ نے فوراً چراغ گل کر دیا اور ایک گوشے میں خاموش بیٹھ گئے۔ اب ہم ہاتھوں سے ٹٹولنے لگے کہ حضرت کہاں ہیں.....

اتفاق کی بات کہ ہارون الرشید کا ہاتھ مجھ سے پہلے حضرتؒ کے بدن سے لگا، حضرتؒ نے ہارون الرشید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا سبحان اللہ کیسا نرم و نازک ہاتھ ہے، کاش کل یہ عذاب جہنم سے محفوظ رہے، یہ سنتے ہی ہارون کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہوگئی۔

اس کے بعد ہارون الرشید نے درخواست کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرمایئے: ابن عیاضؒ نے ایک آہ بھری اور بڑے سوز کے ساتھ پر اثر لہجے میں فرمایا:۔

عمر ابن عبدالعزیزؒ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے اپنے وقت کے اہل بصیرت حضرت سالمؒ، حضرت محمد ابن کعبؒ اور حضرت رجاء ابن حیوہؒ کو بلایا۔ اور درد بھرے لہجے میں ان سے کہا: میں ایک ''زبردست آزمائش'' میں ڈال دیا گیا ہوں، خدارا مجھے مشورے دیجئے کہ میں کامیاب ہوسکوں! ہارون! خدا کے اس پیارے بندے نے حکومت کو ایک آزمائش سمجھا اور اس ذمہ داری سے لرزتے رہے، لیکن تم نے اور تمھارے ساتھیوں نے اسے سامان عیش سمجھ رکھا ہے۔

بہر حال حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کی درخواست پر حضرت سالم بن عبداللہؒ نے فرمایا ''امیر المومنین آپ جب تک دنیا میں رہیں روزہ دار کی طرح رہیں، اور موت سے افطار فرمائیں، یعنی دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش رہیں، اور یہ ساری نعمتیں آخرت کے لیے محفوظ رکھ لیں، افطار کی خوشیاں وہاں منائیں۔

اب حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے حضرت ابن کعبؒ کی طرف رُخ کیا..... حضرت ابن کعبؒ نے فرمایا: امیر المومنین! جہاں تک میں غور کر سکا ہوں، آپ دنیا میں اس طرح رہیں کہ جو مسلمان آپ سے بڑے ہیں ان کو اپنے والد کی طرح سمجھیں۔ اور جو آپ سے چھوٹے ہیں، ان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں۔ باپ کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آیئے بھائیوں کے ساتھ شرافت کا سلوک کیجئے اور اولاد کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کیجئے۔

اب حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے حضرت رجاء ابن حیوہؒ کی طرف توجہ کی، اور فرمایا، حضرت آپ بھی کچھ فرمایئے، حضرت رجاءؒ بولے۔ امیر المومنین! اگر کل قیامت کے دن آپ عذاب الٰہی سے نجات چاہتے ہیں تو مسلمانوں کے لیے وہی پسند کیجئے جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔

اب حضرت ابن عیاضؒ نے ہارون الرشید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: جس دن لوگوں کے پاؤں خوف سے ڈگمگا رہے ہوں گے، اس دن کا تمھارے معاملے میں مجھے بڑا ڈر ہے، خدا آپ پر اپنا رحم انڈیل دے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے قریب ایسے لوگ نہیں ہیں جو آپ کو اس طرح کا مشورہ دے سکیں۔ یہ سن کر ہارون الرشید کی حالت غیر ہو گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر جب ذرا حالت سنبھلی تو ہارون نے کہا: حضرتؒ خدا آپ پر فضل فرمائے، کچھ اور ارشاد فرمایئے۔

حضرت ذرا سنبھلے اور پھر پر درد لہجے میں بڑے ہی اثر انگیز انداز میں فرمایا: ہارون! مجھے یہ بات بڑے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوئی ہے کہ ایک بار حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کے

ایک گورنر نے ان کو ایک خط لکھا، اور خط میں اپنی زحمتوں اور تکلیفوں کا اظہار کیا۔

خلیفہؒ نے جب یہ خط پڑھا تو جواب لکھا

''میرے بھائی تمھیں وہ دن یاد دلاتا ہوں جب اہل جہنم، جہنم کے لرزہ خیز عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا گیں گے۔ اور اس بات سے ڈرتے رہو کہ کہیں تم خدا کے حضور اس حال میں نہ پہنچو کہ تمھیں مغفرت کی کوئی امید ہی نہ رہ جائے۔'' گورنر نے جب یہ خط پڑھا تو لرز گیا اور فوراً امیر المومنینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آئندہ کے لیے اپنے کام سے معذرت ظاہر کی۔ امیر المومنینؒ نے وجہ پوچھی تو کہا حضرت آپ کا خط پڑھ کر میں نے تہیہ کرلیا کہ اب رہتی زندگی تک کوئی عہدہ قبول نہ کروں گا۔ یہ سن کر ہارون الرشید کی حالت پھر بگڑ گئی، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

پھر جب حالت درست ہوئی تو درخواست کی کہ حضرت کچھ اور فرمایئے۔ حضرت ابن عیاضؒ نے پھر درد بھرے انداز میں کہنا شروع کیا۔

امیر المومنین! نبی ﷺ کے محترم چچا حضرت عباسؓ نے ایک بار نبی ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے کسی جگہ کا امیر بنا دیجئے۔ تو نبی کریم ﷺ نے کہا، چچا جان! امارت اور حکومت کی ذمہ داری کا انجام قیامت کے روز سراسر حسرت اور ندامت ہے۔ آپ یہ آرزو دل سے نکال دیجئے۔ یہ سن کر ہارون پھر دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ پھر جب ذرا افاقہ ہوا تو خواہش کی کہ حضرتؒ! جی نہیں بھرتا کچھ اور نصیحت فرمایئے۔ حضرتؒ نے پھر فرمانا شروع کیا:

''اے حسین مکھڑے والے! قیامت کے روز خدا تم سے اپنی مخلوق کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ اگر تم اپنے اس حسین مکھڑے کو جہنم کی آگ سے بچانا چاہتے ہو تو یاد رکھو! کبھی اپنی رعایا کی طرف سے اپنے دل میں کپٹ [1] نہ رکھو۔ کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

---

(۱) فریب، دغا، کھوٹ، دشمنی رکھنا، بغض رکھنا

''جو شخص لوگوں کی طرف اپنے دل میں کپٹ رکھتا ہے اس پر جنت کی خوش بو حرام ہے۔'' یہ سن کر ''ہارون'' پھر رو پڑے اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ جب ذرا دل کا بوجھ ہلکا ہوا، تو ہارون الریشد نے حضرت ابن عیاضؒ سے کہا..... حضرتؒ! یہ تو بتایئے آپ پر کسی کا قرض تو نہیں ہے؟ ابن عیاضؒ نے کہا، ہاں ہے تو! مجھ پر میرے رب کا قرضہ ہے اور اسی قرضے کی مجھے فکر ہے، وہ مجھ سے باز پرس کرے گا، میں تو تباہ ہو جاؤں گا اگر اس نے مجھ سے پوچھ گچھ کی، میں تو برباد ہو جاؤں گا، اگر اس نے میرے جواب کو کافی نہ سمجھا۔

ہارون الرشید بولے: حضرتؒ! میں بندوں کے قرضے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، کسی آدمی کا تو آپ پر کوئی قرض نہیں ہے۔ حضرتؒ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔ میرے پروردگار نے مجھے اس کا حکم تو نہیں دیا، مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں صرف اسی کو اپنا رب سمجھوں، اور اسی کی اطاعت کروں، اور پھر حضرتؒ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ الذاریات 51:56-58

(اور میں نے سارے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، میں نہ اُن سے روزی کا طالب ہوں اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھلائیں حقیقت یہ ہے کہ خدا ہی بہت زیادہ روزی دینے والا اور بڑی زبردست قوت والا ہے)

اب ہارون الرشید نے دس ہزار سے زیادہ رقم کی ایک تھیلی حضرتؒ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے درخواست کی کہ حضرت اسے قبول فرمالیجیے اور اپنے کام میں لایئے۔ حضرتؒ نے فرمایا: واہ واہ سبحان اللہ! میں تو آپ کو آخرت کی نجات کا راستہ بتا رہا ہوں اور آپ مجھے دنیا دے رہے ہیں..... یہ کہہ کر آپ ایسے خاموش ہوئے کہ پھر نہ بولے۔ ہم لوگ کچھ دیر بیٹھے رہے کہ شاید کچھ ارشاد فرمائیں، مگر پھر ان کی زبان سے کوئی جملہ نہ نکلا اور ہم لوگ سلام کر کے نکل آئے۔

باہر آ کر ہارون الرشید نے مجھ سے کہا، ابن ربیع! یہ ہیں مسلمانوں کے سردار، اگر

آئندہ بھی تم کسی کے پاس لے چلنا چاہو تو کسی ایسے ہی آدمی کے پاس لے چلنا۔

حلال روزی

حضرت ابو حفصؒ طرطوسی اپنا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت ابو عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے سوال کیا۔ حضرت یہ بتایئے کہ دل کس طرح نرم ہوتے ہیں؟

حضرت احمد بن حنبلؒ نے پہلے تو اپنے شاگردوں کی طرف دیکھا، پھر کچھ دیر تک بالکل خاموش بیٹھے رہے، کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا:

''پیارے بیٹے! دل حلال روزی سے نرم ہوتے ہیں۔''

حضرت کی بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ پھر میں اُن کے پاس سے اُٹھ کر بشیر ابن حارثؒ کے پاس گیا..... اور ان سے پوچھا: ''ابونصر! بتایئے دل کیسے نرم ہوتے ہیں؟

ابونصر نے جھٹ کہا:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ الرعد 28:13

(کان کھول کر سن لو اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے)

میں نے ابونصر سے کہا: بھائی میں ابھی ابھی یہی بات پوچھنے کے لیے حضرت احمد ابن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور وہاں سے اٹھ کر ہی تمھارے پاس آیا تھا۔ ابونصر نے بے چینی سے پوچھا ہاں ہاں بتایئے! پھر حضرتؒ نے کیا جواب دیا میں نے کہا۔ حضرت نے فرمایا ''حلال روزی سے۔''

ابونصر نے سر ہلایا اور کہا، بالکل سچ کہا حضرت احمد ابن حنبلؒ نے..... پھر میں وہاں سے اُٹھ کر عبدالوہابؒ کے پاس پہنچا، اور ان سے کہا ''ابوالحسن کے بیٹے یہ بتایئے دل کس چیز سے نرم ہوتے ہیں۔''

انھوں نے بھی جھٹ وہی آیت پڑھ دی جو ابونصر نے پڑھی تھی۔ ان کو بھی میں نے بتایا کہ میں یہی بات پوچھنے کے لیے حضرت احمد ابن حنبلؒ کے پاس گیا تھا، یہ سن کر خوشی سے

عبدالوہابؒ کا منہ چمکنے لگا اور بڑی بے تابی سے بولے !ہاں جلدی بتاؤ پھر حضرت نے کیا جواب دیا، میں نے کہا حضرت نے فرمایا:

''دل حلال روزی سے نرم ہوتے ہیں'' فرمایا خدا گواہ ہے کہ ابوعبداللہ نے کانٹے کی بات کہی ہے۔

دعا قبول نہ ہونے کے پانچ اسباب

حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ دوسری صدی ہجری کے ایک مشہور صوفی اور زاہد ہوئے ہیں، آپ بلخ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد تو بہت مال دار تھے، لیکن آپ نے دولت پر لات ماری اور علم وعبادت میں ساری عمر گزار دی۔ محنت مزدوری سے روزی کماتے اور دن رات دین کا علم سیکھنے اور خدا کی عبادت کرنے میں لگے رہتے۔

ایک مرتبہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا حضرت! میں آپ سے ایک بات پوچھنے آیا ہوں۔ قرآن شریف میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ﴾ البقرہ 186:2

(میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں)

اللہ کا کلام حق ہے، لیکن مجھے بڑا تعجب ہے کہ ہم برابر دعا کرتے ہیں اور دعا قبول نہیں ہوتی۔ یہ بتایئے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرتؒ نے فرمایا۔ بھائی سنو! دعا قبول نہ ہونے کے پانچ اسباب ہیں:

۱۔ تم نے خدا کو تو پہچانا.....لیکن اس کا حق ادا نہیں کرتے۔

۲۔ قرآن تو پڑھتے ہو لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔

۳۔ رسولؐ سے محبت کا تو دم بھرتے ہو لیکن رسولؐ کی سنت پر نہیں چلتے۔

۴۔ ابلیس پر لعنت بھیجنے میں تو کمی نہیں کرتے لیکن خود اس کے کہنے پر چلتے ہو۔

۵۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم نے اپنے عیبوں سے تو آنکھیں بند کر لی ہیں .....اور دوسروں کے عیب ڈھونڈنے میں لگے ہوئے ہو۔

بندوں سے بے نیاز

حضرت ابن نجیدؒ نیشا پور کے رہنے والے تھے بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ یہ بہت ہی نیک اور عبادت گزار تھے۔ اللہ نے مال بھی خوب دے رکھا تھا۔ باپ دادا سے بہت سا مال میراث میں پایا تھا۔ ان کا سارا مال دین کا علم حاصل کرنے اور غریبوں پر خرچ کرنے میں کام آیا۔

ان کے ایک استاد حضرت ابوعثمانؒ تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سرحد پر لڑنے والے مجاہدوں کے لیے ان کے استاد حضرت ابوعثمانؒ نے چندے کی اپیل کی، لیکن بہت کم چندہ ہوا۔ ایک دن جب بہت سے لوگ ابوعثمانؒ کے پاس خوش وخرم بیٹھے تھے، تو حضرت ابوعثمانؒ مجاہدوں کی بھوک پیاس اور تکلیفیں یاد کر کے زور زور سے رونے لگے۔ ابوعثمانؒ کے رونے کا حضرت ابن نجیدؒ پر اتنا اثر ہوا کہ فوراً گھر گئے اور دو ہزار کی ایک تھیلی لا کر چپکے سے اپنے استاد حضرت ابوعثمانؒ کو دی۔ استاد بہت خوش ہوئے اور وہیں سب کے سامنے ابن نجیدؒ کی تعریف کی کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا شوق ہو۔

ابن نجید نے دیکھا کہ اس بات کا لوگوں کو پتہ چل گیا، بہت رنجیدہ ہوئے اور وہیں سب کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا:

استاد محترم! میں یہ مال اپنی والدہ سے مشورہ کے بغیر لے آیا تھا۔ اب معلوم نہیں کہ اتنی بڑی رقم دینے کے لیے وہ راضی ہوں گی یا نہیں۔ آپ یہ رقم مجھے واپس فرما دیجیے۔ حضرت ابوعثمانؒ نے بغیر کسی پس وپیش کے فوراً یہ رقم واپس کر دی۔

ابن نجید وہ رقم سب کے سامنے اپنے گھر لے گئے، جب رات ہوگئی اور ابن نجیدؒ نے سمجھ لیا کہ اب لوگ چلے گئے ہوں گے تو فوراً اٹھے، تھیلی ہاتھ میں اٹھائی اور اپنے استاد کے مکان پر پہنچے۔ استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ تھیلی پیش کرتے ہوئے فرمایا، حضرت میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کو میری نیکی کی خبر ہو۔ میں لوگوں کی تعریف سے بے نیاز ہو کر صرف خدا کی خوش نودی چاہتا ہوں۔ اس لیے آپ خدا کے لیے کسی کو اس کی خبر

نہ دیں۔

ابن نجیدؒ کی یہ باتیں سن کر حضرت ابوعثمانؒ رونے لگے اور اتنا روئے کہ ہچکی بند گئی۔ جب ذرا سکون ہوا تو ابن نجیدؒ کو گلے سے لگایا، دُعائیں دیں اور فرمایا:

نجیدؒ! خدا نے تجھے بڑی ہمت دی ہے۔

حیرت انگیز قربانی

اُس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا، چوری کی سزا ہی میں کٹا تھا۔ یہ بغداد کا مشہور چور تھا۔ لوگ اس کو ابن ساباط کے نام سے جانتے تھے ایک رات وہ بغداد کے گلی کوچوں میں اپنی فکر میں گھوم رہا تھا۔ گھومتے گھومتے وہ ایک حویلی کے پاس پہنچا، اس کے چاروں طرف گھوما اور دل ہی دل میں بہت خوش ہوا، یہ تو کسی خاندانی رئیس کی حویلی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے عالی شان حویلی کے پھاٹک پر دھیرے سے ہاتھ مارا۔ ارے یہ تو کھلا ہوا ہے۔ اس کے ہونٹ ہلے اور دبے پاؤں اندر چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کمرے میں کھجور کی چٹائی بچھی ہوئی ہے، چمڑے کا ایک گاؤ تکیہ لگا ہوا ہے اور ایک گوشے میں کپڑے کے کچھ تھان رکھے ہوئے ہیں۔ یہ تو کسی تاجر کا مکان معلوم ہوتا ہے، کپڑے تو بڑے قیمتی ہیں لیکن یہ جائیں گے کیسے اس نے سوچا۔

خیر اس نے اپنی چادر بچھائی اور اس میں تھان رکھ کر گٹھڑی باندھنے لگا۔ دیر تک کوشش کی، لیکن گٹھڑی نہ بندھ سکی۔ بے چارے کا ایک ہی تو ہاتھ تھا۔ دانتوں کی مدد سے محنت کرتے کرتے ہانپنے لگا۔ اب اُسے کسی کے پیروں کی چاپ سنائی دی۔ وہ ذرا سنبھلا اور سوچا بھاگ جاؤں، کہ ایک شخص شمع ہاتھ میں لیے سامنے آ گیا۔ وہ بادامی رنگ کی عبا پہنے ہوئے تھا۔ چور کی گھبراہٹ دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا ”دوست یہ کام اکیلے کرنے کا نہیں ہے اور پھر آپ نے روشنی کا بھی انتظام نہیں کیا ہے..... ارے آپ تو ہانپ رہے ہیں۔ اچھا میں دیکھتا ہوں، شاید کوئی کھانے کی چیز مل جائے، آپ ذرا آرام کیجیے کہ آپ کا سانس ٹھکانے آ جائے۔ پھر ہم دونوں مل کر یہ کام کرلیں گے۔“..... یہ کہہ کر وہ اجنبی شخص

ایک طرف کو چلا گیا۔

چور نے سوچا کہیں یہ شخص گھر کا مالک تو نہیں ہے۔ یہ مجھے چکمہ تو نہیں دے رہا ہے۔ کہیں مجھے بٹھا کر لوگوں کو جگانے گیا ہو، یا ہتھیار لینے گیا ہو، بھاگ چلنا چاہیے، چور سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اجنبی شخص ہاتھ میں دودھ کا پیالہ لیے آ پہنچا اور چور کو دیتے ہوئے بولا، لیجیے، آپ پہلے یہ دودھ پیجیے۔ چور کی جان میں جان آئی اس نے اجنبی کے ھاتھ سے پیالہ لیا، اور پینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا، یہ تو میری طرح ایک چور ہی ہے، اتفاق ہے کہ ہم دونوں نے ایک ہی گھر کو تاکا۔ خیر ٹھیک ہے، چور نے پیالہ رکھتے ہوئے اجنبی سے دھیمی آواز میں کہا، سنو میاں، تم اس خیال میں نہ رہنا کہ آج کے مال میں تمھارا آدھا حصہ ہوگا، میں آئندہ کے لیے تو تم سے معاملہ کرسکتا ہوں لیکن آج میں تمھیں آدھا حصہ نہیں دوں گا۔ میں پہلے گھر میں آیا ہوں اور کام بھی تقریباً کر چکا ہوں۔

اجنبی نے کہا ٹھیک ہے میں آئندہ کے لیے آپ سے معاملہ کرلوں گا۔ اب جلدی جلدی کام کرنا چاہیے۔ یہ کہہ کر اجنبی نے وہ گٹھڑی باندھی اور ایک چھوٹی سی گٹھڑی دوسری بنا کر اس چور کے سر پر رکھ دی اور بڑی گٹھڑی خود اٹھالی۔ اب دونوں پھاٹک سے باہر نکل کر ایک طرف کو روانہ ہوگئے۔ اجنبی کی گٹھڑی بھی بڑی تھی اور بوجھ اٹھانے کی عادت بھی نہ تھی۔ اس لیے وہ ذرا آہستہ آہستہ چل رہا تھا، ابن ساباط نے پیچھے سے گالی دیتے ہوئے ایک ٹھوکر ماری اور بولا: لالچی اتنا بڑا گٹھڑ باندھا کیوں تھا جواب چل نہیں رہا ہے اور اجنبی خاموش ذرا تیز قدموں سے چلنے لگا۔ آگے ایک پُل تھا، پُل کی چڑھائی پر اجنبی گٹھڑی نہ سنبھال سکا اور گر پڑا۔ گٹھڑی بھی دور جا گری، ابن ساباط نے ایک لات جمائی اور گالیاں دیتے ہوئے بولا: کم بخت اتنا لاد کیوں لیا تھا جواب سنبھل نہیں رہا ہے۔ اجنبی ہانپتا کانپتا اٹھا، اور پھر جلدی جلدی گٹھڑی اٹھائی اور چل دیا۔

اجنبی تیز تیز آگے آگے چل رہا تھا اور چور پیچھے پیچھے۔ اب یہ لوگ شہر سے نکل کر ایک ویران جنگل میں پہنچ گئے تھے۔ ابن ساباط چلایا۔ ارے رک جانا! کہاں کو جائے گا، بس

یہیں ڈال دے اور اجنبی نے وہیں گٹھڑی رکھ دی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اب اس نے ابن ساباط کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے اور نہایت عاجزی سے بولا..... ''بھائی آپ کے کام میں مجھ سے بڑی سستی ہوئی۔ آپ کو بڑی تکلیف پہنچی ہوگی، معاف کیجیے گا۔ یہ کہا اور اپنا ہاتھ چھڑاتا ہوا اپنی راہ پر روانہ ہوگیا۔ ابن ساباط کا جی تو نہیں چاہ رہا تھا کہ اجنبی کو کچھ دے، لیکن وہ اجنبی کی باتوں سے کچھ متاثر ہوگیا تھا۔ اس نے سوچا یہ عجیب وغریب چور ہے اور وہ چیخا ارے کیا اپنا حصہ نہیں لے گا؟

اجنبی پلٹا، اور بولا دوست مجھے حصہ نہیں چاہیے۔ آپ میرے مہمان تھے، جو خدمت آپ کی کرسکتا تھا میں نے کی واقعی میں آپ کی کچھ زیادہ خدمت نہ کرسکا، چور کیا مطلب، تو کیا وہ تمھارا ہی مکان تھا؟

اجنبی! جی ہاں، وہ میرا ہی غریب خانہ ہے، آپ نے اب دیکھ ہی لیا ہے جب ضرورت ہو بے تکلف تشریف لائیے، مجھ سے جو خدمت ہوسکے گی، ضرور کروں گا۔ یہ کہا اور اجنبی سلام کر کے واپس ہوگیا۔

ابن ساباط ہکا بکا اجنبی کو دیکھتا رہا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا جیسے اس کے ہونٹ سِل گئے ہوں۔ وہ سوچ رہا تھا، یہ کیسا عجیب وغریب آدمی ہے، چور کے ساتھ یہ سلوک اور پھر آئندہ کے لیے بھی دعوت دے گیا۔ یہ بے نفسی اور خاک ساری راستے میں، میں نے اسے کیسی کیسی گالیاں دیں، لاتیں ماریں اور اس نے گٹھڑی رکھتے ہوئے کس عاجزی سے کہا، معاف کیجیے گا میں نے آپ کے کام میں بڑی سستی کی..... یہ تو کوئی فرشتہ تھا۔

چور دن چڑھے تک وہیں کھڑا یہ سوچتا رہا، اس کے دل میں زبردست ہلچل تھی۔ آج اُسے نہ مال چھپانے کی فکر تھی، نہ پکڑے جانے کا خوف تھا، اس کے اندر تو آج ایک ہی انقلاب آ گیا تھا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ بے چین تھا کہ اپنے اس محسن کو ایک بار اور دیکھے اور وہ بے اختیار شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ شوق میں چلا جا رہا تھا، بغداد کی سڑکوں اور گلیوں میں ہوتا ہوا اس حویلی کے سامنے جا کر رک گیا۔

سامنے ایک لکڑہارے کا جھونپڑا تھا۔ وہاں پہنچا اور اس سے پوچھا، بھائی یہ سامنے والی حویلی کن صاحب کی ہے، کیا آپ ان کا نام بتا سکیں گے؟

لکڑہارے نے ایک نظر ابن ساباط پر ڈالی اور کہا، آپ ان کو نہیں جانتے ؟ یہ تو ہمارے بغداد کے لیے رحمت کا سایہ ہیں، مگر آپ کو ان سے کیا مطلب؟ لکڑہارا ڈر رہا تھا کہ بھلا ابن ساباط کو حضرت سے کیا مطلب، خدا خیر کرے۔"

ابن ساباط: "ارے بھائی تمھیں دنیا بھر کی باتوں سے کیا مطلب، تم تو یہ بتاؤ اس تاجر کا نام کیا ہے؟

لکڑہارا: بھئی یہ تاجر نہیں ہیں، یہ تو بغداد کے مشہور بزرگ ہیں، تم نے ان کا نام نہیں سنا ہے، تعجب ہے، یہ حضرت جنید بغدادی ہیں۔

ابن ساباط: اچھا یہ جنید بغدادی ہیں، اور وہ ایک دم پھاٹک کے اندر بے کھٹک گھس گیا۔ اندر جا کر دیکھا تو چٹائی پر حضرت جنید بغدادی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کا چہرہ ایمان کے نور سے جگمگا رہا تھا۔ ابن ساباط اندر گیا اور بے اختیار حضرت کے قدموں میں گر پڑا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ رکنے والا سیلاب جاری تھا۔

حضرت نے بڑی شفقت سے اُس کا سر اٹھایا اور کہا بھائی انسان کو صرف اپنے خدا کے حضور اپنا سر جھکانا چاہیے جس نے پیدا کیا، بھلے برے کی تمیز دی اور ضرورت کا سارا سامان دیا۔ ابن ساباط کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ حضرت نے انھیں بیعت کیا اور حضرت کے بڑے اہم مریدوں میں شمار کیے جانے لگے۔ تاریخ نے اپنے صفحات میں ہمیشہ کے لیے ان کا نام محفوظ کر لیا اور آج حضرت ابن ساباط ؒ کا نام لیا جاتا ہے تو گردنیں عقیدت اور احترام سے جھک جاتی ہیں۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

توبہ کی چار علامتیں

سچی توبہ کی چار علامتیں ہیں۔توبہ کرنے والے میں اگر چار باتیں موجود ہیں، تو اس نے واقعی سچی توبہ کی ہے، ورنہ اس کی توبہ میں کھوٹ ہے۔

پہلی علامت یہ ہے کہ اس کہ زبان، بے ہودہ بکواس، غیبت، چغل خوری اور جھوٹ سے رُکی رہے۔

دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں کسی انسان کے لئے بھی کوئی حسد اور دشمنی نہ ہو۔

تیسری علامت یہ ہے کہ وہ اپنے بُرے دوستوں سے قطع تعلق کر لے اور ان کے ساتھ میل جول نہ رکھے۔

چوتھی علامت یہ ہے کہ موت کے لئے تیار رہے، اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو اور اپنے پچھلے کرتوتوں پر استغفار کرے اور خدا کی بندگی اور اطاعت میں سرگرم ہو۔

(روضۃ العلما)

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

ہار کے حیرت انگیز کرشمے

قاضی ابو بکر محمد ابن عبدالباقی انصاریؒ تاریخ اسلام کے وہ گوہر آب دار ہیں جن کی آب وتاب آج نو صدیاں گزرنے کے بعد بھی بدستور باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔ ان کا شمار پانچویں صدی کے مشہور اولیائے اُمّت میں ہوتا ہے۔ علامہ ابن رجبؒ نے طبقات حنابلہ میں ان کی امانت ودیانت اور اس کی حیرت انگیز برکتوں کا ایک عجیب و غریب اور نا قابل فراموش واقعہ درج کا کیا ہے جو خود قاضی صاحب ہی نے مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔

''میں مکہ معظّمہ میں مقیم تھا۔ انتہائی افلاس اور ناداری کا دور تھا فقر و فاقے کی زندگی تھی۔ ایک دن کئی وقت کے فاقوں سے نڈھال، بھوک سے بے قرار گھر سے نکلا کہ شاید کچھ مل جائے۔ کچھ ہی دور گیا تھا کہ ایک گلی میں زمین پر ایک خوب صورت تھیلا پڑا نظر آیا۔ خوب صورت تھیلا ریشم کی رنگین ڈوری سے بڑے سلیقے کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ میں رُکا اور سوچا اس میں تو یقیناً کوئی قیمتی چیز ہے..... آگے بڑھ کر اٹھالیا۔ اور گھر لے آیا۔ گھر آکر بڑے اشتیاق سے کھولا۔ اور بے اختیار میری زبان سے نکلا، سبحان اللہ ایسے نفیس اور آب دار موتیوں کا ہار میں نے کبھی تصوّر میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ میں حیرت میں اسے دیکھتا رہا۔ اور اس کی چمک دمک پر تعجب کرتا رہا۔ اس میں کافی دیر ہوگئی، بھوک نے پھر چونکا دیا۔ اور میں پھر باہر نکلا کہ شاید بھوک مٹانے کے لئے کچھ ہاتھ آجائے بازار کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ صورت کھڑے اعلان کر رہے ہیں' اور ان کے ہاتھ، میں ایک تھیلی ہے۔ ان کے نورانی چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں اور وہ بار بار کہہ رہے ہیں۔

''بھائیو! میرا ایک قیمتی ہار کھو گیا ہے جس بھائی کو ملے وہ مجھ تک پہنچا دیں، میں ان کا احسان مند ہوں گا۔ اور پانچ سو اشرفیوں کی یہ تھیلی ان کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کروں گا''

میں اعلان سنتے ہی سمجھ گیا کہ یہ ہار انھی بزرگ کا ہے..... میں نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا۔ حضرت! میرے غریب خانے پر تشریف لے چلیے، وہ بے تامل میرے ساتھ ہو لئے۔ شاید انھیں احساس ہو گیا کہ ان کا ہار مجھے ملا ہے۔ وہ میرے ساتھ چل رہے تھے اور میں اس سوچ میں غرق تھا۔ پانچ سو اشرفیاں، حلال دولت، بالکل حلال، تحفہ، بالکل جائز تحفہ، اب میں بھوکا نہیں رہوں گا، ناداری کی تاریکی چھٹ گئی، فقر و فاقے کا دور بیت گیا۔ میں خوشی میں جھوم اٹھا۔ ہم گھر کے دروازے پر پہنچے، اور میری سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

گھر لے جا کر میں نے ان کو بٹھایا اور پوچھا، ''کہئے صاحب! آپ اپنے تھیلے کی کچھ نشانیاں بتا سکیں گے۔''

''جی ہاں، کیوں نہیں۔'' بڑے میاں نے خوش ہو کر کہا، اور پھر ایک ایک کر کے ساری نشانیاں بتا دیں۔ چھوٹے بڑے موتیوں کی تعداد، ان کا رنگ، ڈوری کا رنگ' حد یہ کہ ریشم کے جس دھاگے سے تھیلا بندھا ہوا تھا، اس کا رنگ بھی بتا دیا۔

مجھے یقین ہو گیا کہ ہار انھی کا ہے۔ اور میں نے فوراً تھیلا لا کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ بڑے میاں نے کانپتے ہاتھوں سے تھیلا کھولا اور ہار دیکھ کر ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، ''آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ نے بڑا احسان کیا۔ خدا آپ کو اپنے غیب کے خزانوں سے اس دیانت و سعادت کا ایسا بدلہ دے کہ آپ کی روح خوش ہو جائے۔''

بڑے میاں نے یہ کہتے ہوئے پانچ سو چمکتی اشرفیوں کی تھیلی میری گود میں ڈال دی۔ اور بڑی ہی احسان مندی اور شکر گزاری کے ساتھ اصرار فرماتے رہے کہ ''لیجئے یہ قبول فرما لیجئے' انکار نہ کیجئے۔ یہ تحفہ ہے، میں نے تو خود ہی اس کا وعدہ کیا تھا۔ اعلان کیا تھا آپ کو اس کے لینے میں کیا عذر!''

اور میں عجیب شش و پنج میں تھا۔ میں فقیر و نادار، تنگ دستی اور بے کسی کا عالم، کئی وقت

کا فاقہ۔اور پھر حلال،طیب مال،خوشی کا تحفہ..... میں نے فیصلہ کیا کہ لے لینا چاہیے۔لیکن دوسرے ہی لمحے غیرت اور خودداری نے جھنجھوڑا، بے وجہ احسان ،مفت کی مزدوری، آخر تم نے کون سا کارنامہ انجام دیا ہے، جو پانچ سو اشرفیاں لینے کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہو۔یہ کہ تم نے ان کا ہار ان کو دے دیا۔ہار تو ان کا تھا ہی تم نے کیا احسان کیا۔ان کا ہار تو ان کو ملنا ہی چاہیے تھا۔کیا اپنا دینی اور اخلاقی فرض پورا کر کے انسان سے مزدوری لوگے جو خود خدا کا فقیر اور محتاج ہے؟..... میرے دماغ نے جھرجھری لی اور میں نے دوٹوک الفاظ میں فیصلہ سنایا ''حضرت ! آپ کی محبت کا شکریہ،لیکن میں یہ اشرفیاں نہیں لے سکتا۔آپ کا مال خدا آپ ہی کو مبارک کرے۔''

صاحب زادے ! آپ کی اس بے نیازی اور بلندی سے میں بہت متأثر ہوا۔لیکن میرے عزیز! میں یہ جو کچھ دے رہا ہوں، اپنی خوشی سے دے رہا ہوں۔اور تحفہ قبول کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔بڑے میاں نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا اور اصرار کرنے لگے۔

میں نے پھر اپنا دوٹوک جواب دہرا دیا۔''حضرت ! آپ کی محبت کا شکریہ، لیکن میں یہ اشرفیاں نہیں لے سکتا۔آپ کا مال خدا آپ ہی کو مبارک کرے۔''میں نے محسوس کیا کہ میرے فیصلہ کن انداز سے بڑے میاں کچھ کڑھن سی محسوس کر رہے ہیں تو میں نے عرض کیا:

''حضرت ! آپ کچھ احساس نہ کریں،آپ خود ہی غور فرمائیں،آپ کا ہار آپ کو پہنچا کر میں نے کون سا کمال کیا ہے۔یہ تو میرا فرض تھا۔میری دیانت کا تقاضا تھا۔میں جانتے بوجھتے آپ کی چیز کو نہ پہنچاتا تو مجرم ہوتا۔حقیقت یہ ہے کہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جو معاوضے کے قابل ہو،اور میں آپ سے اس کا معاوضہ لوں۔''

خدا کا شکر ہے میں اپنے فیصلے میں کامیاب رہا۔کافی کش مکش رہی،لیکن خدا نے مجھے اپنے غیرت مندانہ فیصلے پر جمنے کی داخلی قوت بخشی۔کش مکش خارج میں بھی تھی اور داخل میں

بھی.....خارج میں کش مکش یہ تھی کہ بڑے میاں شدید اصرار کر رہے تھے، بزرگ آدمی، پیار بھرا انداز، معقول دلائل اور شکر گزاری کے جذبے سے سرشار۔۔۔اگر خدا میری دست گیری نہ فرماتا تو میں ضرور ڈگمگا جاتا۔۔۔داخل میں کش مکش یہ تھی کہ میں انتہائی ضرورت مند تھا، اور جو کچھ مل رہا تھا، بالکل حلال تھا، اس کا مالک اپنی خوشی سے تحفہ دے رہا تھا۔اور تحفہ قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں، لیکن میری عزت نفس اور غیرت مجھے بار بار چیلنج کرتی کہ اپنی دیانت سستے مول بیچ رہے ہو! اس کہ قیمت اس خدا سے کیوں نہیں مانگتے جو آدمی کے تصور سے کہیں زیادہ دیتا ہے۔اور آخر کار میں نے قطعی فیصلہ سُنایا۔خدا نے مجھے اس امتحان میں کامیاب فرمایا اور میں نے فرض کو فرض کی طرح ادا کر کے یوں محسوس کیا، جیسے دونوں جہاں کی دولت سے میرا دل مالا مال ہے، ناداری اور فقر و فاقے کے باوجود میں آج خود کو دنیا کا سب سے بڑا غنی محسوس کر رہا تھا۔۔۔بڑے میاں ہار لے کر روانہ ہو گئے۔

اب سنیے خدا کی قدرت کے کرشمے۔بے شک خدا بڑا، ہی باریک بیں ہے۔اس کی تدبیریں بڑی ہی زمین دوز ہوتی ہیں۔وہ حالات کے رخ کو وہاں وہاں سے پھیرتا ہے جہاں کوتاہ نظر انسان کی نگاہ نہیں پہنچتی۔وہ اندھیرے کنویں کی تہ سے تخت مصر کو جنم دیتا ہے۔وہ حدیبیہ کے بظاہر شکست خوردہ معاہدے کو فتح مکہ کی دستاویز بناتا ہے۔وہ مکے سے مظلومانہ ہجرت کو فاتحانہ داخلے کا پیش خیمہ بناتا ہے۔۔۔بس ضرورت اس بات کی ہے کہ آدمی اسی کی خاطر صبر و ثبات دکھائے اور سارے سہاروں سے بے نیاز ہو کر اسی کا سہارا پکڑے۔

ایک فاقہ مست نادار بھوک سے بے تاب ہے۔اس کو پانچ سو اشرفیاں پیش کی جا رہی ہیں۔وہ انتہائی ضرورت مند ہے اور تحفہ دینے والا اصرار کر رہا ہے۔۔۔۔۔احسان مند ہو رہا ہے لیکن فاقہ مست صرف اس لئے انکار کر رہا ہے کہ میں اپنے حسن عمل کا انعام اس سے لوں گا جس نے اس بزرگ کو یہ اشرفیاں دی ہیں یہ پیش قیمت ہار دیا ہے اور جو اتنا دیتا ہے کہ لینے والا تھک جائے۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ بڑا ہی حیرت انگیز اور انمان افروز ہے۔ ہوا یہ کہ کچھ ہی دنوں کے بعد میں سفر کے ارادے سے مکہ معظّمہ سے روانہ ہو کر ایک کشتی میں سوار ہوا کشتی میں اچھے خاصے مسافر تھے۔ کشتی خراماں خراماں پانی کے سینے کو چیرتی ہوئی چلی جا رہی تھی اور ہم سب مسافر مگن تھے کہ یکا یک ہوا تیز ہوئی، موجیں اٹھیں کشتی سے ٹکرائیں اور ہماری کشتی منزل سے دور، بیچ دریا میں ہچکولے کھانے لگی۔ بپھری ہوئی موجوں نے کشتی توڑ دی اور مختلف منزلوں کو جانے والے مسافر ایک ایک کر کے ایک ہی منزل کی طرف روانہ ہونے لگے۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ میرا یہ سفر، سفر آخرت ہی ہوگا، لیکن خدا جس کو زندہ رکھنا چاہے موجیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں ۔۔۔۔ خدا کی قدرت، میں اسی تختے پر بدستور بیٹھا رہا ،جس پر بیٹھا تھا۔ کشتی ٹکرے ٹکرے ہوگئی۔ مسافر سب ڈوب گئے اب میں تھا، کشتی کا یہ ٹکڑا تھا اور موجیں اس کو دھکیل رہی تھیں۔ میں موجوں کے رحم وکرم پر بہ رہا تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہوں۔ اپنی بے بسی دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور بے اختیار میرے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے خدایا میں نے کبھی زندگی میں تیرے سوا کسی کا سہارا نہیں ڈھونڈھا۔ خدایا! کیا اج تو مجھے ان خونخوار موجوں کے حوالے کر رہا ہے۔ اور خدا کی رحمت کو جوش آیا۔ قدرت کے ہاتھوں نے ان موجوں کی گردن موڑ دی اور اب میں نہایت مطمئن تختے پر بیٹھا بہ رہا تھا تختہ برابر چلتا رہا۔ ایک مدت کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ساحل قریب آ رہا ہے۔ اور میں آبادی سے قریب ہو رہا ہوں۔ اور ایک دن قدرت کے ہاتھ نے تختے کو ساحل سے لگا دیا۔ میں خشکی میں اُترا کافی دنوں کے بعد میں نے خشکی دیکھی اور میں شکر کے جذبات سے سرشار سجدہ شکر بجالایا۔ یہ ایک جزیرہ تھا۔ بڑا ہی حسین اور شاداب جزیرہ جزیرے میں مسلمان آباد تھے۔ مسجدوں کے مینار اپنی عظمت کی گواہی دے رہے تھے۔ میں آبادی میں گیا اور ایک مسجد میں پہنچا۔ خدا کے شکر سے میرا سینہ لبریز تھا۔ محبت کے جزبات اُمڈ رہے تھے، میں نے قرآن پاک اٹھایا اور جذبے میں بلند آواز سے نہایت درد کے ساتھ تلاوت کرنے لگا:

جزیرے کے لوگوں نے جب میری آواز سنی تو ایک ایک کر کے جمع ہونے لگے، اور پورے جزیرے میں میری آمد کا چرچا ہونے لگا۔ لوگ میرے پاس آتے اور مجھ سے مل کر روحانی سکون محسوس کرتے۔ میں ان کی چمکتی پیشانی کی شکنوں میں ان کی عقیدت و محبت کے جذبات پڑھتا۔ اور شفقت و الفت میں ان سے لپٹ لپٹ جاتا۔ دن گزرتے رہے اور یہ لوگ مجھ سے قریب ہوتے رہے۔

میری تلاوت اور قراءت نے لوگوں پر بڑا اثر کیا۔ اور ان لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ہمیں بھی اسی طرح قرآن پڑھنا سکھا دیں۔ میں نے خوش دلی سے ان کی درخواست منظور کر لی۔ اور قرآن پڑھانے کا مدرسہ کھل گیا۔ قرآن پڑھنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ اور جزیرے والوں میں میری بڑی شہرت پھیل گئی۔ لوگ میرا بے حد احترام کرنے لگے۔ اور قرآن کی بدولت دن بدن میرا اکرام و اعزاز بڑھنے لگا۔ لوگ اپنی حیثیت کے مطابق ہر طرح کے تحفے لاتے اور محبت کا اظہار کرتے۔

ایک دن میں بیٹھا مسجد میں رکھی ہوئی پُرانی کتابیں دیکھ رہا تھا کہ قرآن پاک کے کچھ اوراق ملے انتہائی خوش خط۔ خوش خطی سے مجھے دل چسپی تھی ہی۔ میں نے وہ اوراق بڑی احتیاط سے اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیے۔ جب بھی میں ان اوراق پر نظر ڈالتا، کاتب کی فنکاری پر دل مسرور ہو جاتا۔ ایک دن کچھ لوگوں نے میرے پاس وہ اوراق دیکھے اور ان سے میری غیر معمولی دل چسپی کو بھی بھانپ گئے۔ لوگوں نے محسوس کر لیا کہ مجھے اس فن سے بھی لگاؤ ہے۔ پھر کچھ لوگ مصر ہوئے کہ ہمیں بھی خوش خطی سکھا دیجئے۔ اور میں نے فراخ دلی سے یہ فن بھی لوگوں کو سکھانا شروع کر دیا۔ اب میرے پاس ہر وقت لوگ جمع رہتے۔ بچے بھی، جوان بھی، بوڑھے بھی۔ کوئی قراءت سیکھتا، کوئی کتابت سیکھتا، اور کوئی یونہی میری صحبت میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتا۔ میں حیران تھا کہ خدائے بے نیاز نے اپنے ایک گمنام بے مایہ بندے کو کیسی عزت شہرت اور مقبولیت بخشی! لوگ ایسے گرویدہ ہو گئے کہ جس کو جب موقع ملتا، میرے پاس بیٹھ کر سکون پاتا۔ اور جس کو جو میسر ہوتا، اچھے سے اچھا تحفہ

میرے لئے لاتا۔اور تھوڑے ہی دنوں میں خدا نے مجھے مالا مال کر دیا۔

اس طرح وہاں رہتے رہتے کافی دن گزر گئے ، اور وہاں کے باشندے مجھ سے انتہائی مانوس ہو گئے ،تو سمجھ دار لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا اور پھر یہ مخلصین میری رائے معلوم کرنے آئے ، میں خاموش رہا،لوگوں نے پھر اسرار کیا،اور خود ہی کہنے لگے کہ یہاں ایک نہایت ہی خدا رسیدہ بزرگ تھے،اللہ نے انھیں سب کچھ دے رکھا تھا آپ کے آنے سے کچھ روز پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ جزیرے والے ان کو بہت مانتے تھے۔اور تھے بھی وہ واقعی بڑے پارسا،خدا ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ان کی ایک بہت ہی حسین وجمیل اور سلیقہ مند لڑکی ہے۔ ہر فن میں ہوشیار۔ بڑی ہی نیک سیرت،اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم آپ کا پیغام دے آئیں ۔ بڑا ہی دین دار گھرانہ ہے۔آپ کے لئے تو انتہائی مناسب رشتہ ہے۔ اور ان کو بھی آپ سے زیادہ موزوں رشتہ نہ ملے گا۔بس آپ کی رضامندی کی دیر ہے۔

میں نے اوّل اوّل تو کوئی خاص توجہ نہ دی،لیکن ان لوگوں کی باتیں سُن کر میرے دل میں بھی ہل چل شروع ہوئی ۔ میں نے سوچا، میں جوان آدمی ہوں۔شادی رسولؐ کی سنت ہے۔ مجھے بھی خدا نے ہر سہولت دے رکھی ہے۔اور پھر لڑکی ایک خدا رسیدہ بزرگ کی نشانی ہے نیک بیوی تو دنیا کی سب سے زیادہ گراں مایہ نعمت ہے۔اس سے انکار تو یقینا محرومی ہے۔۔۔اور میں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا،لوگ اتنے خوش ہوئے کہ جیسے انھیں کوئی بہت بڑی نعمت ہاتھ لگ گئی ۔۔۔اور پھر چند ہی روز میں خدا کے فضل وکرم سے میری شادی ہو گئی ۔شادی کے بعد جب اس لڑکی سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو اس کے گلے کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔اور پیکر حیرت بنا اس کے گلے کو دیکھتا رہا۔لڑکی چندے آفتاب چندے مہتاب تھی۔

لیکن میرے لئے تو سب سے زیادہ کشش اس ہار میں تھی جو وہ پہنے ہوئے تھی اور میں اس ہار کو دیکھتا ہی رہ گیا۔بیوی کو بھی میری اس بے توجہی کی حرکت پر بڑی حیرت تھی۔اور گھر کے دوسرے لوگ بھی حیران تھے کہ خدا نے چاندسی بیوی دی ، جو حسن وسلیقے کا پیکر

ہے۔اور یہ حضرت اس کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے موتیوں پر نگاہیں جمائے ہوئے ہیں۔میں یہ سوچ رہا تھا کہ پروردگار یہ ہار اس لڑکی کے پاس کہاں سے آیا۔یہ تو وہ ہار ہے جو مجھے مکے کی ایک گلی میں ملا تھا۔اور پھر مجھے ہار کے مالک یاد آئے۔اور ان کا پیار بھرا اصرار، پورا منظر میری آنکھوں میں پھر گیا، میری آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔اور میری نگاہیں ہیں ہار پر جمی ہوئی تھیں۔

جب کافی دیر ہوگئی تو گھر کے لوگوں نے میری اس حیرانی اور عجیب وغریب حرکت پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا!،میاں !یہ عجیب بات ہے،خدا نے تمھیں چاندسی دلہن بخشی اور تم ہو کہ اس کی طرف توجہ کرنے کے بجائے ٹکٹکی باندھے ہار کو دیکھے جارہے ہو آخر یہ کیا بات ہے؟

میں نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہنا شروع کیا:ایک زمانہ تھا کہ میں مکہ معظّمہ میں رہا کرتا تھا۔بڑے ہی تنگی کے حالات تھے۔ایک دن بھوک سے بتیاب گھر سے باہر نکلا کہ شاید کچھ ہاتھ آجائے،کیا دیکھتا ہوں کہ ایک تھیلا ریشم کی ڈوری سے بندھا ہوا پڑا ہے،میں نے اسے اٹھالیا۔اٹھا کر گھر لایا۔جب کھولا تو انتہائی نفیس موتیوں کا بیش قیمت ہار تھا۔تھیلا گھر میں رکھ کر پھر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ اسی ہار کے بارے میں اعلان کررہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جو بھی مجھ کو میرا ہار دے گا میں اس کی خدمت میں پانچ سو اشرفیاں تحفے میں پیش کروں گا۔میں انھیں اپنے ساتھ گھر لایا۔اور ہار اُن کی خدمت میں پیش کیا، بزرگ بہت ہی خوش ہوئے اور بڑے اصرار کے ساتھ مجھے پانچ سو اشرفیاں دینے لگے۔میں نے کہا،حضرت!میں یہ اشرفیاں ہرگز نہ لوں گا۔میں نے آپ کی چیز آپ کو پہنچا کر کوئی کمال نہیں کیا ہے۔۔۔۔۔اپنا فرض ادا کیا ہے۔ان کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا اور انھوں نے دل کی گہرائیوں سے مجھے دُعا دی؛

''خدا آپ کو اس دیانت وسعادت کا ایسا بدلہ دے کہ آپ کی روح خوش ہو جائے۔''میری یہ عجیب وغریب داستان سننے کے لئے خاندان کے سب ہی عورت مرد جمع ہو

گئے تھے۔اور میں جذبے میں کہے جارہا تھا۔پھر وہ ہار لئے یہ نورانی چہرے والے بزرگ دُعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔

یہ عجیب وغریب آپ بیتی سُن کر چاروں طرف سے سبحان اللہ سبحان اللہ کی آوازیں بلند ہوئیں اور ایک شور برپا ہوگیا۔

پھر ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہی وہ ہار ہے اور وہ ہار والے بزرگ آپ کے خسر تھے۔وہ اپنی زندگی میں اکثر آپ کو یاد کرتے رہتے تھے،اور کہا کرتے!میں نے اپنی زندگی میں ایک ایسا سچا مسلمان دیکھا ہے کہ پھر اس جیسا مسلمان زندگی بھر دیکھنے کو نہیں ملا۔ اس نے لاکھوں کا ہار خاموشی سے نکال کر مجھے دے دیا اور اس کی غیرت اور خودداری نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ وہ اپنی دیانت کو پانچ سو اشرفیوں کے انعام سے ملوث کرے۔

وہ بڑی حسرت سے کہا کرتے۔''کاش وہ نوجوان مجھے پھر مل جاتا تو میں اپنی پیاری بچی کا اس کے ساتھ نکاح کر دیتا۔''اور آخری دنوں میں تو وہ آپ کو بہت ہی یاد کرتے تھے۔ اور اکثر ان کی زبان پر یہ جملے ہوتے''کاش وہ نوجوان مجھے مل جاتا تو میں اپنی پیاری بیٹی اس کے حوالے کر دیتا۔۔۔اور آج ہماری آنکھوں نے یہ ایمان افروز منظر دیکھا کہ خدا نے اپنے صالح بندے کی دُعا قبول فرمائی۔

میرا رواں رواں خدا کے شکر سے سرشار تھا۔میں نے خوشی کے آنسو پونچھے اور بے اختیار اپنے محسن خدا کے حضور سجدے میں گر پڑا۔

ایمان کی جیت

تیرھویں صدی عیسوی میں منگولیا کے وحشی قبائل کچھ اس زور کے ساتھ مسلمان دُنیا پر حملہ آور ہوئے کہ غافل اور آرام طلب مسلمان ان کے سفاکانہ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھے۔پھر تو ان خوں خوار ظالم درندوں نے اس بے دردی اور بے رحمی سے مسلمانوں کو مارا کاٹا کہ مسلمان تاتاری کے نام سے تھر تھرانے لگے۔اور خوف وہراس کی یہ کیفیت ہوگئی کہ ایک نہتا تاتاری راہ میں مسلمان جوان کو پکڑتا اور کہتا تم یہاں سے ٹلنا

نہیں، میں گھر سے تلوار لا کر تمھیں قتل کروں گا۔اور مسلمان دم بخود وہیں کھڑا رہتا۔اس کو یہ ہمت نہ تھی کہ بھاگ جائے۔

مگر اسی دور کا یہ عجیب وغریب واقعہ بھی تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے کہ ایک تاتاری شہزادہ تغلق تیمور خاں بڑے کروفر سے اپنے پایہ تخت سے تین سو میل دور مشرق میں شکار کھیلنے کے لئے پہنچا۔اتفاق کی بات انھیں دنوں بخارا کے ایک خدارسیدہ بزرگ ''آق سو'' کی آبادی کے قریب سفر کررہے تھے شہزادے کا عام فرمان تھا کہ ساری رعایا شکار میں اس کے ساتھ رہے گی۔اور اس فرمان کے مطابق ساری کی ساری آبادی شکار میں اس کے ہم راہ تھی۔

تاتاری شہزادہ بڑے دبدے کے ساتھ جارہا تھا کہ اس کی نظر دو بوڑھے آدمیوں پر پڑی جو ایک طرف کو ایک گوشے میں بڑے اطمینان سے آرام کررہے تھے۔مغرور شہزادہ غصے مین لال پیلا ہو گیا اور پوری قوت سے گرجا۔''یہ کون گستاخ ہیں جو شاہی فرمان کی نافرمانی کررہے ہیں؟ان کو فورً احضور میں حاضر کیا جائے۔''

لشکری فورً ا دوڑ گئے اور ان دونوں بزرگوں کو بڑی ذلت کے ساتھ کھینچتے ہوئے شہزادے کے حضور لائے۔

شیخ جمال الدین اور ان کے رفیق سفر اس ناگہانی مصیبت پر پہلے تو کچھ گھبرائے، لیکن جلدی سنبھلے اور بڑے اطمینان سے کھڑے رہے۔اقتدار کے نشے میں بدمست شہزادہ پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔

''ہمارا فرمان ہے کہ ساری رعایا شکار میں ہمارے ساتھ رہے گی اور تم دونوں بے ادب یہاں بیٹھے آرام کررہے ہو، تمھیں اس گستاخی کی جرأت کیسے ہوئی؟'' غرور کی گرمی سے شہزادے کا ماتھا تمتمارہا تھا،اور غصے میں آنکھیں انگارہ ہورہی تھیں۔

''ہم مسافر لوگ ہیں،،ہمیں آپ کے فرمان کی کوئی اطلاع نہ ہوسکی تھی۔'' شیخ جمال الدینؒ نے بڑے سکون اور وقار کے ساتھ جواب دیا۔

عذر معقول تھا،شہزادہ خاموش ہو گیا۔اور بڑے تکبر کے ساتھ خنزیر کے گوشت کا ٹکڑا

اپنے شکاری کتے کے سامنے ڈالنے لگا۔ پھر انتہائی حقارت کے ساتھ شیخ کو گھورتے ہوئے بولا۔

''بتا ایرانی بڈھے تو اچھا ہے کہ میرا یہ کتا؟''

شیخ نے لمحہ بھر توقف کیا اور بڑے نرم لہجے میں فرمایا۔''اگر میں اپنے رب کے بھیجے ہوئے دین کی پیروی کروں تب تو یقیناً میں ہی اچھا ہوں لیکن اگر میں اس دین پر نہ چلوں تو یقیناً آپ کا کتا مجھ سے بہتر ہے۔''

شیخ نے کچھ اس یقین اور سوز کے ساتھ جواب دیا کہ شہزادے کے دل کو لگ گیا۔ اور وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اپنے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ ''ہم جب شکار سے واپس آئیں تو اس بوڑھے کو ہمارے حضور پہنچا دیا جائے۔''

شہزادہ جلد ہی شکار سے واپس آ گیا۔ شیخ شہزادے کے خیمے میں پہنچا دیئے گئے۔

شہزادے نے عزت کے ساتھ شیخ کو بٹھایا اور کہا:

''آپ کا وہ دین کیا ہے جس کی پیروی کر کے انسان کتے سے بہتر بن جاتا ہے، میری خواہش ہے کی آپ ذرا تفصیل کے ساتھ اپنے دین کے بارے میں بتائیں۔''

حضرت جمال الدینؒ نے شہزادے کو متوجہ دیکھ کر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اور انتہائی سوز و حکمت اور جوش و جذبے کے ساتھ اسلام کی دل نشیں تشریح فرمائی، اور کفر کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچا کہ شہزادہ بے اختیار رونے لگا، دیر تک روتا رہا، پھر بولا:۔

شیخ صاحب! واقعی یہ دین حق ہے۔ لیکن اس وقت اپنے اسلام کو ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اسلام کا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ جب میں پورے ملک کا با اختیار حکمراں بنایا جاؤں اس وقت اپنے اسلام کا اظہار کروں۔

شیخؒ خاموش ہو گئے۔ اور شہزادے سے وعدہ لے کر واپس آ گئے۔ خدا کا کرنا چند سال بعد شیخؒ سخت بیمار پڑے جب حالت زیادہ خراب ہو گئی تو شیخؒ نے اپنے بیٹے ارشد الدین کو بلا کر تغلق تیمور خاں کا سارا واقعہ سنایا اور وصیت کی کہ بیٹے، اب میرے چل

چلاؤ کا وقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں اسی بیماری میں اپنے رب سے جاملوں، تم اس کا خیال رکھنا کہ جب یہ تاتاری شہزادہ تخت پر بیٹھے تو تم جا کر اس کو اس کا وعدہ یاد دلانا۔''.....اور شیخ چند روز بیمار رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۱۳۴۷ء میں جب تغلق تیمور خاں بڑے کر وفر کے ساتھ تخت حکومت پر بیٹھا، اور تاتاری سلطنت کا بااختیار خاقان تجویز ہوا تو شیخ ارشدالدین باپ کی وصیت کے مطابق کاشغر پہنچے۔ کاشغر پہنچ تو گئے لیکن اب اس پریشانی میں تھے کہ خاقان کے محل میں کیسے رسائی ہو، آخر شیخ کو ایک تدبیر سوجھی، آپ روزانہ سحر میں خاقانی محل کے قریب پہنچتے اور پورے جوش کے ساتھ اتنی زور سے اذان دیتے کہ وادی گونج جاتی۔ کئی دن ایسا ہی ہوا لیکن خاقان نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ ایک دن جب اس کی نیند بالکل اچاٹ ہو گئی تو اس کو غصہ آیا اور بولا۔ ''یہ کون گستاخ ہے جو روزانہ ہماری نیند خراب کرتا ہے؟ فوراً اسے ہمارے حضور میں حاضر کیا جائے''۔

غلام فوراً دوڑ پڑے اور شیخ ارشدالدینؒ کو پکڑ لائے۔ شیخ بہت خوش ہوئے کہ شہزادے سے ملنے اور اس کو اپنا وعدہ یاد دلانے کا خدا تعالیٰ نے موقع فراہم فرما دیا۔

شہزادے نے شیخؒ پر ایک نظر ڈالی، اور بولا۔ ''تم کون ہو اور کس لیے روزانہ منہ اندھیرے یہاں آ کر چلانے لگتے ہو؟''۔

''میں شیخ جمال الدینؒ کا بیٹا ہوں۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ایک موقع پر آپ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب میں تخت سلطنت پر بیٹھوں تو اس وقت آنا میں اسلام لے آؤنگا۔ میں ان کی وصیت کے مطابق آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلانے آیا ہوں۔

خاقان غور سے شیخ کی باتیں سنتا رہا۔ اسے اپنا وعدہ یاد تھا۔ شیخ ارشدالدینؒ کی آمد پر وہ بہت خوش ہوا۔ بستر سے اٹھا۔ مسند پر آ کر بیٹھا اور شیخؒ کو بھی بڑی عقیدت کے ساتھ اپنے قریب مسند پر جگہ دی۔ اور کہنے لگا۔ حضرت! میں جس دن سے تخت پر بیٹھا، برابر شیخ کا انتظار کر رہا ہوں، آہ، شیخؒ کا انتقال ہو گیا۔ اب آپ بتایئے مجھے کیا کرنا ہے؟

شیخ ارشدالدینؒ کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا۔فرمایا پہلے آپ غسل فرما کر پاک صاف ہوجایئے۔تغلق تیمور خاں نے فوراً غسل کیا اور جوش عقیدت میں حضرت کے سامنے آبیٹھے حضرت نے انھیں کلمۂ توحید اور کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان کیا..... استقامت کی دعا کی اور تلقین فرمائی کہ اب آپ اپنی سلطنت میں اس دین حق کی دعوت کو عام کریں۔

خاقان نے اپنے امراء اور حکومت کے ذمہ داروں کو اسلام کی دعوت دی۔بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے،اور ملک میں بڑی تیزی کے ساتھ اسلام پھیلنے لگا۔

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ایک عظیم بچے کی دیانت

حضرت فضل رحمنؒ گنج مرادآبادی اس صدی کے بہت ہی نیک بزرگ اور زبردست عالم ہوئے ہیں۔بچپن ہی سے آپ دین وایمان کی باتوں کا بڑا خیال رکھتے ، اور اپنی سمجھ کے مطابق کبھی شریعت کے خلاف کوئی کام نہ کرتے۔ابھی آٹھ نو سال کے ہوں گے کہ اپنے والد کے ساتھ مرتبہ اپنے گاؤں ملاواں سے چلے۔آپ کے ابو نے طوطی پال رکھی تھی۔ اور پنجرہ ان کے ہاتھ میں تھا۔چلتے چلتے جب آپ کھیت پر پہنچے،تو آپ کے ابو نے کھیت میں سے کونی (۱)۔کا ایک خوشہ توڑا اور پنجرے میں بے فکری سے طوطی کو ڈال دیا۔حضرت فضل رحمنؒ نے فوراً کہا:۔

ابا یہ کیا،یہ تو پرایا کھیت ہے۔حضرتؒ کے والد نے بچے کی بات پر دھیان نہ دیا اور روانہ ہولئے۔تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے،مُڑ کر دیکھا تو فضل رحمنؒ غائب ہیں۔ان کی فکر ہوئی اور پیچھے مڑے۔کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت وہیں کھیت پر غمگین کھڑے ہیں۔شاہ اہل اللہ صاحب نے پکارا،بیٹے! آؤ کھڑے کیوں ہو؟ حضرت نے فرمایا:ابو میں تو نہیں آؤں گا۔میں تو یہاں سے اسی وقت ٹلوں گا جب کھیت والے سے خوشہ معاف کرالوں،

---

(۱) جس کو کاکن یا کنگی بھی کہتے ہیں۔

جب تک کھیت والا نہ آجائے میں یہیں رہوں گا۔

بیٹے کی یہ دیانت داری دیکھ کر شاہ اہل اللہ صاحبؒ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے۔ پنجرے میں سے کونی کا خوشہ نکال کر پھینک دیا اور فرمایا: لو بیٹے! ہم خوشہ نہیں لے جاتے آؤ چلیں۔ تب حضرتؒ نے وہاں سے قدم اٹھایا اور اپنے ابو کے ساتھ روانہ ہوئے۔

دیدار رسولؐ

حضرت! کوئی ایسا ورد شریف پڑھنے کے لیے بتایئے، جس کے طفیل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہو۔ حضرت محمد علی مونگیریؒ نے حضرت فضل رحمنؒ گنج مرادآبادی سے سوال کیا۔

بھائی اصل چیز تو خلوص ہے، خلوص پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضرت گنج مرادآبادیؒ نے جواب دیا، پھر کچھ سوچ کر فرمایا۔ حضرت سید حسنؒ جو ''رسول نما'' کے نام سے مشہور تھے، اپنے عقیدت مندوں کو ایک خاص درود پڑھنے کے لیے بتایا کرتے، خود بھی کثرت سے اس درود کو پڑھتے، اس کے وِرد سے انھیں بھی زیارت نصیب ہوتی، اور جس کو بتاتے اسے بھی شرف زیارت حاصل ہوتا۔ درود شریف یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی مُحَمَّدٍ وَّ عِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

اے اللہ! درود وسلام ہو محمد پر اور ان کی آل اولاد پر ان ساری چیزوں کی تعداد کے برابر جو تجھے معلوم ہیں۔

پھر فرمایا۔ یہ اشعار اگر کثرت سے پڑھے جائیں تو ان کی بدولت بھی خدا کی توفیق سے زیارت نصیب ہو جاتی ہے۔

نسیما جانب بُستاں گزر کن — بگو آں نازنیں شمشادِ مارا
بہ تشریف قدوم خود زمانے — مشرف کن خراب آبادِ مارا
کہ بے دیدارِ تو اسباب شادی — نمی شاید دلِ ناشادِ مارا[1]

---

(۱) اے نسیم باغ کی جانب تیرا گزر ہو تو ہمارے نازنین شمشاد یعنی محبوب سے کہنا اپنی مبارک تشریف آوری سے ہمارے ویرانہ دل کو بھی شرف بخشے۔ اس لئے کہ آپؐ کے دیدار کے بغیر تو مسرت اور شادمانی کے اسباب بھی ہمارے نامراد دل کو ہرگز نہیں بھاتے۔

مومن کی بصیرت اور بے باکی

حضرت ہشام بن عبدالملک خاندان بنوامیہؓ کے مشہور خلیفہ گزرے ہیں۔ یہ زبردست منتظم اور کفایت شعار تھے۔ ایک بار یہ حج کے لیے روانہ ہوئے اور مکے میں جب ٹھیرے تو اپنے لوگوں سے بولے کہ جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں میں سے کسی کو بلا کر لاؤ۔ لوگوں نے کہا۔

''امیر المومنین! افسوس کہ رسولؐ کے صحابہؓ تو سب کے سب دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ تو فرمایا اچھا، پھر ان لوگوں میں سے کسی کو بُلا کر لاؤ جنھوں نے رسولؐ کے صحابہ کو دیکھا ہو۔

لوگ گئے اور حضرت طاؤس یمانیؒ کو کسی نہ کسی طرح راضی کر کے لائے۔ جب حضرت طاؤسؒ خلیفہ کے کمرے میں داخل ہوئے، تو آپ نے بے تکلف بچھے ہوئے فرش کے کنارے اپنے جوتے اتار دیئے۔ پھر نہ تو خلیفہ کو جھک جھک کر سلام کیا اور نہ ادب کے ساتھ ان کی کنیت سے ان کو پکارا، اور بے تکلف سامنے آ کر بیٹھ گئے اور بولے کہو ہشام کیا حال ہے؟۔

ہشام کو حضرت کی اس بے باکی پر بڑا غصہ آیا۔ اور حضرت طاؤسؒ کو سزا دینے کی ٹھانی۔

کچھ لوگوں نے جرأت کر کے ہشام سے کہا: امیر المومنین آپ اس وقت حرم میں ہیں' یہاں کسی کو سزا دینے کی اجازت کہاں ہے؟۔

ہشام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور بڑی نرمی سے بولے:۔

طاؤسؒ! آپ نے اس جرأت اور بے باکی کا مظاہرہ کس وجہ سے کیا؟۔

طاؤسؒ بولے۔ ہشام بھلا میں نے کیا بے باکی دکھائی؟۔

ہشام! آپ نے میرے قیمتی فرش کے کنارے اپنے جوتے اتارے۔ پھر مجھے شاہانہ سلام نہیں کیا۔ اور نہ میری کنیت سے مجھے پکارا، اور مجھ سے اجازت لیے بغیر ہی میرے سامنے بے تکلّف بیٹھ گئے۔ اور کہا کہو ہشام کیا حال ہے۔

حضرت طاؤس ذرا سنبھل کر بیٹھے۔اور کہنا شروع کیا: امیر المومنین سنیے۔آپ کا یہ فرمانا کہ میں نے آپ کے بیش بہا فرش کے کنارے اپنے جوتے کیوں اُتارے' تو سنیے' میں روزانہ دن میں پانچ بار خدا کے حضور میں جوتے اُتارتا ہوں، لیکن نہ تو وہ مجھ پر غصہ کرتا ہے اور نہ سزا دیتا ہے۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ میں نے آپ کو سلام نہیں کیا۔تو بے شک میں نے آپ کو سلام نہیں کیا۔اور یہ اس لیے کہ آپ کی حکومت پر سارے مسلمان راضی نہیں ہیں۔اور آپ بہت سے مومنوں کی مرضی کے خلاف خلیفہ بن بیٹھے ہیں۔اس لیے آپ پر سلامتی بھیجتے ہوئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں میرا شمار جھوٹے لوگوں میں نہ ہو جائے۔رہا آپ کا یہ فرمانا کہ میں نے آپ کو کنیت سے یاد کرنے کے بجائے نام لے کر پکارا تو سنیے، خدا نے اپنی کتاب میں اپنے پیغمبروں کو نام لے کر ہی پکارا ہے۔

یا داوٗدؑ، یا یحییٰؑ ، یا عیسیٰؑ .....اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے یاد کیا ہے۔فرمایا ہے تبت یدا "ابی لھب"

اور آپ کا یہ فرمانا کہ میں بے تکلف آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔تو سنیے ، میں نے امیر المومنین حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اگر تم کسی جہنمی کو دیکھنا چاہتے ہو، تو اس شخص کو دیکھ لو جو بیٹھا ہوا ہو اور اس کے لوگ اس کے چاروں طرف کھڑے ہوئے ہوں۔"

حضرت طاوسؒ کی نصیحت آموز باتیں سن کر ہشام بہت متاثر ہوئے.....اور درخواست کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرمایئے۔

حضرت طاوسؒ نے فرمایا: میں نے امیرالمومنین حضرت علیؓ سے سنا۔

آپ فرماتے تھے کہ جہنم میں خچر جیسے بڑے بڑے سانپ اور بچھو ہیں، اور اس حکم راں کو ڈسیں گے جو اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کا سلوک نہ کرے گا۔" ہشام نے فکر و غم سے سر جھکا لیا۔حضرت طاوسؒ بے نیازی کے ساتھ وہاں سے نکل آئے۔

میدان حشر کا پہلا مقدمہ

حضرت شفی اصبحی ؓ ایک دن حضرت معاویہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کرنے لگے کہ ایک بار میں مدینہ منورہ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں اور چاروں طرف سے لوگوں نے ان کو گھیر رکھا ہے۔ میں بھی قریب پہنچا۔ لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں۔ لوگوں نے بتایا یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ہریرہ ؓ ہیں۔

صحابی کا نام سنتے ہی میرا دل عقیدت سے جھک گیا۔ اور بڑے ادب کے ساتھ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ لوگوں کو بڑے جذبے کے ساتھ سُنا رہے تھے۔ کچھ دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر آپ خاموش ہو گئے اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ جب بھیڑ چھٹ گئی۔ اور آپ تنہا رہ گئے تو میں نے قریب ہو کر کہا:

حضرت مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی ایسی حدیث لفظ بہ لفظ ٹھیک ٹھیک سُنا دیجئے جو آپ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی اور سمجھی ہو اور جس پر آپ نے سوچ بچار بھی کیا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ یہ درخواست سنتے ہی ذرا سنبھلے اور فرمایا ضرور، ضرور میں ضرور آپ کو ایک ایسی حدیث سُناوں گا جو میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی اور سمجھی ہے اور جس پر میں نے غور کیا ہے۔ یہ کہتے ہی حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حالت غیر ہو گئی، آپ پر کچھ بے ہوشی سی طاری ہو گئی۔ تھوری دیر تک یہی کیفیت رہی۔ ہم ٹھیرے رہے۔ جب آپ کو ذرا ہوش آیا تو فرمایا۔ ضرور میں آپ کو وہ حدیث سُناوں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گھر میں بیان فرمائی، جب کہ گھر میں، میں اور آپ تنہا تھے، کوئی تیسرا شخص موجود نہ تھا۔ یہ کہتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ ؓ پر سخت بے ہوشی کا دورہ پھر پڑ گیا۔ کافی دیر تک یہ کیفیت رہی۔ پھر جب آپ کو کچھ ہوش آیا تو آپ نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا، آنکھیں کھولیں، اور پھر فرمایا:

میں ضرور آپ کو وہ حدیث سُناوں گا جو مجھ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت بیان فرمائی جب اس گھر میں صرف آپؐ تھے، میں تھا اور کوئی تیسرا نہ تھا اور پھر ابو ہریرہ ؓ

پر بے ہوشی کا دورہ پڑا۔ بڑا ہی شدید دورہ۔ آپ کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ اور میں دیر تک آپ کے سر کو پکڑے سہارا دیئے بیٹھا رہا۔ جب کافی دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا تو فرمایا۔ جب قیامت کا دن آئے گا تو خدا اپنے عرش سے نیچے آئے گا۔ اور اپنے بندوں کا فیصلہ فرمائے گا اس وقت ہر گروہ گھٹنوں کے بل ہوگا۔ پھر فیصلے کے لئے سب سے پہلے جو لوگ بلائے جائیں گے، وہ تین آدمی ہوں گے، ایک قرآن کا عالم وحافظ، دوسرا وہ جو خدا کی راہ میں شہید ہوا تھا، اور تیسرا وہ جس کو خدا نے خوب ہی دولت دی تھی۔ اب خدا پہلے شخص سے کہے گا، کیا میں نے تجھے اس کتاب کے علم سے نہیں نوزا تھا جو میں نے اپنے رسولؐ پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا یقینا میرے پروردگار آپ نے مجھے اپنی کتاب کے علم سے نوازا تھا۔

تو خدا کہے گا، پھر تو نے اپنے علم پر عمل کیا ہے؟

عالم دین کہے گا پروردگار! میں شب وروز اس کے پڑھنے پڑھانے اور حفاظت کرنے میں لگا رہتا تھا۔

خدا اس سے کہے گا، تو جھوٹا ہے، فرشتے بھی گواہی دیں گے تو جھوٹا ہے اور خدا اس کو جتائے گا تیری ڈور دھوپ کا مقصود تو صرف یہ تھا کہ لوگ تجھے عالم اور قاری کہیں گے اور یہ دنیا میں کہا جا چکا۔

اب وہ شخص لایا جائے گا جس کو خدا نے مال ودولت عطا کیا تھا، اس سے خدا کہے گا کیا میں نے تجھے ہر طرح کی خوش حالی نہیں بخشی تھی، کیا ایسا نہیں تھا کہ میں نے تجھے کسی کا محتاج نہیں چھوڑا تھا۔

وہ کہے گا خدایا! بالکل ایسا ہی تھا۔ تو نے مجھے سب ہی کچھ دیا تھا اور خوب ہی دیا تھا۔ تو خدا پوچھے گا بتا پھر تو نے اس مال سے کیا کام لیا؟

وہ کہے گا پروردگار! میں نے رشتے داروں کے حقوق ادا کئے اور میں نے دل کھول کر صدقہ وخیرات کیا۔

خدا کہے گا جھوٹا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے جھوٹا ہے۔ اور خدا اس کو جتائے گا کہ تو نے تو اس لئے صدقہ وخیرات کیا کہ لوگ تجھے سخی داتا کہیں، اور یہ دنیا میں کہا جا چکا۔

اب وہ آدمی لایا جائے گا جو خدا کی راہ میں شہید ہوا تھا۔ خدا اس سے دریافت کرے گا بتا تو کیوں قتل کیا گیا تھا؟

وہ کہے گا پروردگار! تو نے حکم دیا تھا کہ تیری راہ میں جہاد کیا جائے..... چنانچہ میں تیرا حکم بجالانے کے لئے تیری راہ میں لڑا یہاں تک کہ میں نے تیری راہ میں اپنی جان عزیز قربان کردی۔

خدا اس سے کہے گا، تو جھوٹا ہے فرشتے بھی شہادت دیں گے تو جھوٹا ہے۔ اور خدا اس کو جتائے گا کہ تو نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور یہ دنیا میں کہا جا چکا۔

یہ بیان کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا: سُنا! ابو ہریرہؓ! یہ تین وہ شخص ہیں کہ خدا اپنی مخلوق میں سب سے پہلے ان پر جہنم کی آگ بھڑکائے گا۔

شفی اصبحیؓ نے جب یہ لرزہ خیز حدیث حضرت معاویہؓ کو سُنائی تو وہ معاویہؓ بولے! جب ان لوگوں کا حال یہ ہوگا تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا! اور پھوٹ کر رونے لگے۔ دیر تک اسی طرح روتے رہے، لوگ گھبرائے کہ حضرت معاویہؓ تو روتے روتے خود کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے اور کڑھنے لگے کہ یہ شخص بھی کیا غم انگیز بات لے کے آیا۔

پھر جب حضرت معاویہؓ کی حالت ذرا سنبھلی تو انھوں نے اپنا منہ صاف کیا آنکھیں کھولیں اور فرمایا: سچ کہا اللہ اور اس کے رسولؐ نے۔ خدا کا ارشاد ہے،

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ہود 11:15-16

(جو لوگ بس اس دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کی طالب ہیں، ان کی ڈور دھوپ کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی، مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لئے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (وہاں ان کو پتہ چل جائے گا کہ) جو کچھ انھوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیا میٹ ہوگیا اور اب ان کا سارا کیا دھر برباد ہے)

ایک انمول حدیث قدسی

اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا

''میں نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں میں رکھ دیا ہے

لوگ انھیں دوسری چیزوں میں تلاش کرتے ہیں

.....بھلا وہ کیسے پائیں گے!

میں نے اپنی رضا کو مخالفت نفس میں رکھ دیا ہے لوگ اسے

موافقت نفس میں تلاش کرتے ہیں.....بھلا وہ کیسے پائیں گے!

میں نے آرام کو جنت میں رکھ دیا ہے لوگ اسے دنیا میں

تلاش کرتے ہیں.....بھلا وہ کیسے پائیں گے!

میں نے علم وحکمت کو بھوک میں رکھ دیا ہے لوگ اسے سیری

میں تلاش کرتے ہیں.....بھلا وہ کیسے پائیں گے!

میں نے تونگری کو قناعت میں رکھ دیا ہے لوگ اسے مال میں

تلاش کرتے ہیں.....بھلا وہ کیسے پائیں گے!

میں نے عزت کو اپنی اطاعت میں رکھ دیا ہے لوگ اسے بادشاہوں

کے دروازوں پر تلاش کرتے ہیں.....بھلا وہ کیسے پائیں گے!

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

باب سوم

عبادت واطاعت

اسلام کی عبادت واطاعت کے کچھ
سچے واقعات اور حکیمانہ اقوال جن
کے مطالعے سے خدا کی عبادت اور
بندگی کا شوق اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

عبادت کی مٹھاس

چار چیزوں میں ہے

(۱)۔خدا کے فرض کئے ہوئے احکام کو بجالانے میں

(۲)۔خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنے میں

(۳)۔خدا کی رضا کے لئے نیک کاموں کا حکم دینے میں

(۴)۔خدا کے غضب سے بچنے کے لئے برے کاموں سے روکنے میں

(حضرت عثمان منبہات ابن حجرؒ)

وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

شکر گزار بندہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ نے کوئی عجیب وغریب بات دیکھی ہوتو بیان فرمایئے ۔۔۔ام المومنینؓ سے ایک صحابیؓ نے دریافت کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات عجیب تھی ،سنو ایک واقعہ سناتی ہوں'' حضرت عائشہؓ نے جواب دیا۔

ایک رات خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے کمرے میں آرام فرمارہے تھے کافی رات گزر چکی تھی ،کہ یکا یک آپ اٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے ۔میرے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے اور میں بھی پیچھے پیچھے چل دی۔۔۔۔آپؐ مسجد میں داخل ہو گئے ، میں بھی خاموشی سے مسجد میں پہنچ گئی ،کیا دیکھتی ہوں کہ آپؐ خدا کے حضور عاجز

بندے کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، اور ہچکی بندھی ہوئی ہے آپؐ برابر رو رہے ہیں آنسو بہ رہے ہیں ریش مبارک تر ہوگی ہے اور سینے تک آنسو آرہے ہیں پھر آپؐ نے رکوع فرمایا۔ رکوع میں بھی روتے رہے، پھر سجدہ کیا سجدے میں بھی روتے رہے۔ پھر سجدے سے اٹھے اور برابر روتے رہے۔ کسی طرح آپ کا رونا کم نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ ستارے ڈوبنے لگے اور حضرت بلالؓ نے آکر فجر کی اذان دی، نماز سے فارغ ہو کر جب آپؐ میرے کمرے میں تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کے دونوں پیر سوجے ہوئے ہیں، پیروں کے انگوٹھے پھٹ گئے ہیں اور ان میں سے پیلا پانی رس رہا ہے۔ میں نے رو رو کر عرض کیا ''اے خدا کے رسول! خدا آپ کو سلامت رکھے اور آپؐ پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آپ کیوں اپنے کو ہلکان کئے لے رہے ہیں؟ خدا نے آپؐ کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف فرما دی ہیں پھر آپؐ اتنی محنت و مشقت کیوں کر رہے ہو؟''

حضرتؐ نے فرمایا، ''عائشہؓ جب میرے رب نے مجھ پر بے پایاں کرم فرمایا ہے۔ اور ہر طرح سے نوزا ہے تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں!''

طہارت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''ہمیشہ باوضو رہو..... تو تمھارے دونوں محافظ فرشتے تم سے محبت کرنے لگیں گے۔''

اور آپؐ باطنی طہارت کے لئے دُعا فرمایا کرتے تھے۔

اے اللہ! میرے دل کو نفاق کی گندگی سے پاک رکھ!

اور آپؐ نے فرمایا

''ایک شخص نہایت پریشان حال، گرد و غبار میں اٹا ہوا، دور دراز سے سفر کر کے (بیت اللہ میں) حاضر ہوتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا پھیلا کر پکارتا ہے۔

اے میرے رب! اے میرے رب!

مگر اس کا کھانا حرام کا ہے، پینا حرام کا ہے، کپڑے حرام کے ہیں، اور حرام کی کمائی سے اس کا جسم پلا ہے۔۔۔۔۔تو ایسے شخص کی دعا بھلا کیسے سنی جا سکتی ہے؟

تین محبوب چیزیں

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار صحابہؓ سے فرمایا ''مجھے تین چیزیں بہت ہی محبوب ہیں۔ خوش بو، اور عورتیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ''یا رسول اللہؐ! آپؐ نے بالکل حق فرمایا اور مجھے بھی تین چیزیں بہت محبوب ہیں۔ یہ کہ چہرہ نبوت پر ہمہ دم میری نگاہ رہے، اور یہ کہ میرا مال آپؐ پر خرچ ہوتا رہے..... اور یہ کہ میری پیاری بیٹی آپؐ کے نکاح میں ہے۔'' حضرت عمرؓ بھی موجود تھے بولے آپ نے صحیح فرمایا..... مجھے بھی تین چیزیں بہت محبوب ہیں، بھلے کاموں کا حکم دینا، برے کاموں سے روکنا، اور پرانے کپڑے استعمال کرنا۔'' حضرت عثمان غنیؓ بولے، ''آپؐ نے بالکل سچ کہا، مجھے بھی تین چیزیں بہت ہی محبوب ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگوں کو پہنانا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔''.....حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا ''آپ نے سچ فرمایا، مجھے بھی تین چیزیں بہت ہی پیاری ہیں، مہمان کی خدمت کرنا، گرمی میں روزہ رکھنا اور دشمن خدا پر تلوار کی ضرب لگانا۔''

اتنے میں حضرت جبریلؑ تشریف لے آئے، اور بولے ''خدا نے آپ لوگوں کی دل چسپ گفتگو سنی تو مجھے آپؐ کے حضور بھیجا۔ اور آپؐ کو حکم دیا ہے کہ آپؐ مجھ سے بھی پوچھیں کہ اگر میں دنیا والوں میں سے ہوتا تو مجھے کون سی تین چیزیں محبوب ہوتیں۔'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریلؑ سے پوچھا، ''اچھا بتایئے اگر آپ دنیا والوں میں سے ہوتے تو آپ کو کون سی تین چیزیں پسند ہوتیں؟'' حضرت جبریلؑ نے فرمایا۔..... ''بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانا، اور بے کس عبادت گزاروں کی دل جوئی کرنا، اور عیال دار تنگ دستوں کی مدد کرنا۔'' پھر فرمایا، ''رب العزت جل جلالہ، کو بھی اپنے بندوں کی تین باتیں بہت محبوب ہیں۔ خدا کی راہ میں اپنی طاقت (جان و مال) کھپانا، گناہوں پر شرمندہ ہو کر رونا۔ اور فقر و فاقہ کی حالت میں

صبر کرنا۔ (۱)

نبی کی آخری نماز

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید بیماری کو گیارہ دن گزر چکے تھے، بیماری کی حالت میں بھی آپؐ برابر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے رہے۔..... گیارہویں دن عشا کی نماز کا وقت ہوا تو آپؐ نماز کے لئے اٹھے اور وضو فرمانے لگے، لیکن وضو کرتے کرتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو پھر نماز کی تیاری کے لئے وضو کا ارادہ کیا، مگر کمزوری اس قدر زیادہ تھی کہ پھر بے ہوش ہو گئے۔ کچھ افاقہ ہوا تو تیسری بار پھر آمادہ ہوئے اور وضو فرمانے لگے۔ لیکن پھر بے ہوشی طاری ہو گئی ہوش آیا تو فرمایا، ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھائیں..... اور ابوبکرؓ پہلی بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصلے پر کھڑے ہوئے۔ ابوبکرؓ نہایت ہی نرم دل تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصلے پر کھڑے ہوئے تو رقت طاری ہو گئی۔ اور بے اختیار رونے لگے، صحابہؓ پر بھی رقت طاری ہو گئی، اور رونے لگے۔ رونے کی آواز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک پہنچی تو ہمت کر کے مسجد میں تشریف لے گئے اور بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے نہایت ہی مؤثر اور پرسوز خطبہ دیا۔

مسلمانو! میں تمھیں خدا کے سپرد کرتا ہوں، اس کی پناہ اور حفاظت میں دیتا ہوں، اور اس کی نصرت اور حمایت کے حوالے کرتا ہوں، خدا تم پر میرا خلیفہ ہے۔ وہ تمھاری حفاظت اور نگرانی فرماتا رہے گا۔ جب تک تم تقویٰ پر قائم رہو گے، اور فرماں برداری کی سی زندگی گزارتے رہو گے..... اب میں اس دنیا سے جا رہا ہوں، جلد ہی اسے چھوڑ رہا ہوں۔ اور پھر گھر کا سارا اثاثہ آپؐ نے راہ خدا میں خیرات کر دیا۔ بیماری روز بروز بڑھ رہی تھی، نقاہت اور بے چینی میں افاقہ ہو رہا تھا صحابہؓ مغموم تھے، مگر خدا کی مشیت میں کون دخل دے سکتا ہے۔

چودھویں دن مسجد نبویؐ سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ صبح کی روشنی دھیرے دھیرے

---

(۱) منبہات لابن حجرؒ

پھیلنے لگی۔۔۔۔۔مسجد میں لوگ جماعت کی تیاری کرنے لگے۔نبی ﷺ شوق میں کروٹیں بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں،لیکن اُٹھنے کی سکت نہیں ہے،گھر والوں کی طرف متوجہ ہوئے،ابوبکرؓ سے کہونماز پڑھائیں۔

''حضورؐ!ابوبکرؓ بہت ہی نرم دل ہیں،آپؐ کی جگہ کھڑے ہوکر خودکوسنبھال نہ سکیں گے.....حضورؐ!ان پر بہت جلدرقت طاری ہوجاتی ہے،خواتین نے کہا۔

''حضورؐابوبکرؓ سے کہو''نماز پڑھادیں،خدا کے رسول ﷺ نے دوبارہ ارشادفرمایا۔

''حضورؐ!ابوبکرؓ مصلے پر کھڑے ہونے کی تاب نہ لاسکیں گے۔کسی اور کے لئے اجازت فرمادیجئے۔''خواتین نے پھرکہا۔

''تم لوگ تو مجھ سے ویسی ہی بحث وتکرار کررہی ہوجیسی مصر کی عورتیں میرے بھائی یوسفؑ سے بحث کر رہی تھیں،میں کہتا ہوں،ابوبکرؓ سے کہونماز پڑھادیں'میرا انتظارنہ کریں۔حضور ﷺ نے فیصلہ کن انداز میں حکم دیا۔

اورپھرابوبکرصدیقؓ رسول اکرم ﷺ کے مصلّے پرکھڑے ہوکر نماز پڑھانے لگے۔

آپؐ بے چین تھے کہ مسجد میں نماز کا منظردیکھیں۔اوردنیا چھوڑنے سے پہلے ایک بار دیکھ سکیں کہ صحابہ کرامؓ اس نماز کوکس طرح ادا کرتے ہیں جوآپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

آپؐ نے اپنے کمرے کا پردہ اٹھایااوردیکھا کہ مسجد میں صفیں بندھی ہوئی ہیں'مصلّے پرابوبکرصدیقؓ ہیں اورصحابہ کرام جماعت سے نمازادا کررہے ہیں۔کچھ دیرتک آپؐ اس مبارک نظارے کودیکھتے رہے اورخوش ہوتے رہے'خوشی میں ہونٹوں پرمسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اورچہرہ دمک رہا تھا۔

صحابہؓ نے محسوس کیاتوان کے شوق اوربے چینی کا عجب حال تھا،چاہتے تھے کہ اسی حالت میں نبی ﷺ کے چہرۂ مبارک پرنظریں جمادیں۔نبی ﷺ صحابہؓ کے شوق

کو بھانپ گئے۔آپؐ نے سب کو ہاتھ کے اشارے سے تسکین دی' اور ہٹ گئے، مگر آپؐ کی بے تابی نے آپ کو لیٹنے نہ دیا، اسی حالت میں مسجد جانے کا ارادہ کرلیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں یہ منظر اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہے' نبی ﷺ دو آدمیوں کے سہارے مسجد کی طرف جارہے تھے۔آپؐ کے شوق کا یہ عالم تھا، اور کمزوری اس قدر تھی کہ پیروں میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ آپ قدم اُٹھا کر رکھ سکیں اور جما سکیں۔چنانچہ آپؐ دو آدمیوں پر سہارا کئے اس طرح مسجد کی طرف بڑھ رہے تھے کہ آپؐ کے پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے، اس طرح پیر گھسیٹتے گھسیٹتے آپؐ مسجد میں پہنچے۔ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، ابوبکرؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں لیکن آپؐ نے فرمایا ''نہیں تم نماز پڑھاتے رہو۔'' اور آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں مقتدی بن کر نماز ادا کی۔یہ آپؐ کی آخری نماز تھی، اور یہ آخری نماز بھی آپؐ نے جماعت سے ادا فرمائی۔

بیماری بڑھتی ہی گئی.....نزع کی کیفیت طاری تھی عبدالرحمن بن ابی بکرؓ آئے، ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔آپؐ نے اشارہ فرمایا۔مسواک کرائی گئی۔اس وقت آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے۔نماز! نماز!!اور لونڈی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک، یہاں تک کہ آنکھوں کی پتلیاں بدل گئیں، اور آپؐ دنیا سے رخصت ہوگئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِی الْکَرِیْمِ

مسجد سے شغف

(۱)۔حبش کی ایک مسافر سیاہ فام بڑھیا، نبی ﷺ کی مسجد میں صفائی اور جھاڑو کا اہتمام کرتی تھیں۔اور بڑی دل چسپی سے اس کام کو انجام دیتی تھیں۔

ایک دن نبی ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور صحابہؓ سے پوچھا، ''وہ حبشی بڑھیا کئی دن سے نظر نہیں آرہی ہیں، کہاں چلی گئیں؟''

''حضورؐ! وہ تو مر گئیں، اور ہم نے ان کے کفن دفن کا انتظام بھی کردیا۔'' جاں نثاروں

نے جواب دیا۔

''ارے تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟'' رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا، اور پھر آپؐ نے سر جھکا لیا۔

''حضورؐ! ہم نے اس کو ایک معمولی واقعہ سمجھ کر آپؐ کو زحمت دینے کی ضرورت نہ سمجھی اور اس کو کفنا دفنا دیا۔'' صحابہؓ نے عرض کیا۔

مجھے بتاؤ اس کی قبر کہاں ہے؟'' رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا (اور آپؐ کی آواز بھرا گئی)

صحابہؓ آپؐ کو بڑھیا کی قبر پر لے گئے۔ آپؐ نے بڑھیا کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ اور تب آپؐ کے دل کو ذرا تسلی ہوئی۔

(۲)۔ ایک بار مدینے میں گہرے بادل گھر آئے۔ چاروں طرف کالی گھٹا چھا گئی اور گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت نضرؓ دوڑے دوڑے حضرت انسؓ کی خدمت میں پہنچے اور پوچھا۔ ''حضرت..... نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جب اس قسم کی چیزیں پیش آتی تھیں، تو آپؐ لوگ کیا کرتے تھے؟'' صحابی رسولؐ حضرت انسؓ نے فرمایا ''خدا کی پناہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اگر ذرا بھی ہوا تیز چلتی تو ہم لوگ قیامت کے خوف سے لرز جاتے اور بے اختیار مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔''.....

اطاعتِ رسولؐ

''سُنا ہے آپ گدوانے اور گودنے والی عورتوں پر لعنت کیا کرتے ہیں، میں نے سارا قرآن پڑھ ڈالا مگر مجھے تو کہیں ایسی کوئی آیت نہیں ملی، جس میں گدوانے اور گودنے پر لعنت کی گئی ہو؟''.....قبیلہ اسد کی ایک خاتون نے کڑکتی آواز میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا، جو کچھ ساتھیوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔''

''جی ہاں میں ایسی عورتوں پر لعنت کیا کرتا ہوں۔'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا۔

''میں تو سمجھتی ہوں کہ آپ کی گھر والی بھی اس کام سے نہ بچی ہوگی۔'' خاتون نے جوش میں کہا۔

''بڑی بی! یہ الزام لگانے سے پہلے آپ تحقیق کرلیتیں تو زیادہ مناسب تھا۔'' حضرتؓ نے بڑی نرمی سے کہا۔

خاتون خاموش رہیں، پھر آپ نے فرمایا، ''بڑی بی! آپ پہلے میرے گھر جایئے اور میری بیوی سے مل کر آیئے۔ خدا گواہ ہے اگر میری بیوی نے اطاعت رسولؐ سے اس طرح سرتابی کی ہوتی تو میں کبھی اس کا منہ نہ دیکھتا۔''

آخر آپؓ اس کو رسولؐ کی نافرمانی کیوں کہتے ہیں؟'' خاتون نے پھر سوال کیا۔

''بڑی بی! کیا آپ نے قرآن پاک میں یہ آیت نہیں پڑھی ہے؟

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ الحشر 7:59

(رسولؐ جو کچھ تمھیں دیں اس کو اختیار کرلو۔ اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رُک جاؤ)

''جی ہاں ضرور پڑھی ہے۔'' خاتون نے اعتراف کیا۔

''تو سن لیجیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فعل پر لعنت فرمائی ہے۔''

عورت اپنی جگہ سے اٹھی، سلام کیا اور خاموشی سے واپس چلی گئی۔

نماز سے شغف

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار غزوہ سے واپس آرہے تھے، رات ہوگئی اور آپؐ نے ایک پہاڑی کے پاس پڑاؤ ڈال دیا۔ رات میں فوج اور سامان کی حفاظت کے لیے آپؐ نے دو صحابیوںؓ کو مقرر فرمایا۔ عمار ابن یاسرؓ اور عباد ابن بشرؓ۔ یہ دونوں بزرگ قریب کی پہاڑی پر چڑھ گئے جہاں سے دشمن کے آنے کا خطرہ ہوسکتا تھا اور پہرہ دینے لگے۔ عباد ابن بشر انصاریؓ کو اندیشہ ہوا کہ پوری رات ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم دونوں کی آنکھ لگ جائے اور دشمن اسلامی فوج کو کوئی نقصان پہنچادے۔ اس لیے انھوں نے حضرت عمار مہاجرؓ کے سامنے ایک تجویز رکھی۔

حضرت عبادؓ :۔ بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفاظت کی ذمہ داری ہم دونوں کو دی ہے اسے انجام دینے کے لیے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے وہ یہ کہ آدھی رات تک آپ سو جائیں میں جاگتا رہوں اور پھر آدھی رات میں سو جاؤں آپ جاگتے رہیں۔

تجویز معقول تھی حضرت عمارؓ نے فوراً منظور فرمالی اور سو گئے۔ ادھر حضرت عبادؓ نے نفل کی نیت باندھ لی اور نماز میں غرق ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دشمن نے تنہا ایک مسلمان کو کھڑے دیکھ کر ایک تیر مارا جو آپؓ کے بدن میں گھس گیا لیکن آپ بدستور کھڑے رہے اور دھیرے سے تیر نکال کر پھینک دیا۔ دشمن نے دوسرا تیر مارا، آپ نے وہ بھی نکال کر پھینک دیا اور رب کے حضور ادب سے کھڑے رہے۔ دشمن نے تیسرا مارا، وہ بھی آپ کے بدن میں لگا۔ آپ نے وہ بھی نکال پھینکا اور پھر پورے اطمینان و سکون کے ساتھ رکوع کیا اور نماز سے فارغ ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے مہاجر ساتھی کو جگایا۔ حضرت عمارؓ کے جاگتے ہی دشمن تو اس خوف سے بھاگ گیا کہ معلوم نہیں یہ لوگ کتنے ہوں۔ ادھر حضرت عمارؓ نے جو حضرت عبادؓ پر نگاہ ڈالی تو کیا دیکھتے ہیں کہ کپڑے خون میں تربتر ہیں، جسم سے خون جاری ہے، پریشان ہو گئے۔ واقعہ پوچھا۔ حضرت عبادؓ نے واقعہ سنایا تو کہنے لگے آپ نے فوراً مجھے جگا کیوں نہیں لیا۔ حضرت ابن بشرؓ نے جواب دیا، میں نے سورۂ الکھف شروع کر رکھی تھی اور میں قرآن میں کچھ ایسا محو ہو گیا کہ بغیر ختم کئے رکوع میں جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، لیکن جب دشمن برابر تیر برساتا رہا تو مجھے ڈر ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں زخموں کی تاب نہ لا کر مر جاؤں، تمھیں بھی نہ جگا سکوں اور حفاظت کی اس ذمہ داری میں کوتاہی ہو جائے جس پر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مقرر کیا ہے اور دشمن اسلامی فوج کو کوئی نقصان پہنچا دے۔ خدا کی قسم اگر یہ خوف نہ ہوتا۔ تو پوری سورت ختم کئے بغیر ہرگز رکوع نہ کرتا۔

آخری تمنّا

حضرت خبیب ابن عدیؓ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ ہجرت سے پہلے ہی اسلام لے

آئے تھے۔ بدر کی جنگ میں بھی شریک ہوئے تھے اور دشمن خدا حارث ابن عامر انھی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔

بدر کی جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عاصم ابن ثابتؓ کی سرکردگی میں دس افراد کی جو مختصر ٹولی مکہ والوں کے حالات معلوم کرنے لیے بھیجی تھی اس میں حضرت خبیبؓ بھی تھے۔ راستے میں ان لوگوں کو قبیلہ لحیان کے سو تیر اندازوں نے گھیر لیا۔ یہ لوگ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور کچھ دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے، آخر کار سات صحابیؓ شہید ہو گئے اور تین باقی رہ گئے۔ دشمنوں نے ان سے عہد کیا کہ ہم تمھیں قتل نہ کریں گے نیچے اتر آؤ۔ یہ لوگ نیچے اتر آئے لیکن کافروں نے بدعہدی کی اور کمانوں کی تانت کھول کر ان کے ہاتھ باندھ دیئے۔ حضرت عبداللہ ابن طارقؓ یہ ذلت برداشت نہ کر سکے، مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے۔

حضرت زیدؓ اور حضرت خبیبؓ کو یہ لوگ پکڑ کر مکے لائے اور یہاں فروخت کر دیا۔ حضرت خبیبؓ کو حارث ابن عامر کے بیٹوں نے اپنے باپ کے بدلے قتل کرنے کے لیے سو اونٹ دے کر خرید لیا اور ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

کئی مہینے آپ کو قید رکھا۔ جب حرمت والے مہینے گزر گئے تو مشرکین نے بڑے اہتمام کے ساتھ آپ کے قتل کی تیاری کی حرم سے باہر تنعیم میں آپ کے لیے سولی لٹکائی اور مکے کے تمام مرد و عورت، بوڑھے بچے دیکھنے کے لیے جمع ہوئے۔

سولی پر چڑھانے سے پہلے لوگوں نے آپ سے کہا کوئی آخری تمنا ہو تو بتاؤ۔ فرمایا، ''بس اتنی دیر ٹھیر جاؤ کہ میں آخری بار دو رکعت نماز پڑھ لوں اور بس۔'' یہ کہہ کر آپ نے نیت باندھ لی اور دنیا کی تمام تکلیفوں سے بے نیاز ہو کر اپنے رب سے مناجات کرنے میں مشغول ہو گئے۔ دو رکعت پڑھنے کے بعد بھی جب جی نہ بھرا تو فرمایا، تم یہ سمجھو گے کہ موت کے ڈر سے دیر کر رہا ہے ورنہ دو رکعت اور پڑھتا۔ اور پھر انتہائی بے نیازی اور اطمینان کے ساتھ یہ شعر پڑھتے ہوئے سولی کی طرف بڑھے۔

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ

جب میں مسلمان ہوکرقتل کیاجارہاہوں تومجھے کوئی غم نہیں ہے کہ میں اللہ کی راہ میں کس پہلو پر پچھاڑا جارہاہوں اور پھراس دعاکے ساتھ آپ سولی پر چڑھ گئے۔

''الٰہی میراسلام میرے اوراپنے محبوبؐ کوپہنچادے۔وحی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوحضرت خبیبؓ کاسلام پہنچا۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہاوعلیکم السلام،اورساتھیوں سے فرمایا تمھارے جانبازساتھی خبیبؓ کوبدنصیب کافروں نے اس وقت شہیدکردیا۔''

صحابہؓ کی شان

حضرت عمرؓ کےلڑکے حضرت عبداللہؓ ایک مرتبہ بازارمیں تھے کہ اتنے میں مسجد سے اذان کی آوازبلندہوئی اوردیکھتے ہی دیکھتے سارا بازارخالی ہوگیاسب لوگ اپنی دکانیں اورسامان چھوڑچھاڑکرمسجدکی طرف دوڑپڑے۔حضرت عبداللہؓ نے یہ منظردیکھ کرفرمایا،بےشک یہی وہ لوگ ہیں جن کی شان میں اللہ نےفرمایاہے۔''

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ النور 37:24

(مسجدوں میں ایسےلوگ ہیں جن کو،تجارت اورکاروباراللہ کی یادسے غافل نہیں کرتے)

نمازکاشوق

پیارے صحابہؓ کونمازکاایساشوق تھاکہ سخت سے سخت حالت میں بھی کبھی مسجد جانے سے نہ رُکتے۔اوربڑی سے بڑی تکلیف میں بھی کبھی نمازنہ چھوڑتے۔

(۱)۔ایک بارحضرت عمرؓ کوبہت گہرازخم لگا۔رات بھراس سےخون بہتارہااورآپ بےچین رہے،لیکن صبح کی نمازکے لیے جب لوگوں نے آپ کواٹھایاتوفرمایااللہ تمھارا بھلاکرے۔حقیقت یہ ہے کہ کہ جوشخص نمازچھوڑدے اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔چنانچہ اٹھے۔زخم سےخون جاری تھااورآپ نے اسی حالت میں نمازاداکرائی۔

(۲) پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی (نفل نمازیں بڑی لمبی پڑھتے) دیر تک قراءت فرماتے، کبھی کبھی تو سورۂ البقرہ اور آل عمران پڑھ ڈالتے، پھر لمبے لمبے رکوع اور سجدے کرتے، کبھی کبھی تو پوری پوری رات گزار دیتے، صحابہؓ بھی انتہائی شوق سے آپ کے ساتھ شریک ہوتے۔ ایک مرتبہ جب صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھا تو شوق میں وہ بھی شریک ہو گئے انھیں ایسی لذت محسوس ہوئی کہ صبح کو دوسرے لوگوں سے ذکر کیا۔ انھیں بھی شوق ہوا اور رات کو وہ بھی شریک ہو گئے۔ تین دن تک اسی طرح برابر شریک ہوتے رہے.....

جب آپؐ نے صحابہؓ کے ذوق وشوق کی یہ حالت دیکھی تو ایک رات کو مسجد نہیں آئے گھر ہی میں نماز پڑھی۔ لیکن صحابۂ کرامؓ بھی نماز کے شوق میں مسجد سے نہ ٹلے، بیٹھے انتظار کرتے رہے، جب بہت دیر ہو گی اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ آئے تو ان لوگوں نے طرح طرح سے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متوجہ کرنے کی کوشش کی کبھی کھانستے کھنکارتے، کبھی زور زور سے باتیں کرتے، کبھی دووازے پر کنکریاں مارتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی طرح باہر نہ آئے۔ لیکن جب بہت دیر ہو گئی اور صحابۂ کرامؓ اسی طرح جمے رہے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا، تمھاری ان باتوں سے مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ کہیں رات کی نماز (تہجد کی نماز) تم پر فرض نہ ہو جائے۔

(۳)۔ صحابہؓ کے اس ذوق شوق اور دن رات دین داری کے چرچوں کا یہ اثر تھا کہ عورتوں اور بچوں میں بھی نماز کا ایسا ہی شوق پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ابھی چھوٹے ہی سے تھے، لیکن رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کا اتنا شوق تھا کہ رات کو اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس سوتے اور جب رات میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر وضو فرماتے اور نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو خود ہی اٹھ جاتے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وضو کرتے اور پھر آپؐ کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔

نماز کی اہمیت

کھجوروں کے بہار کا موسم تھا۔ درختوں میں کھجوریں لدی ہوئی تھیں، خوشے بوجھ

سے جھکے پڑ رہے تھے، ایک انصاری صحابیؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کی نظر کھجوروں کی طرف اٹھ گئی۔ خیال اُدھر لگ گیا اور یہ بھی یاد نہیں رہا کہ کتنی رکعتیں رہ گئی ہیں۔ اس غفلت کا صحابیؓ کو اتنا صدمہ ہوا کہ اسی وقت یہ طے کیا ''یہ باغ اب آئندہ میرے پاس نہیں رہے گا۔'' حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، فوراً خلیفہ ثالث کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا ''یہ باغ میں نے اللہ کی راہ میں وقف کیا، آپ جہاں چاہیں اس کی رقم صرف فرمائیں۔'' حضرت عثمانؓ نے باغ پچاس ہزار روپے میں فروخت کر ڈالا اور یہ سارا روپیہ دین کے کاموں میں لگا دیا۔ یہ باغ چونکہ پچاس ہزار روپے میں فروخت ہوا تھا اس لیے اس کا نام ہی خمسن پڑ گیا۔

جماعت کا اہتمام

صحابہ کرامؓ جماعت کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی مسلمان جماعت سے نماز نہ پڑھے۔ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں ہمارے زمانے میں جماعت کی نماز میں وہی لوگ نہیں آتے تھے جو جانے پہچانے منافق تھے۔ صحابہؓ کا تو یہ حال تھا کہ بعض معذور لوگ جو خود مسجد نہیں آسکتے تھے۔ دو دو آدمیوں کا سہارا لے کر آتے اور جماعت سے نماز پڑھتے۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک قبیلہ بنو سلمہ تھا۔ یہ لوگ مسجد نبویؐ سے بہت دور ایک محلہ میں رہا کرتے تھے، لیکن سب لوگ کوشش کرتے کہ پانچوں وقت کی نمازیں مسجد نبویؐ میں جماعت سے پڑھیں۔ مگر ہر موسم میں ان کے لیے پانچوں وقت اتنی دور سے آنا بہت دشوار تھا۔ کبھی سخت لو چل رہی ہے، کبھی گھپ اندھیرا ہے، کبھی بارش ہے۔ ان پریشانیوں کو دیکھ کر ان لوگوں نے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ہم لوگ مسجد نبویؐ کے قریب بسنا چاہتے ہیں۔ لیکن پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تم وہیں رہو تمھارے یہاں آنے سے وہ محلہ ویران ہو جائے گا اور وہاں سے جو قدم تم مسجد میں آنے کے لیے اٹھاؤ گے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمھیں اجر و ثواب دے گا۔

(۲)۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابیؓ شہر کے ایک انتہائی کنارے پر رہا کرتے تھے،لیکن ہروقت کی نمازرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد نبویؐ میں جماعت سے پڑھا کرتے ،بارش،اندھیرا،کیچڑکوئی چیز بھی انھیں جماعت کی شرکت سے نہ روکتی۔ایک مرتبہ ان کے اس شوق کودیکھ کرایک صحابیؓ نے کہا۔کیااچھاہوکہ آپ سواری کے لیے ایک گدھاخریدلیں اندھیری رات میں سانپ بچھوکاخطرہ،ٹھوکرلگنے کاخطرہ،دھوپ ہوتوریتلی زمین پیروں کے جھلسنے کاخطرہ اورآپ برابر پیدل ہی اتنی دور سے آتے ہیں۔فرمایا،ارے تم نے عجیب بات کہی۔کیاتمھیں معلوم نہیں سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''تم جماعت کے لیے جوقدم اٹھاتے ہواللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تمھارے لیے اجروثواب لکھتا ہے۔'' میں تومسجد نبویؐ کے قریب بھی رہنے کی خواہش نہیں کرتا''۔

خشوع وخضوع

خشوع اورخضوع نمازکی جان ہے،اگرنماز میں خشوع اورخضوع نہیں ہےتووہ ایک ایسا جسم ہےجس میں روح نہیں ہے۔

(۱)۔خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرصدیقؓ ویسے بھی رقیق القلب تھے،اکثر روتے رہتے لیکن نماز میں توآپ کی عجیب کیفیت ہوجاتی کہ مسلمان تومسلمان کافروں کی عورتیں اور بچے اس منظر سے متاثر ہوتے۔

(۲) خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب نماز کاوقت آتاتوگہری سوچ میں ڈوب جاتے،بدن کانپنے لگتااورچہرے کارنگ زرد پڑجاتا۔ایک بار کسی نے ان سے پوچھاحضرت یہ کیابات ہے؟

نہایت رقت بھری آواز میں فرمایا۔ بھائی امانت ادا کرنے کاوقت آگیا۔جانتے ہو یہ کون سی امانت ہے؟ یہ وہ امانت ہےجس کے اٹھانے سے زمین وآسمان اور پہاڑوں نے انکارکردیااورانسان نے اس امانت کواٹھایا۔ بتاؤاس امانت کاادا کرنا کوئی آسان بات ہے۔

وقت کی پابندی

صحابہ کرامؓ نماز کے وقت کی بھی پوری پوری پابندی فرماتے اور ہمیشہ ٹھیک وقت پر نماز پڑھتے کیا مجال کبھی وقت نکل جائے چاہے کیسا ہی ضروری کام ہو۔

(۱) ایک بار پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک بہت ہی پر خطر کام کے لیے بھیجا۔ ابھی وہ اپنی منزل مقصود سے اِدھر ہی تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ سوچا ایسا نہ ہو کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے عصر کا وقت تنگ ہو جائے۔ اس لئے انھوں نے آگے بڑھتے ہوئے نیت باندھی اور اشاروں ہی اشاروں میں نماز ادا کر لی۔

(۲)۔ ایک دن کچھ لوگ ظہر کی نماز کے بعد حضرت انس ابن مالکؓ کے پاس پہنچے۔ وہ لوگ آپ سے کچھ گفتگو کرنی چاہتے تھے کہ آپ اٹھ کر عصر کی نماز کے لیے چلے گئے۔ جب نماز پڑھ کر آئے تو لوگوں نے کہا حضرت آپ نے عصر کی نماز بڑی جلدی پڑھ لی۔ آپ نے فرمایا ہاں عصر کی نماز میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "یہ منافقین کی نماز ہے، یہ منافقین کی نماز ہے، یہ منافقین کی نماز ہے کہ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں، اور جب سورج کی ٹکیا زرد ہونے لگتی ہے تو چار رکعتیں جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں اور ذرا بھی اس میں خدا کو یاد نہیں کرتے۔"

تہجد کا اہتمام

تہجد کی نماز فرض تو نہیں ہے لیکن صحابہ کرام جس اہتمام سے تہجد کی نماز پڑھتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے لیے رات کی یہ نماز کیا اہمیت رکھتی ہے، قرآن شریف ہی بھی مومنوں کی تعریف میں کئی جگہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ سحر کے سہانے وقت میں اپنے رب سے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کو یاد کرنے کا بہترین وقت ہے اور قرآن پڑھنے اور سمجھنے کا بھی بہترین وقت ہے۔

(۱)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تہجد کی نما کا بڑا اہتمام فرماتے۔ خود تو اٹھتے ہی لیکن اپنے

بیوی بچوں کو بھی جگاتے اور نماز میں شریک کرتے۔اپنے گھر والوں کو جب شب میں جگاتے تو یہ آیت پڑھتے

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ طٰہٰ 132:20

(اور اپنے گھر کے لوگوں کو نماز کا حکم کر دو اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو)

(۲)۔حضرت ابو ہریرہؓ نے تو مستقل طور پر شب بیداری کے لیے ایک پروگرام بنالیا تھا۔گھر میں تین آدمی تھے،ایک یہ،ایک ان کی بیوی اور ایک خادم۔ان بزرگوں نے رات کے تین حصے کر لیے تھے،ہر ایک اپنے حصے میں رب کے حضور کھڑا ہوتا اور جب اس کا وقت ختم ہو جاتا تو دوسرے کو جگا کر خود سو جاتا۔اسی طرح پھر دوسرا کرتا۔اور اسی طرح مستقل طور پر پروگرام جاری رہتا۔

جنت میں نبیؐ کے ساتھ

حضرت ربیعہؓ شب میں نبی ﷺ کے ساتھ رہتے کہ تہجد کی نماز کے لیے آپ ﷺ کی کچھ خدمت کر سکیں۔جب آپؐ تہجد کے لیے بے دار ہوتے تو حضرت ربیعہؓ وضو کے لیے پانی،مسواک اور مصلّے وغیرہ کا انتظام فرماتے۔

ایک شب نبی ﷺ نے ان کی خدمت سے خوش ہو کر فرمایا.....''ربیعہؓ مانگو کیا مانگتے ہو؟''

''میری تو بس ایک ہی آرزو ہے یا رسول اللہؐ! کہ جنت میں آپؐ کا ساتھ رہے؟'' حضرت ربیعہؓ نے کہا۔

''بس یہی ایک آرزو ہے یا کچھ اور بھی؟'' مہربان آقا نے پوچھا۔

''بس یہی آرزو ہے یا رسول اللہؐ! حضرت ربیعہؓ نے کہا۔

.....''تو سجدوں کی کثرت سے میری مدد کیا کرو۔'' خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا۔(ابوداؤد)

نماز میں یکسوئی

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ ایک مرتبہ گھر میں نماز پڑھ رہے تھے کے چھوٹے سے صاحب رادے ہاشم قریب ہی سو رہے تھے۔ اتفاق کی بات کہ چھت سے ایک خوف ناک سانپ گرا اور ہاشم کو لپٹ گیا۔ ہاشم گھبرا کر اٹھے اور چیخنے لگے۔ گھر کے لوگ بھی چیخ کر دوڑے اور ایک کہرام مچ گیا۔ گھر کے سارے ہی لوگ پریشان تھے کہ معصوم بچے کو موت کے منہ میں سے کیسے نکالیں آخر کار کسی طرح سانپ کو مارا اور بچے کی جان بچی۔

لیکن حضرت عبداللہؓ اسی طرح پورے اطمینان سکون اور یک سوئی کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور ذرا بھی اس شور اور ہنگامے سے آپ کی نماز میں انتشار نہ ہوا اطمینان کے ساتھ جب آپ نے سلام پھیرا تو گھر کے لوگوں سے پوچھا۔ نماز کے دوران کچھ شور کی سی آواز آئی تھی، خیر تو ہے کیا بات تھی۔ بیوی نے کہا ہائے اللہ! آپ کو کوئی خبر ہی نہیں، یہاں تو بچے کی جان ہی گئی تھی اور ان کو کوئی خبر ہی نہیں۔ ایسی بھی کیا غفلت! حضرت عبداللہؓ نے بیوی کی باتیں سُن کر فرمایا۔ محترمہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ خدا کے آگے کھڑا تھا۔ کیا خدا کے سامنے کھڑے ہو کر ادھر ادھر توجہ کرتا کیا اس گستاخی کے ساتھ بھی نماز نماز ہوتی۔

نماز کی برکت

حضرت عبدالعزیز ابن مروان مصر کے گورنر تھے۔ جب ان کے بیٹے عمرؒ نے ہوش سنبھالا تو آپ کو ان کی تعلیم و تربیت کی فکر ہوئی اور آپ نے ان کو مدینہ صالح ابن کیسان کے پاس تعلیم و تربیت کے لیے بھیج دیا۔ حضرت صالح نے بڑی محنت اور توجہ سے ان کی تربیت فرمائی۔ خاص طور پر نماز کی تاکید فرماتے اور نماز میں کوتاہی کو ہرگز برداشت نہ کرتے.....

ایک دن اتفاق سے عمرؒ نماز میں دیر سے پہنچے۔

نماز سے فراغت کے بعد حضرت صالح نے شاگرد کو تنبیہ کی اور پوچھا..... دیر سے کیوں آئے۔

عمرؒ:۔ حضرت میں بال سنوار رہا تھا۔

صالح:۔ اچھا اب بالوں کی طرف اتنی توجہ ہوگئی ہے کہ نماز میں تاخیر ہونے لگی۔ ایسے بال سر پر کیسے رکھے جاسکتے ہیں جو نمازوں میں تاخیر کا سبب بنیں۔

فوراً حضرت صالح نے گورنر مصر عبدالعزیز کو خط لکھ بھیجا اور پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ لکھا۔ عقل مند باپ نے فوراً ایک آدمی کو مدینہ بھیجا اور یہ تاکید کی مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے عمر کے بال منڈواؤ اور اس کے بعد کسی سے بات کرنا۔

اسی حسن تربیت اور نماز کی پابندی کی برکت تھی کہ عمر عمر ثانی کہلائے اور تاریخ کی ایک زندہ جاوید ہستی بنے۔ اور جب انھوں نے خلافت سنبھالی تو لوگوں نے پھر ایک بار اپنی آنکھوں سے خلافت راشدہ کا مبارک دور دیکھ لیا۔

نماز میں سکون

حضرت خلف ابن ایوب جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا کسی نے لکڑی گاڑ دی ہے، بدن میں ذرا بھی حرکت نہیں ہوتی۔ ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر ایک بار کسی نے ان سے پوچھا حضرت آپ کو نماز میں مکھیاں پریشان نہیں کرتیں؟''

فرمایا۔ بھائی تم نے بھی خوب سوال کیا، بڑے بڑے فاسق اور بدکار لوگ حاکموں کے کوڑے کھاتے ہیں اور ذرا حرکت نہیں کرتے بلکہ اپنی برداشت اور بہادری پر اتراتے ہیں اور فخر کے ساتھ بیان کرتے پھرتے ہیں کہ میرے اتنے کوڑے مارے گئے مگر ذرا جو حرکت کی ہو، کوڑے پر کوڑے برستے رہے مگر میں ہلا تک نہیں۔ تم ہی بتاؤ بدکاروں اور فاسقوں کا کوڑے کھا کر یہ حال ہو اور میں اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ پاؤں ہلاؤں، لوگ تو کوڑے کھائیں اور حرکت نہ کریں اور میں ایک حقیر سی مکھی سے گھبرا کر ربّ عظیم کے دربار میں گستاخی کروں۔!

تہجد کا صلہ

(۱)۔ حضرت ابوبکر ضریرؒ فرماتے ہیں میرے پاس ایک نوجوان غلام تھا۔ وہ بڑا ہی

عبادت گزار اور شب بے دار تھا، تہجد کا بھی اہتمام کرتا اور روزے بھی کثرت سے رکھتا۔

ایک دن وہ آیا اور اپنا واقعہ بیان کرنے لگا کہ رات میں نے ایک خواب دیکھا۔ ہوا یہ کہ رات میں تہجد کی نماز کے لیے نہ آٹھ سکا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ محراب کی دیوار شق ہوگئی اور اس میں سے چند نہایت ہی حسین وجمیل لڑکیاں نمودار ہوئیں..... مگر انھیں میں ایک نہایت بدصورت بھی ہے۔ میں نے ان حسین دوشیزاؤں سے پوچھا تم کون ہو؟ اور اس بدصورت لڑکی کے بارے میں پوچھا کہنے لگیں..... ہم سب تمھاری گذشتہ راتیں ہیں اور اس بدصورت لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا، یہ تمھاری آج کی رات ہے۔

(۲)۔ ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں ''ایک شب مجھے ایسی گہری نیند آئی کہ آنکھ نہ کھلی، میں نے خواب میں ایک ایسی حسین وجمیل دوشیزہ کو دیکھا کہ زندگی میں کبھی ایسی حسینہ نہ دیکھی تھی۔ وہ خوش بو میں بسی ہوئی تھی، ایسی مہک میں نے کبھی زندگی میں محسوس نہ کی تھی۔

وہ میرے قریب آئی اور ایک کاغذ کا پرچہ میرے حوالے کیا..... میں نے پڑھا، اس میں تین شعر لکھے ہوئے تھے۔ جن کا مطلب تھا ''تم نیند کی لذتوں میں کھو گئے ہو اور جنت کے بالا خانوں سے غافل ہو گئے ہو، حالانکہ وہیں تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اٹھو نیند سے بے دار ہو، سونے سے تہجد میں قرآن پڑھنا بہت بہتر ہے..... اس کے بعد اگر کبھی مجھ پر نیند کا غلبہ ہوتا تو فوراً یہ واقعہ یاد آتا اور نیند اُڑ جاتی۔

(۳)۔ شیخ مظہر سعدیؒ نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ وہ ایک حسین نہر کے کنارے کھڑے ہیں..... نہر کے کنارے نہایت ہی حسین اور شاداب پیڑ کھڑے ہیں اور اور اس کی حسین شاخیں لہلہا رہی ہیں۔ اور چند نہایت حسین اور جوان لڑکیاں بلند آواز سے خدا کی حمد و تسبیح میں مشغول ہیں۔

انھوں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ تم کون ہو؟ جواب میں ان پاکیزہ حوروں نے دو شعر پڑھے۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ ''ہمیں بندوں کے معبود اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردگار نے ان لوگوں کے لیے پیدا کیا ہے جو شب میں اپنے پروردگار کے حضور اس کے قدموں

میں کھڑے رہتے ہیں اور اس سے مناجات میں مشغول ہوتے ہیں۔ (۱)

عبادت کی برکت

حضرت شیخ ابوعبداللہؒ بڑے ہی خدا رسیدہ بزرگ تھے، وہ ایک مزدور لڑکے کا عجیب وغریب واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک دن امیّ جان نے والد صاحب سے کہا، نہ جانے کیوں آج مچھلی کو بہت دل چاہ رہا ہے، موقع ہو تو لے آؤ۔ والد صاحب بازار جانے لگے تو مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ بازار پہنچ کر ابا جان نے ایک بڑی سی مچھلی خرید لی، اب مزدور کی تلاش ہوئی کہ مچھلی گھر تک پہنچائی جائے۔ پاس ہی ایک نوخیز لڑکا کھڑا تھا، بولا۔ کیا آپ کو مزدور کی تلاش ہے، آپ فرمائیں تو میں مچھلی پہنچا دوں۔ اور ابا نے مچھلی اس کو اٹھوا دی۔ ہم لوگ ابھی گھر سے کافی فاصلے پر تھے کہ قریب کی مسجد سے موذّن کی آواز بلند ہوئی۔ اذان کی آواز سنتے ہی وہ لڑکا رُک گیا۔ مچھلی اُتار کر نیچے رکھی اور بڑی عاجزی سے بولا، اگر آپ انتظار کر سکتے ہوں تو ٹھیرے رہیں، ورنہ کسی اور سے معاملہ کر لیجیے، میں نماز پڑھے بغیر نہیں جا سکتا۔ مجھے وضو بھی کرنا ہے اور جواب کا انتظار کئے بغیر وہ مسجد میں چلا گیا۔

ابّا چند لمحے کھڑے رہے، پھر بولے ”آؤ بیٹے ہم بھی نماز پڑھ لیں۔ مچھلی یہیں چھوڑ دو۔ اللہ پر بھروسا کرو۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ مزدور لڑکا تو اس طرح اپنی مزدوری کی فکر کئے بغیر اذان سن کر مسجد کو دوڑ پڑے اور ہم مچھلی کی فکر میں جماعت کی نماز چھوڑ دیں اور ہم لوگ مچھلی کو وہیں چھوڑ کر مسجد میں چلے گئے۔ اطمینان سے نماز پڑھی، اور باہر آئے، مچھلی وہیں رکھی تھی، مزدور لڑکا بھی نماز پڑھ کر آ گیا اور مچھلی لے کر ہمارے ساتھ چلنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ہم گھر پہنچ گئے۔ ابا جان مزدور لڑکے کے طرزِ عمل سے بہت متاثر تھے۔ گھر پہنچتے ہی انھوں نے یہ عجیب وغریب واقعہ امی جان کو سنایا۔ وہ بولیں ”اس کو روک لو مچھلی چند منٹ میں تیار ہوتی ہے، یہ بھی ساتھ میں کھا لے گا۔“

---

(۱) یہ تینوں واقعات علامہ ہجویری نے نقل فرمائے ہیں۔

''ابا نے مزدور لڑکے سے کہا'' صاحب زادے ذرا دیر رُکو، کھانا کھا کر چلے جانا۔''

''نہیں جناب! میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ میرا روزہ ہے۔'' لڑکے نے جواب دیا۔

''تو پھر شام کو ہمارے یہاں افطار کر لینا۔'' ابا نے لڑکے سے کہا۔

''وعدہ نہیں کر سکتا، اگر شام کو یہیں کہیں قریب کی مسجد میں ہوا تو ضرور حاضر ہوں گا اور آپ کے ساتھ کھانا کھالوں گا۔ لڑکے نے جواب دیا اور چلا گیا۔

شام ہوئی تو ہم اس کا انتظار کرنے لگے۔ اور اس شوق کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، جیسے کسی بڑے ہی معزز اور عزیز مہمان کا انتظار کیا جاتا ہے۔

مغرب کی نماز کے بعد وہ لڑکا آیا۔ ہم نے اس کو کھانا کھلایا۔ اور قریب ہی ایک خالی کمرے میں اس سے رات گزارنے کے لیے کہا، اس نے ہماری درخواست منظور کر لی.....

ہمارے پڑوس میں ایک خاتون رہتی تھیں جو ہاتھ پیروں سے معذور تھیں، ہم نے دیکھا کہ وہ آ رہی ہیں اور ان کے دونوں پیر اور ہاتھ بالکل صحیح سلامت ہیں، بڑی حیرت ہوئی ہم نے اس سے پوچھا تو بولی: تمھارا مہمان بڑا خدا رسیدہ ہے، اس کی نیکی اور عبادت گزاری دیکھ کر میں نے خدا سے دعا کی کہ پرودگار تو اپنے اس نیک بندے کے طفیل مجھے تندرستی عطا فرما اور میں خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھی ہو گئی۔''

ہمارا اشتیاق اور بڑھا اور ہم نے کہا، چلو اس مہمان سے ملاقات کریں، چنانچہ ہم لوگ اس سے ملنے کے لیے پہنچے، دیکھا کہ کمرہ بند ہے اور وہ مہمان جا چکا ہے.....اور پھر کبھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔

نماز کے لیے ذہنی تیاری

مشہور امام احمد ابن حنبلؒ کے زمانے میں حضرت حاتم اصمؒ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ یہ بہت ہی نیک، خدا ترس، عبادت گزار اور بڑے زبردست عالم تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا حضرت ذرا اپنی نماز کی کیفیت تو بیان کیجئے کہ ہم بھی اپنی نمازوں کو سدھار سکیں۔ فرمایا سنو!

نماز کا وقت آتے ہی میں وضو کرنے بیٹھ جاتا ہوں، وضو کے بعد ادھر اُدھر کی باتوں میں نہیں لگتا اس جگہ پہنچتا ہوں جہاں مجھے نماز پڑھنی ہوتی ہے اور وہاں تھوڑی دیر سکون کے ساتھ چپ چاپ بیٹھ جاتا ہوں، جب اچھی طرح سکون ہو جاتا ہے تو نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا ہوں، اور یہ سوچتا ہوں کہ اللہ کا پاک گھر کعبہ میرے سامنے ہے، پل صراط میرے پاؤں کے نیچے ہے، جنت میرے دائیں جانب ہے اور جہنم میرے بائیں جانب اور موت کا فرشتہ میرے پیچھے کھڑا ہے،.....اور پھر یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ آخری نماز ہے۔ معلوم نہیں اس کے بعد مجھے نماز پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے، پھر پورے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتا ہوں۔

میرے عزیز! اس کیفیت اور تصور کے ساتھ ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں لیکن کبھی اپنی نماز پر اترتا نہیں۔، بلکہ اللہ سے ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں کوئی کوتاہی اور بے ادبی نہ ہو گئی ہو کہ پکڑ ہو جائے۔ اور اس سے امید بھی رکھتا ہوں کہ وہ بڑا مہربان ہے قبول فرمائے تو بیڑا پار ہے۔ اسی طرح امید و خوف کی حالت میں زندگی گزارتا ہوں۔

اسلاف کا قول و عمل اور نماز

(۱)۔ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔ (فاروق اعظمؓ)

(۲)۔ میرے نزدیک تمھارے اہم مسائل میں نماز سب سے اہم مسئلہ ہے جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے پورے دین کو محفوظ کر لیا۔ اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا، وہ باقی دین کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔ (فاروق اعظمؓ)

(۳)۔ جب نماز کا وقت آتا تو حضرت علیؓ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا، جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔ ''اس عظیم امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا۔ جس کے اٹھانے کی ہمت زمین و آسماں اور پہاڑ نہ کر سکے۔''

(۴)۔ حضرت حسنؓ جب وضو فرماتے تو چہرے کا رنگ فق ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا، حضرت یہ کیا بات ہے؟ فرمایا ''ایک بڑی ہی قدرت و دبدبے والے کے دربار میں

حاضری کا وقت آ گیا ہے۔'' پھر وضو فرما کر مسجد جاتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے.....

میرے اللہ! تیرا غلام تیرے دروازے پر کھڑا ہے۔ اے میرے محسن! خطا کار بندہ تیرے حضور حاضر ہے۔ تیرا یہ حکم ہے کہ اچھے لوگ بُروں سے درگزر کا برتاو کریں، تو محسن ہے اور میں خطا کار ہوں، اے کریم! تو اپنی خوبیوں کی بدولت میری خطاوں سے درگزر فرما!۔''

(۵)۔ حضرت ابوالدرداؓ نے حضرت سلمانؓ کو خط میں لکھا ''اپنے وقت کا زیادہ حصہ مسجد میں گزارا کرو۔ میں نے حضورؐ سے سنا ہے مسجد متقی کا گھر ہے۔''

(۶)۔ جب تم رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے کی ہمت نہیں رکھتے تو سمجھ لو کہ تم محروم ہو۔'' (فضیل ابن عیاض)

(۷)۔ مکہ معظّمہ کے گورنر عتاب بن اسید نے ایک بار بڑے جوش میں فرمایا ''میں اس سر کو قلم کر دوں گا۔ جو نماز با جماعت سے جی چرانے کی ہمت کرے گا۔''

(۸)۔ بیس سال کی لمبی مدت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور میں پہلے سے مسجد میں موجود نہ ہوں۔'' (سعید بن مسیبؒ)

(۹)۔ نماز کی توقیر یہ ہے کہ تم مسجد میں اقامت سے پہلے پہنچ جاو (سفیان بن عیینہ)

(۱۰)۔ حضرت حاتم زاہد بلخیؒ ایک بار جماعت سے نماز ادا نہ کر سکے۔ بڑا غم ہوا۔ ان کی پریشانی دیکھ کر کچھ ملنے والوں نے مزاج پرسی کی۔ تو اور زیادہ رونے لگے اور فرمایا اگر میرا بیٹا مر جاتا تو آج آدھا بلخ تعزیت کے لئے میرے گھر آ جاتا۔ لیکن نماز با جماعت رہ گئی تو دو چار دوستوں کے سوا کوئی بھی تعزیت کے لئے نہیں آیا۔

(۱۱)۔ حضرت ربیعؒ فرماتے ہیں ''جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو مجھ پر یہ فکر سوار ہوتی ہے کہ مجھ سے کیا کیا سوال و جواب ہوں گے۔؟''

(۱۲)۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا، حضرت آپ کو نماز میں بھی کوئی دوسری چیز

یاد آتی ہے؟ فرمایا کیا نماز سے بھی زیادہ کوئی محبوب چیز ہے جو نماز میں یاد آئے۔

(۱۳)۔نماز روزی کو کھینچنے والی اور صحت کی حفاظت کرنے والی ہے۔ بیماریوں کو دور کرنے والی ہے، نماز سے دل کو قوت ملتی ہے اور چہرے کو حسن اور نور حاصل ہوتا ہے، نماز روح کو فرحت دیتی ہے، اعضا میں نشاط پیدا کرتی ہے اور سستی دور کرتی ہے نماز تو شرح صدر کا ذریعہ ہے، روح کی غذا اور دل کا نور ہے۔نماز، انعام الٰہی کی حفاظت کرنے اور عذاب الٰہی سے بچانے والی ہے۔شیطان سے دوری اور رحمان سے قرب کا ذریعہ ہے روح اور جسم کی صحت میں اس کو خصوصی دخل ہے۔اور دونوں چیزوں میں اس کی عجیب وغریب تاثیر ہے۔دنیا اور آخرت کی مضرتوں کو دور کرنے اور دونوں عالم کے فوائد کو حاصل کرنے میں نماز کا خاص حصہ ہے۔ (ابن قیم زادالمعاد)

حضرت جنید بغدادیؒ کی کرامت

حضرت جنید بغدادیؒ کو خدا نے وہ مقبولیت بخشی جو کم ہی بزرگوں کے حصے میں آئی ۔ایک بار کسی عقیدت مند نے حضرت سری سقطیؒ سے پوچھا۔''حضرت! کوئی مرید اپنے مرشد سے بلند رتبہ بھی ہوا ہے؟''فرمایا،''ہاں کیوں نہیں! جنید ہی ہیں اللہ نے انھیں مجھ سے بلند رتبہ دیا ہے۔''

حضرت جنیدؒ کی شہرت اور بزرگی کا حال سن کر ایک شخص شوق وعقیدت میں دور دراز کا سفر کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور آپ کے یہاں رہنے لگا۔ چند یوم قیام کرنے کے بعد جب اس نے واپس جانے کی اجازت چاہی تو حضرت نے پوچھا۔

''بھائی! آپ کئی روز یہاں رہے، لیکن آپ نے مجھ بتایا نہیں کہ کیسے آئے تھے، اور اب کیوں جا رہے ہیں؟''

''حضرت! آپ نہ پوچھیں تو اچھا ہے، میں تو نہ جانے کیا کیا سن کر آیا تھا لیکن افسوس کہ یہاں سے مایوس جا رہا ہوں۔''مسافر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آخر معلوم تو ہو کہ آپ کیا سن کر آئے تھے اور کیوں آپ کو مایوسی ہوئی ؟'حضرت

نے پوچھا۔

''میں نے سنا تھا کہ بغداد میں ایک بڑے صاحب کرامت بزرگ ہیں، میں اسی شوق میں یہاں حاضر ہوا، لیکن اتنے دنوں تک یہاں رہا، اور مجھے کوئی ایک کرامت بھی نظر نہیں آئی۔'' مسافر نے وضاحت کی۔

حضرت خاموشی کے ساتھ اس شخص کی باتیں سنتے رہے پھر فرمایا ''اچھا بھائی یہ تو بتایئے، آپ اتنے دنوں تک یہاں رہے آپ نے کوئی ایسی بات تو نہیں دیکھی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنت کے خلاف ہو؟''

''نہیں حضرت! سُنت کے خلاف تو کوئی بات نہیں دیکھی۔ ہر ہر معاملے میں سُنت کا کامل اتباع دیکھا۔'' مسافر نے اعتراف کیا۔

حضرت نے فرمایا ''بھائی! جنید کی کرامت وولایت تو بس یہی ہے۔''

''زکاۃ'' حضرت شبلیؒ کی نظر میں

''زکاۃ کتنے مال پر واجب ہوتی ہے؟'' فقہ وقانون کی کتاب پڑھنے والے ایک فقیہ نے حضرت شبلیؒ سے پوچھا۔

''دوسو درہم پر جب پورا سال گزر جائے تو پانچ درہم زکاۃ ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر تمھارے پاس بیس دینار ہوں تو سال پورا ہونے پر آدھا دینار زکاۃ واجب ہو جاتی ہے، مگر یہ مسئلہ تمھاری کتاب اور فقہ کے مسلک کا ہے۔ میرے مسلک کی رو سے تو مسئلہ یہ ہے کہ اتنا مال تمھارے پاس سال بھر تک رہے کیوں جو زکاۃ کا سوال پیدا ہو۔'' حضرت شبلیؒ نے وضاحت فرمائی۔

''اس مسلک میں آپ کے امام کون ہیں فقیہ نے حضرت شبلیؒ سے پوچھا۔''

اس مسلک میں میرے امام خاتم الرسولؐ کے خلیفہ ابوبکر صدیقؓ ہیں۔''

غزوہ تبوک میں جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے انفاق کی اپیل کی اور صحابہؓ نے دل کھول کر خدا کی راہ میں اتنا اتنا دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ اور عمر

فاروقؓ نے اپنے سارے مال واسباب کا آدھا لا کر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ایک مختصر سی گٹھری لئے ہوئے آئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ڈال دی۔

''حضرت! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ حاضر ہے، یہ میرا کل اثاثہ ہے۔''

''تم کل اثاثہ لے آئے! ابوبکر تم نے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں مسرت کے موتی تیر رہے تھے۔

''حضورؐ! گھر والوں کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کافی ہیں۔'' ابوبکر صدیقؓ نے یقین وایمان کی زبان میں جواب دیا۔

''یہ ہیں میرے مسلک کے امام۔'' حضرت شبلیؒ نے پر جوش لہجے میں جواب دیا۔ کیا خوب کہا ہے حضرت علیؓ نے۔

فَمَا وَجَبَتْ عَلَیَّ زَکَاۃُ مَالٍ
وَھَلْ یَجِبُ الزَّکَاۃُ عَلَی الْجَوَادِ

مجھ پر مال کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔ بھلا سخی اور فیاض پر بھی کہیں زکاۃ واجب ہوتی ہے؟

حج۔ حضرت جنید بغدادیؒ کی نظر میں

''تم کہاں سے آرہے ہو؟ حضرت اُس مسافر کی طرف متوجہ ہوئے جو آپ سے ملنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

''حضرت میں بیت اللہ کا حج کر کے واپس آرہا ہوں۔'' مسافر نے کہا۔

تم حج کر کے آئے ہو؟ کیا تم نے حج کر لیا ہے؟ حضرت نے ذرا حیرت واستعجاب کے لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں حضرت میں خانہ خدا سے واپس آرہا ہوں۔ میں نے حج کے سارے ارکان

ادا کئے اور حج کا عظیم فرض ادا کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ مسافر نے پر جوش لہجے میں وضاحت کی۔

''جس وقت تم حج کے ارادے سے روانہ ہوئے اور تم نے گھر بار چھوڑا تھا۔ کیا اس وقت سارے چھوٹے بڑے گناہ بھی چھوڑ دیئے تھے؟'' حضرت نے پروقار لہجے میں دریافت فرمایا:

''حضرت اس کا تو میں نے کوئی خیال نہیں کیا۔ بس ارادہ کیا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔'' مسافر نے حقیقت کا اظہار کیا۔

''تو پھر تم حج کے لئے نکلے ہی نہیں۔'' حضرت نے ذرا اونچی آواز میں فرمایا پھر پوچھا۔ ''اچھا یہ بتاو، تم نے سفر حج میں کتنے ہی شب و روز بتائے۔ تم نے جو جو منزلیں طے کیں اور راتوں میں جہاں جہاں قیام کئے کیا اس دوران تم نے خدا کے تقرب کی منزلیں بھی طے کیں۔ اور قرب الٰہی کے مقامات طے کرنے کا بھی اہتمام کیا؟''

''حضرت اس بات کا تو مجھے خیال بھی نہیں تھا۔'' مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔

''تو پھر تم نے نہ تو خانہ خدا کی طرف سفر ہی کیا۔ اور نہ اس راہ کی کوئی منزل ہی طے کی۔''

حضرت نے پرسوز انداز میں مسافر سے خطاب کیا۔ پھر پوچھا۔ ''اچھا یہ بتاؤ، تم نے جب احرام باندھا اور اپنے روزانہ کے استعمال کا لباس اتار کر الگ کیا تو تم نے اس کے ساتھ اپنی بُری عادتوں اور خصلتوں کو بھی اپنے سے علیحدہ کیا یا انھیں اوڑھے رہے؟''

''حضرت میں نے تو اس طرح سوچا ہی نہیں تھا۔'' مسافر نے صاف صاف حقیقت بیان کی.....

''تو پھر تم نے احرام بھی نہیں باندھا۔ حضرت نے اظہار خیال فرمایا۔

پھر پوچھا۔ ''یہ بتاؤ، جب تم میدان عرفات میں گئے تو ہاں تمھیں مشاہدے کا کشف بھی ہوا؟''

''حضرت کیا مطلب؟'' مسافر نے کہا۔

''مطلب یہ ہے کہ تم نے وہاں یہ کیفیت بھی اپنے اندر محسوس کی کہ گویا میرا پروردگار میری نگاہوں کے سامنے موجود ہے۔اور میں اس کے دیدار سے آنکھیں روشن کر رہا ہوں۔'' حضرت نے وضاحت کی۔

''حضرت !ایسی بات تو میں نے بالکل محسوس نہیں کی۔ میں نے تو بس ایک فریضہ ادا کیا۔'' مسافر نے اپنی حالت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر تم نے وقوفِ عرفات کیا ہی نہیں۔تم عرفات پہنچے ہی نہیں'' حضرت نے ذرا زور دے کر کہا۔

''پھر تم مزدلفے گئے؟'' حضرت نے پوچھا۔

''جی ہاں مزدلفہ بھی۔ پہنچا۔'' مسافر نے جواب دیا۔

''جب تم مزدلفے گئے تو وہاں تم نے نفسانی خواہشات سے کنارہ کشی بھی اختیار کی یا نہیں؟''

حضرت نے دریافت فرمایا۔

''میں نے تو اس طرف دھیان ہی نہیں دیا۔'' مسافر نے سادگی سے کہا۔

''تو پھر تم مزدلفے بھی کہاں گئے۔'' حضرت نے افسوس کے لہجے میں فرمایا۔

''اچھا جب تم نے خدا کے گھر کا طواف کیا تو تم نے جمالِ خداوندی کے لطائف بھی دیکھے۔ حضرت نے پوچھا۔

''حضرت میں سمجھا نہیں۔ جمال خداوندی کے لطائف سے کیا مراد ہے؟'' مسافر نے پوچھا۔

''مطلب یہ ہے کہ طواف کرتے ہوئے تمھیں اپنے محبوب خدا کے جلوے اور کرشمے بھی نظر آئے۔'' حضرت نے وضاحت فرمائی۔

''جی نہیں۔ایسی کوئی چیز تو میں نے محسوس نہیں کی۔'' مسافر نے حیرت زدہ لہجے

میں کہا۔

''تو پھر تم نے طواف بھی کہاں کیا؟'' حضرت نے پرسوز لہجے میں کہا۔ پھر پوچھا۔

''جب تم نے صفا مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا اس وقت تم نے ان کے درمیان سعی کی حقیقت وحکمت اور اس کے مقصود کو پانے کی بھی کوشش کی؟''

''نہیں حضرت !میں نے اس پر سوچا بھی نہیں مقصود تو کیا پاتا؟ مسافر نے صاف صاف جواب دیا۔

''تو پھر تم نے ابھی تک سعی بھی نہیں کی ہے۔'' حضرت نے افسوس کے لہجے میں کہا۔

پھر فرمایا ''اچھا جب تم نے قربان گاہ میں پہنچ کر جانور قربان کیا تو وہاں تم نے اپنے موذی نفس اور اس کی خواہشات کو بھی قربان کیا؟ خدا کی راہ میں جانور اور نفس دونوں کے گلے پر چھری پھیری، یا خواہشات کو آزاد چھوڑ کر صرف جانور کے گلے پر چھری پھیری۔ حضرت نے وضاحت سے سوال کیا۔

''حضرت میں نے تو جانور کے گلے میں چھری پھیر کر قربانی کی نفس اور خواہشات کی طرف تو میرا ذہن ہی منتقل نہیں ہوا۔'' مسافر نے صاف صاف بات کہی۔

''تو پھر تم نے قربانی بھی کہاں کی؟'' حضرت نے پرجوش انداز میں کہا۔

''اچھا جب تم نے جمرات کے پاس رمی کی اور سنگ ریزے پھینکے تو اس وقت تم نے بُری خواہشات' بُرے ہم نشیں' بُرے احباب کو بھی اپنے سے دور پھینکا یا نہیں۔'' حضرت نے پوچھا۔

''جی نہیں، میں نے تو اس پر دھیان نہیں دیا۔'' مسافر نے سادگی سے کہا۔

''تو پھر تم نے رمی بھی نہیں کی۔'' حضرت نے فرمایا۔ ''جاؤ واپس جاؤ، پھر حج کرو۔ حج کرو حج ۔ایسا حج کرو۔ جیسا ابراہیمؑ نے کیا تھا۔ان کی صفات اور کیفیات کو دھیان میں رکھ کر حج کرو۔ایسا حج کرو جو وفاداری اور خود سپردگی کا مظاہرہ ہو۔خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی وفاداری اور کامل سپردگی کا اعتراف فرمایا۔اور قرآن میں شہادت دی۔

﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى﴾ النجم 37:53

(اور ابراہیمؑ جس نے وفاداری کا حق ادا کر دیا)

معمولات کی حیرت انگیز پابندی

شیر شاہؒ نے پانچ سال کی مختصر مدّت میں وہ تعمیری، تنظیمی اور اصلاحی کارنامے انجام دیئے، جن کے لیے ایک صدی کی مدّت درکار تھی، اس کے باوجود اپنے معمولات اور عبادت و ریاضت میں آپ نے کبھی فرق نہ آنے دیا۔

شیر شاہؒ دو تہائی رات گزرنے پر بے دار ہو جاتے، ضروریات سے فارغ ہو کر غسل فرماتے، اور خدا کے حضورؐ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ نوافل سے فارغ ہوتے، تو ذکر اور وظیفہ میں مصروف ہو جاتے، اس کے بعد مختلف محکموں کے حسابات اور کاموں کو دیکھتے، اور آنے والے دن کے ضروری معاملات سے متعلق، حکام اور ذمہ داروں کو ہدایات دیتے اور پروگرام بتاتے۔ ان اہم کاموں سے فارغ ہوتے تو نماز فجر کے لیے وضو فرماتے، اور ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے۔ نماز کے بعد پھر ذکر و فکر اور اوراد و وظائف میں مصروف ہو جاتے۔ اس دوران مختلف ذمہ داران حکومت سلام کے لیے حاضر خدمت ہوتے، آپ اشراق کی نماز سے فارغ ہوتے، تو لوگوں کی ضروریات معلوم کرتے، اور ضرورت کے مطابق گھوڑے، جاگیریں، علاقے اور مال لوگوں کو عطا فرماتے، پھر لوگوں کے مقدموں کی طرف توجہ دیتے، فریادیوں کی فریادیں سنتے اور ان کی فریاد رسی اور حاجت برآری فرماتے، پھر شاہی فوج اور ان کے ہتھیاروں اور تیاریوں کا معائنہ فرماتے اور جو لوگ فوج میں بھرتی ہونے کے امیدوار ہوتے ان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا جائزہ لے کر ان کے تقرر کے احکام صادر فرماتے۔ پھر ملک کی ہر روز کی آمدنی اور مالیات کو دیکھتے۔ ان سارے کاموں سے فارغ ہوتے تو حکومت کے ذمہ دار، حکام، مختلف ملکوں کے سفیر، اور دوسرے با اثر لوگ حاضر ہوتے، ان سے اہم امور پر گفتگو ہوتی، اس کے بعد حکام اور اہل کاروں کی درخواستیں پیش ہوتیں، آپ غور سے سنتے اور اسی وقت حکم لکھواتے جاتے۔ اس سے فارغ ہوتے تو دسترخوان بچھ جاتا، دسترخوان پر علما اور مشائخ

بھی موجود ہوتے اور آپ کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتے، کھانے کے بعد آپ گھر میں داخل ہوجاتے، قیلولہ فرماتے اور اپنے ذاتی کام انجام دیتے۔ پھر نماز ظہر جماعت کے ساتھ ادا فرماتے ، اور نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہوجاتے۔ تلاوت کے بعد پھر حکومت کے کاموں میں لگ جاتے، ہمیشہ یہی پروگرام رہتا اور اسی طرح وقت کی پابندی کے ساتھ سارے کام انجام دیتے۔ سفر میں ہوتے تو بھی اس پروگرام میں کوئی فرق نہ آتا، آپ کہا کرتے ''بڑا آدمی وہ ہے جو اپنا سارا وقت ضروری کاموں میں صرف کرے۔''

اورنگ زیب کی عبادت گزاری

اورنگ زیبؒ کی حکومت کابل وقندھار سے لے کر دکن تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس لمبی چوڑی حکومت کی زبردست مصروفیتوں کے باوجود اورنگ زیبؒ عبادت گزاری میں اپنی مثال آپ تھے، ہمیشہ اوّل وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ۔ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے۔ نوافل اور سنن کی بھی پابندی کرتے ۔ سخت گرمی میں رمضان کے پورے روزے رکھتے، رات کو تراویح پڑھتے اور رمضان کے آخری عشرے میں مسجد کے اندر اعتکاف کرتے، پیر، جمعرات اور جمعہ کو روزے سے رہتے ۔ ذکر اور دُعاؤں کا بھی اہتمام کرتے، اور پابندی کے ساتھ روزانہ صبح کو قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔

نماز کی فکر

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ لکھنؤ میں ٹھیرے ہوئے تھے..... جمعہ کا دن تھا۔ مصروفیت کی وجہ سے وقت کا اندازہ نہ کرسکے، اور جمعہ کی نماز کو دیر ہوگئی۔ جلدی جلدی تیاری کرکے ماموں بھانجے کی مسجد میں پہنچے۔

مسجد میں داخل ہوئے تو پتہ چلا کہ جمعہ کی نماز ہوچکی ہے..... اس خبر کا مولانا مرحوم پر اتنا اثر ہوا کہ اسی وقت مسجد کے فرش پر گر پڑے۔

یہی وہ بندے ہیں جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بہترین بندے وہ

ہیں جوسورج کی دھوپ اور چاندتاروں کی گردش دیکھتے رہتے ہیں کہ نماز کا وقت فوت نہ ہونے پائے۔(حاکم)

حضرت مجاہدؒ کاارشاد ہے جولوگ نماز کے اوقات معلوم کرنے کااہتمام رکھتے ہیں ان کوایسی برکت حاصل ہوتی ہے جیسی برکت خدانے حضرت ابراہیمؑ اوران کی اولادکوعطافرمائی۔''(منشور)

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا

تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں ترے اسرار
مجھ کو بھی صلہ دے مری آشفتہ سری کا
(اقبالؒ)

باب چہارم

اخلاق ومعاشرت

اخلاق ومعاشرت سے متعلق اسلاف
کے کچھ سچے واقعات اور حکیمانہ
اقوال جن کے مطالعے سے زندگی
کا سلیقہ آتا ہے۔

شہید؟

مومن کی عظمت تقویٰ ہے، اس کا سرمایۂ فخر اطاعت دین ہے، اس کی بہادری پابندی اخلاق ہے..... رہی شجاعت اور بزدلی، تو اس کا تعلق آدمی کی طبعی ساخت سے ہے، اور اللہ جس کی طبیعت میں جو چاہتا ہے رکھ دیتا ہے .....مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بزدل خطرے کے وقت ماں باپ کو بھی چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے، اور بہادر غیر کے لیے بھی جان لڑا دیتا ہے۔

اور قتل تو موت کی مختلف صورتوں میں سے ایک صورت ہے البتہ ''شہید'' وہ ہے جو صرف خدا سے اپنا اجر پانے کے لیے اس کی منع کردہ باتوں سے باز رہتا ہے۔

(فاروق اعظمؓ۔ مصفی)

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

اور لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا

''اے خدا کے رسولؐ! میں بڑی دُکھی ہوں اور اپنا انصاف چاہتی ہوں۔'' ادھیڑ عمر کی ایک خاتون دربار رسالتؐ میں حاضر ہوئی اور بڑے ہی درد بھرے انداز میں اپنی بپتا سنانے لگی ''حضورؐ! شوہر نے مجھے اپنی سرپرستی سے محروم کر دیا۔'' (شوہر کے الفاظ کہتے ہوئے اس کی آواز بھر آ گئی)

''گھبراؤ نہیں، کہو، تمھیں کیا دُکھ پہنچا ہے، خدا تمھارے اوپر رحم فرمائے۔'' رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دیتے ہوئے کہا، اور خاتون نے پھر کہنا شروع کیا۔

''حضورؐ! میں مرد کی سرپرستی سے محروم ہوگئی ہوں، حضورؐ! یہی غم ایک عورت کو نڈھال کرنے کے لیے کیا کم ہے، کہ اب وہ بچھڑا ہوا مرد مجھ سے میرے جگر کے ٹکڑے کو بھی چھیننا چاہتا ہے، یارسول اللہؐ! میرا لال بڑا ہی سعادت مند ہے، بس اب یہی زندگی کا سہارا ہے، اللہ رکھے مجھے اس سے بڑی ڈھارس ہے۔ یارسول اللہؐ! میں عورت ذات باہر کا کام کر نہیں سکتی، میرا بچہ میرے لیے کنویں سے پانی بھر کر لا دیتا ہے، بازار سے سودا سلف خرید لاتا ہے، اور میری باہر کی ہزار ضرورتیں پوری کر دیتا ہے، مگر اس کا باپ مجھ سے میرے جگر گوشے کو چھیننا چاہتا ہے، یارسول اللہؐ! میں اس غم کو کیسے برداشت کر سکوں گی۔'' اور عورت کی ہچکی بندھ گئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے، اور فرمایا،

''بی بی! روؤ نہیں اللہ تمھاری مشکل آسان فرمائے گا۔''

خاتون ذرا سنبھلی اور اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ ''یارسول اللہؐ! شوہر کا غم ہی کیا کم ہے، کہ اب وہ بچے کو بھی مجھ سے جدا کرنے کی فکر میں ہے۔ اے خدا کے رسولؐ! میرا یہ لال

بچہ ہے، (بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خاتون نے کہا،) اے خدا کے رسولؐ! میرا پیٹ اس کی آرام گاہ ہے، میری چھاتیاں اس کا مشکیزہ ہیں، اور میری گود اس کا گھروندا ہے، اے خدا کے رسولؐ! میں دُکھیا اس صدمے کو کیسے برداشت کروں گی! یارسول اللہؐ! بچے کا باپ یہیں آپ کی مجلس میں موجود ہے۔ میں آپؐ کے واسطے سے اس سے اپنا حق چاہتی ہوں، اور درخواست کرتی ہوں کہ وہ میرا حق نہ چھینے، اللہ رکھے میرا سعادت مند بچہ میری زندگی کا سہارا ہے۔"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا "ایسا کرو، تم دونوں قرعہ ڈال لو، جس کے نام قرعہ نکل آئے، اس کو خدا کا فیصلہ سمجھو۔

"یارسول اللہؐ! بچہ میرا ہے، کسی کو کیا حق ہے کہ بچے کو لے جائے، میرا بچہ میرے پاس رہے گا۔ اس کے بغیر میری زندگی میں کیا مزہ!" لڑکے کے باپ نے جوش میں کہا۔

"اے خدا کے رسولؐ! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، میں نے اس کو اپنا خون جگر پلایا ہے، بڑے دُکھ اٹھا کر بڑی امیدوں کے ساتھ پرورش کی ہے، مجھ دکھیا کا تو اب یہی سہارا ہے۔" خاتون نے دُکھ کے ساتھ کہا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بے اختیار بھیگ گئیں۔ چند لمحے خاموش رہے، ماں باپ کی محبت بھری نظریں اپنے پیارے بچے پر تھیں اور کان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر لگے ہوئے تھے، کہ دیکھئے اب نبیؐ کی عدالت سے کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

رحمت عالمؐ لڑکے کی طرف متوجہ ہوئے، جو بڑے غور سے اپنی ماں اور اپنے باپ کی گفتگو سن رہا تھا، اور کبھی اپنی ماں پر پیار بھری نظر ڈالتا، کبھی اپنے باپ کو عقیدت سے دیکھتا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے سے کہا۔

"بیٹے! یہ تیرے باپ ہیں، اور یہ تیری ماں ہے، تو دونوں کا پیارا ہے، اور یہ دونوں تجھے پیارے ہیں، تجھے اختیار ہے کہ جس کا ہاتھ چاہے پکڑ لے۔"

لڑکا ایک لمحہ انتظار کئے بغیر اپنی جگہ سے اٹھا، ماں پر بھی ایک نظر ڈالی اور باپ پر بھی،

دونوں اُسے گلے لگانے کے لیے بے تاب تھے، وہ کچھ دیر رُکا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر اپنی کمزور ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ایک یتیم بچہ اور رسولِ خدا

عید کا دن ہے، مدینے کے گلی کوچوں میں ہر طرف چہل پہل ہے، مسلمان نوجوان، بوڑھے اور ہوشیار بچے صاف ستھرے کپڑے پہنے عیدگاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ مدینے کی گزرگاہیں تکبیر و تہلیل کی صداؤں سے گونج رہی ہیں، ایک راستے سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عید کی دوگانہ ادا کرنے کے لیے عیدگاہ جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ایک مقام پر بے اختیار آپ کے قدم رُک گئے۔ کچھ بچے بڑی بے فکری سے اچھے اچھے کپڑے پہنے کھیل کود میں مگن ہیں، مگر ایک لڑکا ان سب سے الگ تھلگ غمگین بیٹھا ہے، میلے کچیلے کپڑے پہنے سارے بچوں کو حسرت سے دیکھ رہا ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مصیبت کے مارے لڑکے کے پاس پہنچے، اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ اور فرمایا۔ ''بیٹے! تم نہیں کھیلتے ؟ تم نے کپڑے نہیں بدلے بیٹے! تم اتنے غمگین کیوں ہو؟''

بچے نے سر اٹھا کر دیکھا اور فوراً آنکھیں جھکا لیں، ہمدردی کا برتاؤ دیکھ کر اور جملے سن کر بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور ٹالتے ہوئے بولا..... ''چچا میاں! میری قسمت میں کھیل اور خوشی کہاں؟ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا، لڑکے کو گلے سے چمٹا لیا اور فرمایا ''بیٹے! بتاؤ تو سہی تمھیں کیا دکھ پہنچا ہے، آخر تم پر کیا مصیبت آ پڑی ہے؟''

''چچا میاں! آپ میری بپتا کی داستان سن کر کیا کریں گے، میں ایک یتیم بچہ ہوں، میرے باپ بھی نہیں ہیں اور میری ماں''..... یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھر آ گئی اور وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کو کچھ اور اپنے سے قریب کر لیا، اور کہا، ''بیٹے تمھارے ماں باپ کا کب انتقال ہوا؟''

''چچامیاں! میرے باپ ایک جنگ میں کافروں سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے میری ماں نے دوسرا نکاح کرلیا، اور میرا باپ کا چھوڑا ہوا سارا سامان لے کر اپنے نئے گھر میں چلی گئیں، میں بھی خوش خوش اپنی امی کے ساتھ گیا، مگر چند ہی دن کے بعد میرے دوسرے باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ اب نہ میرا کوئی گھر در ہے، نہ ولی اور سرپرست۔ اب مجھ پر ترس کھانے والا کوئی نہیں۔ چچامیاں میرا کوئی بھی تو نہیں ہے۔'' اور لڑکے کی ہچکی بندھ گئی۔ ''میری امی بھی تو کچھ نہیں کرتیں۔ مگر وہ مجبور ہیں، اب وہ کیا کرسکتی ہیں۔''

بچے کے حالات سن کر اور اس کا رونا دھونا دیکھ کر نبی ﷺ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہ پڑے۔ اور بڑے پیار و محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔

''بیٹے! کیا تم یہ پسند کرو گے کہ محمدؐ تمھارے باپ بن جائیں، عائشہؓ تمھاری ماں بن جائیں، فاطمہؓ تمھاری بہن بن جائیں اور حسنؓ و حسینؓ تمھارے بھائی بن جائیں''

محمد ﷺ کا نام سنتے ہی بچے نے عقیدت و حیرت کے ساتھ آپؐ کے چہرے کو دیکھا۔ اور انتہائی عاجزی اور احترام سے بولا۔ یارسول اللہ! مجھے معاف فرمایئے۔ پہلی بار میں نے آپ ﷺ کی بات کا جواب بڑی بے توجہی سے دیا تھا، دراصل میں آپ کو جانتا نہ تھا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ ہزار بار قربان ہوں خدا کے رسولؐ پر، حضرت عائشہؓ سے اچھی ماں کہاں ملیں گی، حضرت فاطمہؓ سے اچھی بہن اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے اچھے بھائی کہاں میسر آئیں گے۔ مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا، اگر خدا مجھے ایسا خاندان دلوائے..... اور لڑکے کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔

خدا کے رسول ﷺ نے بچے کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ گھر کی طرف لے کر روانہ ہوئے۔ گھر پہنچے، تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''عائشہ! لو یہ تمھارا بیٹا ہے اسے نہلوا کر کپڑے پہناؤ، اور اسے کھانا کھلاؤ۔

یہ لڑکا آخر دم تک نبی ﷺ کے پاس رہا، آپؐ جب اس دُنیا سے رُخصت ہوئے، تو اس لڑکے کا بُرا حال تھا۔ اس کی ہچکی بندھی ہوئی، اور وہ کہتا تھا، آج میں یتیم ہو گیا۔

ابوبکر صدیقؓ نے لڑکے کی یہ کیفیت دیکھی تو پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنی سرپرستی میں لے لیا۔

یتیم بچے کی دل جوئی

دور رسالتؐ میں ایک یتیم بچہ دربار رسالتؐ میں پہنچا اور ایک شخص کے خلاف دعویٰ کیا کہ وہ زبردستی اس کے کھجوروں کے باغ پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو حاضر ہونے کا حکم دیا، اور دربار رسولؐ میں دونوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کے بیانات سنے اور پوری کیفیت سننے کے بعد آپؐ نے یتیم بچے کے خلاف فیصلہ سنایا۔

اپنے خلاف فیصلہ سن کر یتیم بچہ رو پڑا یتیم بچے کو روتا دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھی بھر آیا، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اور آپؐ نے اس شخص سے کہا، بھائی فیصلہ تو واقعی تمھارے حق میں ہوا ہے، لیکن اچھا ہو کہ تم یہ باغ اس یتیم بچے کو دے دو، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تم کو جنت میں سدا بہار باغ عطا فرمائے گا۔

مگر وہ شخص راضی نہ ہوا۔

اس وقت مجلس رسولؐ میں حضرت ابوالدحداحؓ بھی تشریف رکھتے تھے، وہ فوراً اٹھے اور اس شخص کو ایک طرف لے جا کر خاموشی کے ساتھ اس سے کہا، کیوں بھئی، اگر میں تم کو اس باغ کے بدلے اپنا فلاں باغ دے دوں تو تم اپنا باغ میرے حوالے کر سکو گے۔

حضرت ابوالدحداحؓ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور فرمایا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بات پوچھنے آیا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا، کہو، حضرت ابوالدحداحؓ نے کہا، یا رسول اللہؐ! آپ جو باغ اس یتیم بچے کو دلوانا چاہتے تھے، اگر وہ باغ میں اس بچے کو دیے دوں تو مجھے اس کے بدلے جنت میں باغ ملے گا؟

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا ہاں ہاں ضرور۔

ابوالدحداح ؓ نے کہا، یارسول اللہ! میں نے وہ باغ اپنے ایک باغ کے بدلے اس شخص سے لے لیا ہے اوراب آپ گواہ رہیں، کہ میں نے وہ باغ اس یتیم بچے کودے دیا ہے۔

یتیم بچے کا کملایا ہوا چہرا کھل اٹھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشی سے مسکرانے لگے۔

احساس فرض

فاروق اعظم ؓ سرکاری دورے پر تھے، جب ملک شام سے واپس آرہے تھے، تو راستے میں ایک خیمہ نظر پڑا۔ شہر سے دور جنگل میں خیمہ دیکھا تو فوراً اتر پڑے، دل میں سوچا ،شہر سے دور بسنے والے ان خستہ حال لوگوں کے حالات بھی ذرا معلوم کرتے چلیں، اور خیمے کے دروازے پر پہنچے۔ دیکھا کہ ایک بڑھیا دروازے میں ماتھے پر ہاتھ رکھے بیٹھی ہوئی ہے چہرے کی جھریاں اور پیشانی کی شکنیں بتارہی ہیں کہ غم کی ماری بڑھیا زندگی کے دن بڑی تکلیف، اور مصیبت میں گذار رہی ہے؟''

امیر المومنین نے بڑھیا کو سلام کیا، خیرت معلوم کی، اور پھر باتوں باتوں میں پوچھا،

''بڑی بی! تمھیں عمر کا بھی کچھ حال معلوم ہے؟''

بڑھیا تو جیسے بھری بیٹھی تھی، بولی مجھے عمر دومر سے کیا مطلب، مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں ان کا حال معلوم کروں، میرے لئے اپنی ہی فکریں کیا کم ہیں، ہاں سُنا ہے کہ شام کے سرکاری دورے پر گئے تھے، اوراب وہاں سے واپس مدینے جانے کے لئے روانہ ہو چکے ہیں'' بڑھیا نے کچھ اس قدر بیزاری کے ساتھ روکھے لہجے میں خلیفہ وقت کا ذکر کیا، کہ فاروق اعظم ؓ سوچ میں پڑ گئے۔

''بڑی بی! آخر تم عمر سے اس قدر بیزار کیوں ہو؟'' امیر المومنین ؓ نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم عمر کا قصہ کیوں لے بیٹھے..... مجھے عمر سے کیا مطلب ! میں تو ایک زمانے سے اسی طرح اس ویرانے میں بے کسی اور تنگی کی زندگی گزار رہی ہوں، کبھی جو عمر نے میری خبر لی ہو، اور میری غربت پر ترس کھا کر کوئی کوڑی بھجوائی ہو.....

قیامت کے روز ہی خدا کے روبرو میرا اور اس کا انصاف ہوگا۔'' بڑھیا نے اونچی آواز میں مسافر سے کہا۔

''بڑی بی! کیا تم نے کبھی عمر کو اپنے حال کی خبر دی؟''.....فاروق اعظمؓ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''واہ خوب! آپ بھی خوب باتیں کرتے ہیں، میں بتاؤں گی انھیں اپنا حال؟ کیا زمین کے اس حصے پر اُن کی حکومت نہیں ہے، کیا میرا خیمہ اسلامی حکومت کی حدود سے باہر ہے؟ کیا اسلامی حکم ران کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اپنی رعایا کی خبر گیری کرے اور ان کی ضرورتیں معلوم کرے؟'' بوڑھی خاتون جوش میں برابر بولے جا رہی تھی۔

''بڑی بی! تم خفا کیوں ہو رہی ہو؟ تم شہر سے اتنی دور رہنے والوں کا حال انھیں کیسے معلوم ہوسکتا ہے! ہاں تمھاری پریشانیوں کا حال معلوم ہونے کے بعد اگر وہ غفلت کرتے اور تمھاری ضرورتوں کا خیال نہ کرتے تو واقعی وہ خطا کار تھے۔'' فاروق اعظمؓ نے بڑھیا کو سمجھاتے ہوئے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

''ماشاء اللہ آپ تو سمجھ دار آدمی ہیں۔ آپ یہ کیسی نادانی کی باتیں کر رہے ہیں! میں کہتی ہوں کہ اگر عمر اتنی دور کے حالات کی خبر نہیں رکھ سکتے تو پھر اس علاقے کو انھوں نے اسلامی حدود میں کیوں شامل کر رکھا ہے؟ اپنی حکومت کی حدود وہیں تک رکھیں جہاں تک کی خبر گیری وہ کر سکتے ہوں۔'' بڑی بی نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنی بات فاورق اعظمؓ کو سمجھائی۔

امیر المومنینؓ بڑھیا کی کھری کھری باتیں بڑے صبر کے ساتھ سنتے رہے اور پھر ان کی چیخ نکل گئی.....ان کی آنکھیں برسنے لگیں، دیر تک روتے رہے۔ جب کافی دیر کے بعد دل کچھ ہلکا ہوا تو بڑھیا سے بولے ''بڑی بی! تم نے سچ کہا''.....اور سواری پر بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستے بھر بڑھیا کے الفاظ ان کی زبان پر تھے، ''اپنی حکومت کے حدود وہیں تک رکھیں جہاں تک کی خبر گیری رہ کر سکتے ہوں''.....راستے بھر یہی سوچتے

رہے، بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہے اور ان کی پریشانی بڑھتی رہی، وہ چاہتے تھے کہ پل بھر میں مدینے پہنچ جائیں، ایسا نہ ہو کہ اپنا فرض ادا کرنے سے پہلے موت کا پیغام آجائے، خدا نے اُن کی سُن لی، وہ مدینے پہنچے تو سب سے پہلے اُس بڑھیا کی ضرورتوں کی طرف توجہ فرمائی، اور پھر سکون کا سانس لیا بے اختیار خدا کے حضور سجدے میں گر گئے کہ اس نے اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

زبان کی حفاظت

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دُنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو آپؐ نے اپنے مصلے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا فرمایا، ان کی عظمت وشان کا حال یہ ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

''عمرؓ! تم ابوبکر کی نیکیوں میں صرف ایک نیکی کے مرتبے پر ہو۔''

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص نماز کی اقامت اور پابندی میں ممتاز ہوگا اس کو جنت کے ''باب الصلوۃ'' سے پکارا جائے گا۔

اور جو شخص جہاد کرنے والوں میں نمایاں ہوگا اس کو جنت کے ''باب الجھاد'' سے پکارا جائے گا۔

اور جو شخص صدقہ کرنے والوں میں امتیازی شان کا مالک ہوگا اس کو جنت کے ''باب الصدقہ'' سے پکارا جائے گا

اور جو شخص روزہ رکھنے والوں میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہوگا اس کو جنت کے ''باب الریان'' سے پکارا جائے گا۔''

یہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا..... یا رسول اللہؐ! جس کو ان سارے دروازوں سے پکارا گیا اس کو اور کیا چاہیے کیا۔ کوئی خوش نصیب ایسا بھی ہوگا جس کو ان سارے دروازوں سے پکارا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہاں کیوں نہیں، اور

مجھے توقع ہے کہ تم انھیں میں سے ہو گے۔

اس عظمت شان کے باوجود آپ کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت زید بن اسلم ؓ فرماتے ہیں:

ایک دن عمر فاروق ؓ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے یہاں تشریف لے گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ اپنی زبان کو پکڑ پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔

فاروق اعظم ؓ نے دیکھ کر کہا، ارے، ارے! اللہ آپ کو بخشے یہ کیا کر رہے ہیں؟

صدیق اکبر ؓ نے فرمایا، عمر میں جس خرابی سے بھی دو چار ہوا ہوں، اسی زبان کی بدولت دو چار ہوا ہوں۔

ایفائے عہد کی برکتیں

امیر المومنین میں پیاسا ہوں، میرے لئے ٹھنڈے پانی کا انتظام کیجئے۔ فارس کے ایک قیدی نے فاروق اعظم ؓ کے دربار میں حاضر ہوتے ہی بڑے اطمینان سے درخواست کی۔

حاضرین کو بڑی حیرت ہوئی کہ جس قیدی کے لئے اسلامی عدالت نے قتل کی سزا تجویز کی ہے، وہ اتنا مطمئن اور بے غم کیوں کر ہے، اُسے ذرا فکر نہیں ہے کہ چند گھڑی بعد سنگ دل جلاد اس کی گردن تن سے جدا کرنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔

فاروق اعظم ؓ نے اسی وقت ٹھنڈا پانی منگوایا۔

ہرمزان نے پانی کا جام اپنے ہاتھ میں لیا اور فاروق اعظم ؓ کی طرف دیکھنے لگا۔ امیر المومنین نے چند لمحوں کے بعد ہرمزان سے کہا، تم پانی پیتے کیوں نہیں؟

امیر المومنین! آپ مجھ سے عہد فرمائیں کہ جب تک میں اسی ٹھنڈے پانی سے پیاس نہ بجھالوں مجھے قتل نہ کیا جائے گا۔ ہرمزان نے فاروق اعظم ؓ سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

ہاں ہاں! تم جب تک پانی نہ پی لو تمھیں ہرگز قتل نہ کیا جائے گا..... امیر المومنین ؓ نے

فارس کے قیدی ہرمزان کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

ہرمزان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور بولا، امیر المومنین! میں اس عہد کے لئے آپ کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی لوں مجھے امان ہے۔

بے شک جب تک تم پانی نہ پی لو تمھیں امان ہے، تمھیں پیاسا ہرگز قتل نہ کیا جائے گا امیر المومنینؓ نے ایفائے عہد کا اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

ہرمزان نے پوری قوت سے پانی کا جام زمین پر دے مارا۔ جام چور چور ہو گیا اور سارا پانی بہ گیا۔

فاروق اعظمؓ اور اہل دربار حیرت سے فارس کے اس بلند مرتبہ انسان کی حرکت کو دیکھتے رہے، اور کچھ نہ سمجھ سکے کہ یہ ڈراما کیا ہے۔

ہرمزان چند گھڑی انتظار کرنے کے بعد بڑے سکون کے ساتھ امیر المومنینؓ سے مخاطب ہوا۔

''امیر المومنینؓ! مجھے یقین ہے کہ آپ کو اپنا وعدہ یاد ہوگا اور یہ بھی یقین ہے کہ آپ کبھی اپنے عہد سے نہیں پھر سکتے۔

فاروق اعظمؓ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور بڑی شفقت سے فرمایا ''ہرمزان کو آزاد کر دو۔ ان سے عہد کیا جا چکا ہے، اور اسلام کے خادم ہر حال میں اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔''

ہرمزان یکا یک خدا کے حضور سجدے میں گر گئے اور بے اختیار زبان پر کلمہ توحید جاری ہو گیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

امیر المومنینؓ! آپ کے اس سلوک نے میرے دل کی دنیا بدل دی خدا کے جو بندے، مجھ جیسے مجرموں سے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے، وہ بھلا اپنے خدا سے بدعہدی کیسے کر سکتے ہیں، امیر المومنینؓ میں آپ کا شکر گزار ہوں، کہ آپ نے ایفائے عہد کی خاطر مجھ جیسے مجرم کو معاف کر دیا..... امیر المومنینؓ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں، کہ اس آزادی کے

بدلے جو آپ نے مجھے عطا فرمائی ہے، میں ہمیشہ کے لئے خدا کی غلامی قبول کرتا ہوں، اور آپ سے عہد کرتا ہوں کہ آپ کی اطاعت کو اپنے لئے سعادت سمجھوں گا۔ حاضرین کے دل خوشی سے جھوم رہے تھے اور سب کی زبان پر ایک ہی بات تھی، اللہ اللہ! ایفائے عہد کی یہ برکت، فاروق اعظمؓ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیر رہے تھے، اور لب پر شکر الٰہی کے کلمات جاری تھے۔

ہرمزان کا سینہ بھی حمد و شکر کے جذبات سے سرشار تھا، اور آج سے وہ اسلامی سوسائٹی کے ایک فرد تھے، یہ غیر ملک ان کا اپنا ملک تھا..... یہ اجنبی انھیں اپنوں سے زیادہ عزیز تھے، ہر چہرے پر ان کے لئے محبت بھری مسکراہٹ تھی اور ہر ایک ان کو گلے لگانے کے لئے بے تاب تھا، دین کی ترقی کی ساری راہیں ان کے لئے کھلی ہوئی تھیں، اور چند ہی دنوں میں انھوں نے اپنی بصیرت، اپنی نیکی اور اپنے عزم و حوصلے سے اسلامی سوسائٹی میں عظمت کا وہ مقام حاصل کیا کہ امیر المومنینؓ نے ان کو اپنے خاص مشیروں میں شامل فرمالیا۔

رعایا کا خیال

ایک دن امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، سامنے ایک پھیلی ہوئی پلیٹ میں روغن زیتون رکھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک مسافر پر نظر پڑی جو کسی گاؤں سے مدینے میں آیا تھا۔ آپ نے اس کو بھی آواز دی اور اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا۔ دیہاتی مسافر بے تکلف بیٹھ گیا اور کھانے لگا پھیلی ہوئی پلیٹ میں روغن سے روٹی تر کرنے کے لئے وہ پلیٹ میں اپنا نوالہ ہر طرف پھیر رہا تھا، اور جلدی جلدی حلق سے نوالہ اتار رہا تھا۔ امیر المومنینؓ پر مسافر کے اس عمل کا بہت اثر ہوا اور بولے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قحط سے تم لوگ بھی متاثر ہوئے ہو۔

دیہاتی مسافر کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور بولا، امیر المومنین! جب سے قحط پڑا ہے، آج تک میں نے نہ گھی چکھا، اور نہ کسی کو کھاتے ہوئے دیکھا۔

''اللہ!'' بے اختیار امیر المومنینؓ نے دل کی گہرائی سے کہا اور دو موٹے موٹے گرم

آنسوان کی آنکھوں سے ٹپک پڑے۔ کچھ دیر سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے پھر بڑے عزم کے ساتھ کہا،

''میں آج کے بعد ہرگز گھی نہ کھاؤں گا، جب تک خدا کے بندے بارش سے سیراب ہوکر پھر پہلے کی طرح خوش حال نہ ہوجاہیں۔

تواضع

حضرت حسنؓ اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے کہیں جارہے تھے، راستے میں کچھ خانہ بدوشوں کو دیکھا کہ ادھرا اُدھر بیٹھے ہوئے ہیں اور راستے ہی میں کچھ کھانے پینے میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ قریب پہنچے تو سواری روک لی، اوران کو سلام کیا۔

لوگوں نے سلام کا جواب دیا اور درخواست کی کہ اے نواسہ رُسولؐ، ہم کس قدر خوش نصیب ہیں کہ آپ ہمارے پاس رُکے اور ہم نے آپ کی زبان سے اپنے لئے سلامتی کی دعا سنی۔ اے آل رسولؐ، آیئے! اور ہم مسکینوں کے ساتھ دو چار لقمے بھی چکھ لیجئے۔

آپ فوراً گھوڑے سے اُتر پڑے، مسکینوں اور خانہ بدوشوں کے پاس گئے، اور وہیں سرِ راہ اُن کے ساتھ بیٹھ گئے اور جو کچھ دال دلیا اُن کے پاس تھا اُن کے ساتھ کھایا، پھر ان سب کو سلام کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر رخصت ہو گئے۔ خانہ بدوش دور تک نواسہ رسولؐ کو عقیدت ومحبت سے دیکھتے رہے اور اپنی قسمت پر خوش ہوتے رہے، کہ آج نواسہ رسولؐ نے ان کے دسترخوان پر ان کے ساتھ روکھی سوکھی کھائی۔

گھر کی رونق

فاروق اعظمؓ اپنے دور خلافت میں کہیں تشریف لے جارہے تھے، مدینے کی آبادی سے باہر ایک خیمے کے پاس سے گزر ہوا تو دیکھا کہ ایک بڑھیا دودھ دوہ رہی ہے، آپ رُک گئے۔ اور بڑھیا سے فرمایا۔ بڑی بی! دیکھو دودھ، میں پانی ہرگز نہ ملانا۔ دیکھو مسلمانوں کو دھوکا کبھی مت دینا۔

بڑھیا نے کہا: امیر المومنینؓ آپ اطمینان رکھیں میں ایسا کبھی نہیں کرسکتی۔ اور فاروق

اعظمؓ آگے بڑھ گئے۔

کچھ دنوں کے بعد پھر اسی خیمے کے پاس سے آپ کا گزر ہوا اور بڑھیا سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے فرمایا بڑی بی! میں نے تم سے کہا تھا کہ دودھ میں پانی ہرگز نہ ملانا: اور مسلمانوں کو کبھی دھوکا مت دینا، کہو ایسا تو نہیں کیا۔

بڑی بی گھبرائی ہوئی بولیں: امیر المومنین خدا کی قسم میں نے تو کبھی پانی نہیں ملایا۔

امّی جھوٹی قسم کیوں کھا رہی ہیں؟ توبہ کیجئے، آپ نے عہد شکنی کی ہے، آپ نے دودھ میں پانی ملایا ہے، یہ صحیح ہے کہ امیر المومنینؓ نے نہیں دیکھا اور آپ قسم کھا کر ان کو مطمئن کر سکتی ہیں، لیکن زمین و آسمان کا مالک دیکھ رہا ہے، اور اس سے آپ کچھ نہیں چھپا سکتیں، اس سے ڈریئے اور ہرگز جھوٹ نہ بولئے..... شکستہ خیمے کے اندر سے بڑھیا کی نوجوان لڑکی نے بڑی جرأت کے ساتھ کہا۔

امیر المومنینؓ کچھ لمحے کھڑے رہے اور پھر سوچ کر سیدھے گھر آئے۔ اپنے لڑکوں کو اسی وقت طلب کیا، اور فرمایا، پیارے بیٹو! میں نے ایک شکستہ خیمے میں ایک قابل رشک دوشیزہ کی آواز سُنی، میں نے خیمے میں اس حور کا نورانی چہرہ تو نہیں دیکھا البتہ اس کی ایمان افروز آواز نے میرا دل موہ لیا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے گھر کی بہو بنے اور میرے گھر کی رونق میں اضافہ ہو، کیا عجب کہ اس کے ذریعے خدا میری نسل میں کوئی ایسی سعید روح پیدا فرما دے جو قیامت کے روز میرے لئے بہترین توشہ ثابت ہو۔

امیر المومنین! میں حاضر ہوں، آپ کے فرزند رشید حضرت عاصمؓ نے کہا۔ امیر المومنینؓ اسی وقت بڑھیا کے خیمے میں پہنچے۔ بڑھیا نے امیر المومنینؓ کو آتے دیکھا تو گھبرا گئی۔ اپنی بیٹی سے بولی، دیکھ تو نے میری ذلت کا سامان کیا ہے۔

نہیں امّی جان، سچائی سے آدمی ذلیل نہیں ہوتا، اونچا مرتبہ پاتا ہے، آپ ذرا نہ گھبرائیں۔ بڑھیا کی نوجوان بیٹی نے اپنی ماں کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

امیر المومنینؓ ایک پُرانی چٹائی پر بیٹھ گئے ۔اور بڑھیا کو اپنے لڑکے کا پیغام دیا۔ بڑھیا سکتے میں آ گئی ۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں جاگ رہی ہوں یا کوئی خواب دیکھ رہی ہوں ،امیر المومنین نے پھر بڑھیا کو مخاطب فرمایا، بڑی بی !عاصم کو تمھاری فرزندی میں دینا چاہتا ہوں۔

بڑھیا کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہ پڑے اور بھرائی آواز میں بولی ،حضرت! کہاں میں شکستہ جھونپڑی میں رہنے والی اور کہاں آپ !اس سے زیادہ خوش نصیبی میرے لئے اور کیا ہوگی کہ میری بیٹی آپ کے سایہ شفقت میں پہنچ جائے۔

اور حضرت عاصمؓ خلیفہ وقت کے فرزند کی شادی آبادی کے باہر کے شکستہ خیمے میں رہنے والی ایک غریب لڑکی سے ہوگئی۔

کچھ عرصے کے بعد اللہ نے ان کو اولاد بخشی اور انھوں نے اس کا نام ام عاصم رکھا۔ اسی لڑکی سے تاریخ کی مشہور شخصیت حضرت عبدالعزیز بن مردان کی شادی ہوئی۔اور امّ عاصم ہی کے یہاں وہ عظیم بچہ پیدا ہوا جس کو دنیا عمر بن عبدالعزیزؒ کے نام سے یاد کرتی ہے اور جن کے دور خلافت کے بارے میں مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ خلافت راشدہ کے مبارک دور کا نمونہ تھا۔

بہن سے محبت

حضرت عبداللہؓ خدا کی راہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔حضرت جابرؓ نے خبر سنی تو ایک دم آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا۔اور انھیں اپنی چھوٹی چھوٹی بہنیں یاد آ گئیں،حضرت عبداللہؓ کئی چھوٹی چھوٹی بچیاں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔اور قدرت نے بہنوں کی پرورش کا زبردست بوجھ نوعمر جابرؓ پر ڈال دیا۔جوانی کا دور، بے فکری لاپروائی ،شباب کے تقاضے، بھلا جابرؓ کو ان سنجیدہ ذمہ داریوں سے کیا تعلق ،مگر حضرت جابرؓ کچھ اور ہی قسم کے نوجوان تھے،گھبراہٹ تو فطری بات ہے،لیکن وہ خوش تھے کہ خدا نے ان کے لیے جنت کے وسائل مہیا کر دیئے ہیں.....سب سے بڑے مربیؐ کی تربیت میں رہنے والے جابرؓ نے

کئی بار اپنے آقا سے سنا تھا کہ لڑکیوں کی پرورش کرنے والا جنتی ہے، اور حضرت جابرؓ دل ہی دل میں خوشی سے جھوم اٹھے کہ خدا نے انھیں جنتی بنانے کا سامان دے دیا ہے۔

اپنی زندگی کا بھی تقاضا تھا، اور بہنوں کی پرورش کا بھی کہ وہ جلد اپنے گھر کو آباد کرلیں، اور انھوں نے جوانی کے اس عالم میں ایک ادھیڑ عمر کی سنجیدہ خاتون سے شادی کرلی شادی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے فرمایا۔

''جابر! سنا ہے تم نے ایک معمر خاتون سے شادی کرلی! کسی نوخیز دوشیزہ سے شادی کیوں نہیں کی؟ کہ تم اس سے دل بہلاتے اور وہ تم سے دل بہلاتی!''

''یارسول اللہؐ! ابا جان شہید ہوئے تو کئی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں چھوڑ گئے یارسول اللہؐ! مجھے اپنی ان بہنوں سے بڑی محبت ہے،..... میں کسی نوخیز دوشیزہ سے شادی رچاتا تو وہ انھیں کی طرح ہوتی، نہ ان کی تربیت اور پرورش کا حق ادا کرپاتی، نہ ان کی نگرانی کرسکتی اور نہ ان کی کنگھی چوٹی کی ذمہ داری سنبھال پاتی۔ یارسول اللہؐ! میں نے اپنی ان پیاری بہنوں کی خاطر یہی مناسب سمجھا کہ کسی سنجیدہ ادھیڑ عمر کی خاتون سے شادی کرلوں کہ وہ ان کی نگرانی کرسکے، ان سب کو محبت سے ملائے رکھے، ان کی کنگھی چوٹی کی ذمہ داری سنبھال سکے، ان کے سر دھلا سکے، ان کی جوئیں دیکھ سکے، ان کے کپڑوں میں پیوند لگا سکے، ان کی سرپرستی کرسکے۔ اور میں ان کی محبت اور سرپرستی کا کچھ حق ادا کرسکوں۔''

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غور سے حضرت جابرؓ کی گفتگو سن رہے تھے، اور آپؐ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

بے مثال جرأت و بے نیازی

بنواُمیّہ کے ساتویں حکم ران مکہ معظّمہ جاتے ہوئے مدینے میں بھی ٹھیرے۔ سلیمان بن عبدالملک کے آنے کی خبر پاکر مدینے کے سارے ہی معزز اور ذمہ دار لوگ آپ سے ملنے کے لیے پہنچے، اور خلیفہ کی نوازشوں سے مالا مال ہوئے۔

ایک دن سلیمان نے اپنے لوگوں سے پوچھا مدینے میں کوئی ایسے بزرگ بھی ہیں،

جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا ہو.....لوگوں نے بتایا کہ ہاں ایک بزرگ ہیں، مگر وہ کہیں آتے جاتے نہیں ہیں۔

کیا نام ہے ان کا؟ سلیمان نے پوچھا۔

امیر المومنین !ان کا نام ابو حازم ہے اور ان کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کی زندگیاں کیسی بے لوث اور پاکیزہ ہوں گی.....لوگوں نے جواب دیا۔

سلیمان بن عبدالملک کا اشتیاق اور بڑھا، اور آدمی بھیج کر حضرت ابو حازم کو بلوایا۔

ابو حازمؒ تشریف لائے، اور امیر المومنین کو سلام کر کے ایک طرف کو بیٹھ گئے۔

ابو حازمؒ !اس قدر بے رُخی اور سختی آخر کیوں؟ امیر المومنین نے پوچھا۔

امیر المومنین ! آخر آپ نے میری کیا سختی اور بے رُخی دیکھی؟ ابو حازمؒ نے بے باکی سے جواب دیا۔

مدینے کے سارے معزز اور ذمہ دار لوگ مجھ سے ملنے کے لیے آئے، لیکن آپ نے زحمت نہیں فرمائی۔ سلیمان نے پروقار لہجے میں کہا۔

امیر المومنین !خدا کی پناہ، آپ ایسی بات فرما رہے ہیں جو صحیح نہیں ہے! آج سے پہلے نہ میں نے آپ کو دیکھا اور نہ آپ نے مجھے دیکھا۔ نہ آپ مجھے پہچانتے تھے اور نہ میرا آپ سے تعارف تھا۔ ابو حازمؒ نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

شیخ نے حق کہا، واقعی غلطی میری ہی ہے (امیر المومنین نے ابن شہاب زہری کی طرف دیکھتے ہوئے اعتراف کیا۔

چند لمحے اسی طرح بات چیت ہوتی رہی پھر خلیفہ نے سوال کیا۔

حضرت !یہ تو بتایئے، ہم موت سے کیوں ڈرتے ہیں؟

ابو حازمؒ :۔ اس لیے کہ آپ اپنی آخرت کو برباد کر کے اپنی دنیا آباد کر رہے ہیں، اور ظاہر ہے آبادی سے ویرانے میں جاتے ہوئے وحشت ہوتی ہے۔

خلیفہ:۔(آہ بھرتے ہوئے) حضرت آپ نے صحیح فرمایا۔یہ فرمایئے کل خدا کے حضور بندے کس طرح جائیں گے؟۔

ابوحازمؒ:۔نیک اور فرماں بردار بندہ خدا کے سامنے اس شوق کے ساتھ جائے گا جیسے کوئی بچھڑا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاتا ہے۔اور نافرمان بندہ اس طرح ڈرتا اور سہمتا ہوا جائے گا جیسے ایک مغرور اور سرکش غلام اپنے آقا کے پاس جاتا ہے۔

خلیفہ پر رقت طاری ہوجاتی ہے،آواز بھرا جاتی ہے اور روتے ہوئے کہتے ہیں، کاش میں جان سکتا کہ کل خدا کے حضور میرا معاملہ کیا ہوگا.....ابوحازمؒ! کل ہمارے ساتھ خدا کا معاملہ کیا ہوگا؟

ابوحازمؒ:۔قرآن کے آئینے میں اپنی زندگی کی تصویر دیکھئے اور اپنے سوال کا جواب قرآن سے معلوم کیجئے۔

خلیفہ:۔حضرت آپ ہی بتایئے، میں قرآن میں کہاں تلاش کروں؟

ابوحازمؒ:۔سورۂ الانفطار کی یہ آیتیں پڑھئے اور غور کیجئے۔

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ﴾ الانفطار 82:14-13

(نیکوکار لوگ جنت کی نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے)

خلیفہ:۔حضرت! رحم لراحمین کی رحمت بھی تو ہے۔آخر یہ رحمت کس کے لیے ہے؟

ابوحازم! بے شک خدا کی رحمت ہے، مگر آپؐ نے خدا کا یہ فرمان بھی تو پڑھا ہوگا۔

﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ الاعراف 7:56

(خدا کی رحمت نیکوکار لوگوں سے قریب ہے)

خلیفہ: بے شک بے شک، حضرت یہ بتایئے خدا کے بندوں میں کون سا بندہ سب سے اچھا ہے؟

ابوحازمؒ، جو سب سے زیادہ مروت والا ہو اور اپنی عقل سے صحیح کام لے۔

خلیفہ: اور سب سے بڑی نیکی کا کام کون سا ہے؟

ابوحازم: خدا کے فرض کئے ہوئے کاموں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا اور اس کے منع کئے

ہوئے کاموں سے بچنا۔

خلیفہ: کون سی دعا خدا کے یہاں سب سے زیادہ مقبول ہے؟

ابوحازمؒ: احسان کرنے والے کے حق میں اس شخص کی دعا جس پر اس نے احسان کیا ہے۔

خلیفہ: خدا کے نزدیک سب سے بہتر صدقہ کون سا ہے؟

ابوحازمؒ:۔ بہترین صدقہ وہ ہے جو مفلس کی کمائی سے کسی ایسے سائل کو دیا جائے۔ جو مصیبت کا مارا ہوا ہو، اور دینے والا نہ تو احسان جتائے اور نہ تکلیف دے۔

خلیفہ:۔ سب سے زیادہ تعریف کے لائق کون سی بات ہے؟

ابوحازمؒ:۔ وہ حق بات جو آپ کسی ایسے شخص سے کہیں جس سے آپ ڈرتے ہوں یا امید رکھتے ہوں۔

خلیفہ:۔ کون سا مسلمان زیادہ عقل مند ہے؟

ابوحازمؒ: انتہائی عقل مند وہ مسلمان ہے جو خود بھی خدا کی عبادت پابندی کے ساتھ کرتا ہو۔ اور لوگوں کو بھی اس کی ہدایت کرتا ہو۔

خلیفہ:۔ اور کون سا مسلمان بے وقوف ہے؟

ابوحازمؒ:۔ وہ مسلمان بے وقوف ہے جو کسی ظالم کی خواہش پوری کرنے میں اس کا ساتھ دے..... اور حقیر دنیا بنانے کے بدلے اپنی آخرت بیچ ڈالے۔

خلیفہ:۔ بے شک بے شک، آپ نے حق بات فرمائی..... اب آپ یہ فرمائیں کہ ہمارے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے؟

ابوحازمؒ:۔ امیر المومنین آپ اس بارے میں مجھے معافی دیں، میری خواہش یہ ہے کہ میں کچھ نہ کہوں.....

خلیفہ:۔ نہیں نہیں، دراصل ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ ہمیں کچھ نصیحت فرمائیں۔

ابوحازمؒ:۔ امیر المومنین! آپ کے آباؤ اجداد نے لوگوں کو تلوار کے زور سے دبایا اور

مسلمانوں کی رضامندی اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کیا، بہت سے لوگ اس ہنگامے میں مارے گئے۔ کاش آپ کو معلوم ہوسکتا کہ ان کے بارے میں لوگوں نے کیا کیا کہا اور انھوں نے ان کے ساتھ کیا کیا۔ خلیفہ کے مصاحب نے اس موقع پر ذرا تیوری پر بل ڈالتے ہوئے ابوحازم سے کہا، ابوحازمؒ! آپ نے یہ نہایت سخت بات کہی جو ہرگز آپ کو نہ کہنا چاہیے تھی۔

ابوحازمؒ:۔ (ذرا اونچی آواز میں جوش کے ساتھ) تم جھوٹ کہتے ہو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ خدا نے علما سے عہد لیا ہے کہ وہ ''خدا کے احکام لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں چھپائیں نہیں۔''

خلیفہ:۔ حضرت یہ فرمایئے، ہماری اصلاح کا کیا طریقہ ہے؟

ابوحازمؒ:۔ نمود و نمائش اور بڑائی جتانے سے پرہیز کرو، مروّت اختیار کرو اور لوگوں کے درمیان برابری کے ساتھ دولت تقسیم کرو۔

خلیفہ:۔ ابوحازمؒ! اس ملک کے محصول اور ٹیکس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوحازمؒ:۔ جائز طریقے پر ٹیکس وصول کیجیے اور ان لوگوں پر صرف کیجئے جو اس کے مستحق ہیں۔

خلیفہ:۔ کیا آپ ہمارے ساتھ رہنا پسند فرمائیں گے کہ ہم آپ سے کچھ فائدہ اٹھا سکیں اور آپ کو بھی ہم سے کچھ نفع پہنچے۔

ابوحازمؒ:۔ (نہایت اعتماد کے ساتھ) میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ آپ کی صحبت میں رہوں۔

خلیفہ:۔ حضرت! آخر یہ کیوں؟

ابوحازمؒ:۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں آپ سے دنیا کی ختم ہونے والی تھوڑی پونجی کا طالب نہ بن جاؤں، جس کی وجہ سے خدا مجھے دہرا عذاب دے۔

خلیفہ:۔اگر آپ ہمیں اپنی ضرورتیں بتادیں تو ہم انھیں پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

ابوحازمؒ:۔(جی ہاں میری ایک ضرورت ہے) اگر آپ پوری کرسکیں۔

خلیفہ:۔(خوش ہوکر) ضرور ضرور آپ فرمائیں، آپ کی ضرورت پوری کرنا ہماری خوش نصیبی ہے۔

ابوحازمؒ:۔امیر المومنین! مجھے دوزخ سے نجات دلا کر جنت میں داخل فرمایئے۔

خلیفہ:۔(خلاف توقع مطالبے پر ذرا کڑھتے ہوئے) یہ بات ہمارے بس میں نہیں۔

ابوحازمؒ:۔تو پھر میری اور کوئی ضرورت نہیں ہے جو میں آپ سے بیان کروں۔

خلیفہ:۔ابوحازم آپ خدا کے پیارے بندے ہیں، خدا سے میرے لیے دعا فرمایئے۔

ابوحازمؒ:۔(دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے) پروردگار! اگر سلیمان تیرے فرماں بردار اور پسندیدہ بندے ہیں تو ان کو دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائیوں سے مالا مال کر دے، اور اگر وہ تیرے دشمن ہیں تو ان کی پیشانی کے بال پکڑ کر ان کو اس راہ کی طرف پھیر دے جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہے، اور ان کو ان کاموں کی توفیق عطا فرما جن سے تو خوش ہوتا ہے۔

خلیفہ:۔بس حضرت! کچھ اور فرمایئے!

ابوحازمؒ:۔امیر المومنین! یہ دعا اگرچہ مختصر ہے لیکن یہ آپ کے حق میں بہت زیادہ ہے اگر آپ واقعی اس کے مستحق ہیں۔اور اگر خدا کی نظر میں آپ اس کے مستحق نہیں ہیں، تو آپ ہی بتایئے ایسی کمان سے تیر چلانے سے کیا حاصل جس میں تانت نہ ہو۔

خلیفہ:۔حضرت کچھ وصیت فرمایئے۔

ابوحازمؒ:۔سنئے میں مختصر وصیت کرتا ہوں۔

اپنے رب کی عظمت پہچانیے، اوراس بات سے پرہیز کیجئے کہ آپ کا رب آپ کو اس مقام پر دیکھے جہاں کے لیے اس نے آپ کو منع فرمایا ہے، اوراس مقام پر وہ آپ کو نہ پائے جہاں کے لیے اس نے آپ کو حکم دیا ہے۔

ابوحازمؒ نے یہ وصیت کی سلام کر کے فوراً واپس ہو گئے۔

سلیمان بن عبدالملک دیر تک تنہا بیٹھے ابوحازم کی بے مثال جرأت، بے نیازی اور حکیمانہ گفتگو پر غور کرتے رہے اوران کے دل نے گواہی دی کہ ابوحازم کی آنکھوں نے واقعی رسولؐ کے صحابہؓ کا دیدار کیا ہے پھرانھوں نے سواشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی ابوحازمؒ کی خدمت میں روانہ کی اور لکھا کہ آپ کھلے دل سے اس کو صرف کیجیے، ان شاءاللہ آپ کی ضرورت اسی طرح برابر پوری کی جاتی رہے گی۔

ابوحازمؒ کے پاس جب امیرالمومنین کا قاصد، تھیلی اور پیغام لے کر پہنچا تو آپ نے امیرالمومنین کا خط لے کر پڑھا اور تھیلی لینے کے بجائے خط کا جواب لکھنے بیٹھ گئے.....سلام و دُعا کے بعد آپ نے لکھا:۔

امیرالمومنین! میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کی اور میری ساری گفتگو اکارت جائے اوراس سے بھی خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ رقم کی واپسی آپ کی تحقیر کے لیے ہو، امیرالمومنین! جب اس دنیا کو میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا تو آپ کے لیے کیسے پسند کرسکتا ہوں، قرآن میں ہے:

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾ القصص 28:24-23

اور جب موسیٰؑ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اوران سب سے الگ دو دوشیزائیں اپنے جانوروں کو روکے ہوئے کھڑی ہیں۔ موسیٰؑ نے ان خواتین سے پوچھا، آپ دونوں کس پریشانی میں ہیں؟ خواتین نے جواب دیا.....ہم اس وقت

تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ سب چرواہے اپنے جانوروں کو پلا کر گھاٹ سے نکال نہ لے جائیں۔ اور ہمارے ابو بہت ہی بوڑھے ہو چکے ہیں، (اس لیے ان کے بجائے ہمیں خود ہی اس کام کے لیے آنا پڑتا ہے) یہ سن کر حضرت موسیٰ ؑ نے آگے بڑھ کر ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا اور پھر ایک سائے دار مقام میں جا بیٹھے اور اپنے رب سے دست بدعا ہوئے کہ پروردگار! جو خیر تو نے مجھ پر نازل فرمایا ہے میں اس کا ضرورت مند ہوں۔

دراصل موسیٰ ؑ بھوکے بھی تھے، اور پچھلے واقعات کی وجہ سے کچھ ڈرے ہوئے بھی تھے..... وہ امن اور پناہ کے لیے فکر مند تھے..... مگر انھوں نے بندوں سے کچھ نہ مانگا، اپنے رب سے ہی سوال کیا اور شعیب ؑ کی دونوں ذہین بچیاں موسیٰ ؑ کی بات کو پا گئیں۔ انہوں نے گھر جا کر اپنے باپ کو سارا ماجرا سنایا۔

شعیب ؑ بھی سمجھ گئے اور انھوں نے اپنی لڑکی کو حضرت موسیٰ ؑ کے بلانے کے لیے بھیج دیا..... لڑکی شرم وحیا کا پیکر بن کر موسیٰ ؑ کے پاس پہنچی اور باپ کا پیغام پہنچایا..... موسیٰ ؑ لڑکی کے ساتھ روانہ ہو گئے جب شعیب ؑ کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ کھانے پر حضرت شعیب ؑ ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ شعیب ؑ نے ان سے کھانے کے لیے کہا، لیکن حضرت موسیٰ ؑ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ حضرت شعیب ؑ کو بڑی حیرت ہوئی اور پوچھا کیا آپ کو بھوک نہیں ہے؟ حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا، بے شک میں بھوکا ہوں، اور بہت بھوکا ہوں، لیکن کھانے سے اس لیے پرہیز کر رہا ہوں کہ خاندان نبوت کو کوئی داغ، نہیں لگانا چاہتا، ہم لوگ اپنی کسی نیکی اور بھلائی کو سونے کے بدلے بھی نہیں بیچتے۔

حضرت شعیب ؑ موسیٰ ؑ کی بات سن کر بہت متاثر ہوئے اور فرمایا..... اے جوان صالح! ہمارے بزرگوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ ہم مہمان کی خاطر تواضع کو اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں..... موسیٰ ؑ نے اطمینان کے ساتھ کھانا کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

امیر المومنین! آپ کے بھیجے ہوئے یہ دینار اگر میری گفتگو اور وصیت کا صلہ ہے تو صاف صاف سن لیجیے۔ کہ اضطرار اور مجبوری کے وقت مردار خون اور سور کا گوشت اس سے زیادہ حلال ہے اور اگر آپ نے اس لیے بھیجے ہیں کہ بیت المال میں میرا حق ہے تو مجھ جیسے

بہت بندگان خدا کا بیت المال میں حق ہے، تنہا میں ہی حق دار نہیں ہوں۔ اگر آپ نے سب کو اسی طرح برابر، برابر حصہ دیا ہے تو بہت خوب، ورنہ مجھے اس مال کی قطعاً ضرورت نہیں۔

اُس خط کے ساتھ ابو حازمؒ نے خلیفہ کو اشرفیوں کی وہ تھیلی واپس کر دی۔

عبرت آموز اقوال

(۱)۔ دارُنَا فَانِیَۃ اَحوالنا عارِیۃ اَنْفَاسُنَا مَعْدُوْدَۃ وَ کَسْلُنَا مَوْجُوْدَۃ

ہمارا یہ دنیوی گھر عارضی اور فانی ہے، ہمارے یہ احوال و اسباب ہمارے پاس عاریۃً ہیں، ہماری یہ سانسیں گنتی کی ہیں..... اور پھر بھی ہم غفلت اور سستی میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۲) اَللّٰھُمَّ اَبْسُطْ لِیَ الدُّنْیَا وَزَھِّدْنِیْ عَنْھَا

اے میرے رب! دنیا کو میرے لیے خوب کشادہ کر دے اور مجھے خوش حال فرما دے لیکن اس کے چکر میں پھنسنے سے مجھے بچا۔ (صدیق اکبرؓ)

(۳)۔ دَارٌ اَسِّسَتْ عَلَی الْبَلْوٰی فَلَا بَلْوٰی مُحَالٌ

جس گھر کی بنیاد ہی آزمائش پر رکھی گئی ہے، اس میں آزمائش اور بلا سے چھٹکارا محال ہے۔

(فاروق اعظمؓ)

(۴) اِرْضَ بِالْیَسِیْرِ مِنَ الدُّنْیَا مَعَ سَلَامَۃِ دِیْنِکَ کَمَا رَضِیَ قَوْمٌ بِکَثِیْرٍ مَعَ ذَھَابِ دِیْنِھِمْ

اس تھوڑی سی دنیا پر ہی راضی اور خوش رہو جو تمھیں دین کی سلامتی کے ساتھ میسر آجائے، جس طرح بدنصیب لوگ اپنا دین کھو کر بہت سی دنیا پا لینے پر خوش ہیں۔

(سعید بن مسیبؒ)

(۵)۔ مَنْ کَانَ ھِمَّتُہٗ مَا یَدْخُلُ فِیْ جَوْفِہٖ کَانَ قِیْمَتُہٗ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ

جس شخص کی ساری دوڑ دھوپ کا مرکز صرف وہ ہو جو وہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے، تو اس کی اپنی قدر و قیمت اس کے برابر ہے جو وہ اپنے پیٹ سے خارج کرتا ہے۔ (امام شافعیؒ)

(۶)۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّکُوْنَ حَیًّا فِیْ حَیَاتِہٖ فَلَا یُسْکِنِ الطَّمْعَ فِیْ قَلْبِہٖ

جو یہ چاہتا ہو کہ اپنی زندگی میں واقعی زندہ انسان ثابت ہو تو وہ اپنے دل میں طمع اور لالچ کو ہرگز نہ ٹکنے دے۔ (عبداللہ بن خفیفؒ)

(۷)۔اَلطَّمَّاعُ مُسْتَوْحِشٌ مِنْهُ کُلُّ واحِدٍ (عبداللہ بن خفیفؒ)

لالچی سے ہر شخص وحشت محسوس کرتا اور دور بھاگتا ہے۔

(۸)۔اَلْعِلْمُ کُلُّہٗ فِی کَلِمَتَیْنِ لَا تَتَکَلَّفْ فِیْ مَا کُفِیْتَ وَلَا تُضَیِّعْ مَا اسْتُکْفِیْتَ

(ابراہیم بن خواص)

سارے علم کا نچوڑ دو باتیں ہیں۔

☆ وہ فکر اپنے سر نہ لو جس کی ذمہ داری خدا تمھاری طرف سے لے چکا ہے۔

☆ اور اس کو ضائع نہ کرو جس کے کرنے کا تم سے مطالبہ ہے۔

(۹)۔اِذَا سَلِمَتْ مِنْكَ نَفْسُكَ فَقَدْ اَدَّیْتَ حَقَّهَا وَاِذَا اَسْلَمَ مِنكَ الْخَلْقُ قَضَیْتَ حُقُوْقَهُمْ۔ (ابوحمزہ بغدادیؒ)

جب تمھاری ذات نے تم سے سلامتی پائی تو سمجھ لو کہ تم نے اس کا حق ادا کر دیا، اور جب مخلوق تم سے محفوظ رہی تو سمجھ لو کہ تم نے ان کے حقوق ادا کر دیئے۔

(۱۰)۔اَلتَّوْحِیْدُ اَنْ لَّا یَخْطُرَ بِقَلْبِكَ مَادُوْنَ تَوْحِیْدٍ (قاسم بن مہدی سیاری)

توحید یہ ہے کہ آپ کے دل میں توحید کے سوا کسی چیز کا کھٹکا ہی نہ گزرے۔

(۱۱)۔مَنْ اٰثَرَ صُحْبَةَ الْاَغْنِیَاءِ عَلٰی مُجَالَسَةِ الْفُقَرَاءِ اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِمَوْتِ الْقَلْبِ۔ (سعید بن سلام مغربیؒ)

جو شخص دولت مند دنیاداروں کی مجلس کو درویشوں کی مجلس پر ترجیح دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دل کی موت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ابن مبارکؒ اور سفر کے ساتھی

ابن مبارکؒ کو حرم پاک کی زیارت کا انتہائی شوق تھا۔ ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے، جب آپ حج کے لیے ارادہ فرماتے تو بہت سے لوگ آپ کے ہم راہ ہو لیتے، کہ ایک خدا رسیدہ کی رفاقت حاصل رہے گی۔ اور آپ خوشی خوشی سب کو اپنے ساتھ لے لیتے، راستے میں صرف اپنے ہی کھانے پینے کا انتظام نہ فرماتے بلکہ سارے رفقائے سفر کے لیے انتظام فرماتے۔ ایک سال جب آپ حج کے لیے جا رہے تھے، تو لوگوں نے دیکھا کہ دو اونٹوں پر تو صرف بھنے ہوئے مرغ لدے ہوئے ہیں۔

جولوگ بھی آپ کے ہم راہ جانے کے لئے آتے ،ان سے فرماتے اپنی اپنی رقمیں میرے پاس جمع کردو۔لوگ اپنی اپنی تھیلیاں آپ کے حوالے کرتے ،آپ ان تھیلیوں پر مالکوں کا نام لکھ کر حفاظت سے رکھ لیتے ،اور راستے بھر اپنے پاس سے خرچ کرتے ، ساتھیوں کو اچھے سے اچھا کھلاتے ،لوگوں کے آرام اور جذبات کا پورا پورا خیال رکھتے ،اور ہر طرح کی سہولت پہنچانے کا اہتمام کرتے.....حج سے فارغ ہو کر مدینے جاتے ،اور روضہ اطہر کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے ، پھر جب واپسی کا ارداہ کرتے تو ساتھیوں سے کہتے اپنے گھر والوں کے لئے ضرورت کی جو چیزیں خریدنا چاہو، خرید لو۔لوگ اپنے گھر والوں کے لیے ضرورت کا سامان، دوست احباب کے لیے تحفے خرید لیتے ،اور حضرت کشادہ دلی سے ان کی قیمتیں ادا فرمادیتے۔حج سے واپس گھر پہنچتے ،تو اپنے سارے ساتھیوں کی دعوت کرتے ، دعوت کے بعد ایک نشست ہوتی اور آپ ہر ایک رفیق سفر کو اس کی امانت میں رکھی ہوئی تھیلی واپس کردیتے۔

ایک بار دوستوں نے پوچھا، حضرت! آپ بتاتے نہیں کہ حج کے دوران سارا خرچہ آپ اپنے پاس سے کرتے ہیں، فرمایا اگر میں پہلے سے اپنے ساتھیوں کو یہ بات بتادوں کہ تمھاری رقمیں محفوظ رہیں گی ، اور میں اپنے پاس سے ہر طرح کا خرچ کروں گا تو کون آسانی سے تیار ہوگا کہ راستے میں میری رقم سے کھائے ، اور میری ہی رقم سے اپنے گھر والوں اور دوستوں کے لیے سب کچھ خریدے۔

اگر میں شروع ہی میں ان پر یہ راز کھول دوں یا ان کی رقمیں لے کر محفوظ نہ رکھوں تو ممکن ہے کہ یہ میرے ساتھ ہی نہ جائیں ، اور میں ان کی رفاقت اور خدمت سے محروم رہ جاؤں ، اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ زیارت حرم کی سعادت سے محروم رہ جائیں ، اس بہانے مجھے موقع مل جاتا ہے کہ میں خدا اور رسولؐ کے مہمانوں کی کچھ تواضع کرلیتا ہوں ، اور اپنا مال خرچ کرنے کی سعادت پالیتا ہوں۔تم ہی بتاؤ، اپنا دل پسند مال خرچ کرنے کا مصرف اس سے بڑھ کر کیا ہوگا آدمی خدا اور رسولؐ کے ان مہمانوں پر خرچ کرے ، جو خدا اور رسولؐ کے

گھر کی زیارت کے لیے اپنے گھروں سے نکلے ہوں۔

سعید بن مسیبؒ کی صاحب زادی کا رشتہ

خلیفہ عبدالملک کے صاحب زادے ولید جب سن شباب کو پہنچے تو امیر المومنین کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ اور خلیفہ کی نظر سعید بن مسیبؒ پر پڑی۔ سعید بن مسیبؒ جلیل القدر تابعی تھے۔ مدینے میں ان کے علم و پرہیز گاری کا بڑا چرچا تھا۔ حدیث وفقہ کے امام تھے، ان کی ایک لڑکی تھی، حسن و جمال کا پیکر، قرآن وسنت کی حافظہ اور نہایت ہی سلیقہ شعار۔

چنانچہ خلیفہ عبدالملک نے اپنے صاحب زادے ولید کا پیغام حضرت سعید بن مسیبؒ کے یہاں بھیجا، حضرت بھلا کہاں منہ لگانے والے تھے۔ ان کی نگاہ میں دنیوی جاہ وجلال کی کیا قدر، حضرت نے صاف انکار کر دیا۔ خلیفہ کو خلاف توقع یہ انکار سخت ناگوار گزرا اور انھوں نے طرح طرح سے حضرت پر دباؤ ڈالنا شروع کئے، جب اس سے بھی کام نہ چلا تو خلیفہ نے ان پر سختیاں شروع کیں، طرح طرح سے ان کو اذیتیں دینے لگے۔

لیکن سعید بن مسیبؒ نے سب کچھ جھیلا اور ہرگز راضی نہ ہوئے، اور صاف صاف کہہ دیا میں دنیا بنانے کی خاطر اپنے جگر گوشے کی عاقبت ہرگز برباد نہیں کر سکتا، اور خلیفہ ہر طرح کی کوششیں کر کے آخر کار مایوس ہو گئے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ اپنے مکان ہی پر حدیث کا درس دیتے تھے اور تشنگان علم دور دور سے اپنی علمی پیاس بجھانے آتے۔ انھی طلبہ میں ایک نہایت غریب اور معمولی حیثیت کے شخص ابوودا عہ بھی تھے۔ یہ بڑی پابندی سے درس میں شریک ہوتے، اور بڑی توجہ سے حدیث کا علم سیکھتے۔ ان کی نیکی، تقویٰ اور شوق علم سے حضرت سعید بن مسیبؒ بہت متاثر تھے۔ یہ دنیوی لحاظ سے معمولی حیثیت کے مالک تھے، لیکن دینی لحاظ سے خدا نے ان کو مالا مال کر رکھا تھا۔

ابوودا عہ پابندی سے درس میں آتے۔ ایک بار چند روز کے لیے غیر حاضر ہو گئے۔

سعید بن مسیب ؒ کو فکر ہوئی کہ ابوودا عہ چند روز سے کیوں غائب ہیں۔ دریافت حال کے لیے ایک آدمی بھیجا ..... ابوودا عہ اسی وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلام کیا اور ادب سے حضرت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت سعیدؒ:۔ ابوودا عہ! تم کئی روز سے کہاں غائب ہو؟

ابوودا عہ:۔ (غمگین آواز میں) حضرت! میری شریک حیات کا انتقال ہو گیا، بچے چھوٹے چھوٹے ہیں، ان کی دیکھ بھال اور گھر کا کام کاج سب مجھے ہی کرنا پڑتا ہے، بڑی پریشانی ہے، اسی پریشانی میں آپ کے فیض سے بھی محروم رہا۔

حضرت سعیدؒ:۔ اچھا تمھاری شریک حیات کا انتقال ہو گیا۔ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں کی، میں تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا۔

ابوودا عہ:۔ حضرت! میں نے سوچا، آپ مصروف آدمی ہیں، مسجد اور گھر کے سوا کہیں جاتے بھی نہیں، آپ کو کیا زحمت دوں۔ خدا کا شکر ہے سارے کام بخیر خوبی انجام پا گئے۔

تھوڑی دیر میں جب سارے طالب علم رخصت ہونے لگے تو ابوودا عہ نے بھی اجازت چاہی، حضرت سعیدؒ نے ان کو اپنے پاس بلایا، کچھ رقم دی اور ہدایت فرمائی کہ تم اس سے اپنا قرض ادا کرو۔ پھر پوچھا۔ کہو تم نے دوسری شادی کی فکر بھی کی یا نہیں؟

ابوودا عہ کا دل بھر آیا، آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے اور بولے۔ حضرت میں نے قریش کا ایک ایک خاندان چھان مارا اور ایک ایک سے درخواست کی، مگر حضرت کسی نے میرا پیغام قبول نہ کیا، میرے پاس جائداد ہے نہ مال و دولت، میں ایک نادار فاقہ کش انسان ہوں، پھر چھوٹے بچے ہیں۔ حضرت! میرے پاس تو خدا کی محبت اور خوف کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

اللہ اکبر! لوگ تمھیں صرف اس لیے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ تم نادار اور مفلس ہو، خدا گواہ ہے تم معمولی آدمی نہیں ہو، تمھارے پاس دین کی دولت ہے، علم دین

کا جذبہ ہے، اور حضرت سعیدؒ ایک سرد آہ بھر کر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور ابوو داعہ کے کندھے پر شفقت و محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولے، ابوو داعہ! تم تیار ہو، میں تمھیں اپنی فرزندی میں لینا چاہتا ہوں۔ ابوو داعہ کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ وہ خلاف امید یہ خوش خبری سن کر حیران رہ گئے اور ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔

حضرت نے پھر ابوو داعہ کو متوجہ کیا اور کہا بیٹے! بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے؟

حضرت! اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی کیا ہوگی کہ آپ مجھے اپنی سرپرستی میں قبول فرمالیں۔ ابوو داعہ نے کہا۔

حضرت نے اسی وقت کچھ لوگوں کو بلوایا اور ان کی موجودگی میں چند درہم مہر پر ابوو داعہ سے اپنی پیاری لڑکی کا نکاح پڑھا دیا۔ اس لڑکی کا نکاح جس کے لیے انھوں نے شہزادہ ولید کا رشتہ ٹھکرا دیا تھا اور خلیفہ عبدالملک کے ظلم و ستم سہے لیکن کسی طرح تیار نہ ہوئے۔

نکاح مسنون ہو گیا، اور ابوو داعہ خوشی سے جھومتے ہوئے اپنے گھر پہنچے۔ گھر پہنچ کر خوشی خوشی اپنی ماں کو سارا واقعہ سنایا، ماں نے واقعہ سنا تو دیر تک خدا کا شکر ادا کرتی رہیں۔

اب ابوو داعہ کو فکر یہ تھی کہ وہ رخصتی کے لیے ضروری سامان کہاں سے مہیا کریں۔ ماں بھی فکر مند تھی اور بیٹا بھی۔ رمضان کے دن تھے، دونوں نے روزہ افطار کیا اور اسی فکر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

کون..... ابوو داعہ نے پوچھا۔

میں ہوں سعید۔

آواز تو جانی پہچانی تھی لیکن ابوو داعہ حیران کہ حضرت سعید یہاں کیسے، وہ تو اپنے گھر اور مسجد کے سوا کہیں جاتے ہی نہیں..... آخر یہاں وہ کیسے آ گئے! حیرت اور مسرت کے ساتھ دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ واقعی حضرت سعید بن مسیبؒ کھڑے مسکرا رہے ہیں، نظریں چار ہوئیں اور حضرت سعیدؒ نے فوراً کہا، اسلام علیکم۔

ابوودا عہ :۔ وعلیکم اسلام ورحمتہ اللہ! حضرت ،آپ نے مجھے بلوالیا ہوتا۔آپؒ نے کیوں زحمت فرمائی۔

حضرت:۔ بیٹے !کوئی حرج نہیں۔میں نے سوچا کہ تمھاری بیوی موجود ہے،توتم رات تنہا کیوں بسر کرو۔تمھاری بیوی کو لے کر آیا ہوں۔یہ کہا اور لڑکی کو اشارہ کر کے گھر کے اندر داخل کر دیا،اور ابوودا عہ سے رخصت لے کر اسی وقت واپس ہو گئے۔

ابوودا عہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔وہ حیرانی اور خوشی کے عالم میں ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ اپنی چاندسی بیوی کو لے کر ماں کے پاس پہنچے،ماں نے اسی وقت اپنے تمام پڑوسیوں میں خوشی کا اعلان کر دیا کہ مدینے کے امام حضرت سعید بن مسیبؒ نے اپنی پیاری لڑکی کا نکاح میرے بیٹے ابوودا عہ کے ساتھ کر دیا ہے اور ابھی ابھی اس پیکر سیرت و جمال کو میرے گھر پہنچا گئے ہیں۔

ابوودا عہ کی ماں نے دلہن کو سنوارا، بیٹے کو مبارک باد دی۔ پڑوسیوں نے بھی مبارک باد دی،اور سب حیران تھے کہ آخر سعید بن مسیبؒ جیسے عظیم شخص نے ابوودا عہ کو کیسے منتخب کر لیا۔

اور جب حضرت ابوودا عہؒ کی ملاقات اس چاند کے ٹکڑے سے ہوئی تو دیکھا کہ ان کی رفیقہ حیات قرآن وسنت کی حافظہ،علم وتہذیب سے آراستہ ایک فرشتہ صفت حسن و جمال کا پیکر حور ہے ابوودا عہؒ کا دل خوشی اور نور سے جگمگا اٹھا۔

نکاح کے لیے انتخاب کا معیار

عبداللہ بن مبارکؒ حدیث کے مشہور امام گزرے ہیں۔ان کے وسیع علم،تقویٰ اور نیکی کی گواہی دیتے ہوئے حضرت ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

''ابن مبارک نیکی ،حسن عبادت ،خلوص،وسعت علم ،جذبہ جہاد،غم خواری،جواں مردی،راہ حق میں استقامت اور دوسری تمام اخلاقی خوبیوں میں ممتاز ہیں،اور خدا گواہ ہے کہ ان کی انھی خوبیوں کی وجہ سے میں ان سے محبت کرتا ہوں اور صرف اللہ کی خاطر ان سے محبت کرتا ہوں۔ان کی محبت سے مجھے بھلائی کی امید ہے۔''

حضرت عبداللہؒ کے والد حضرت مبارکؒ ایک دولت مند کے باغ کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے، مالک ان کی دیانت اور لیاقت کی وجہ سے ان سے بہت ہی خوش تھے۔ ایک دن مالک نے ان کی کارگزاری سے خوش ہوکر ان کو اپنے پاس بلایا اور کہا، ''مبارک! میں یہ چاہتا ہوں کہ کل سے تم باغ کی دیکھ بھال تو کسی دوسرے آدمی کے سپرد کردو اور میری صحبت میں میرے ساتھ رہا کرو۔ مبارکؒ خاموش رہے تو مالک نے کہا، مبارک! میں نے سوچ سمجھ کر تمھیں یہ اعزاز دیا ہے، تمھارے پاس باغ کی نگرانی کے لیے کئی آدمی ہیں، تم جس کو مناسب سمجھو یہ ذمہ داری سونپ دو اور کل سے میری مجلس میں بیٹھا کرو۔

مبارکؒ نے شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے چلے آئے اور دوسرے دن باغ کی نگرانی ایک دوسرے آدمی کے سپرد کر کے مالک کی مجلس میں بیٹھنے لگے۔ اب تو مبارکؒ کے جوہر اور کھلنے لگے، اور باغ کے مالک ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ گھریلو کام میں بھی ان سے ضرور مشورہ لیتے اور مبارکؒ کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتے۔

ایک دن باغ کے مالک کچھ فکرمند تھے، مبارکؒ سمجھ گئے کہ ضرور آج ان کو کوئی پریشانی لاحق ہے۔ پوچھا، حضور کیا بات ہے، آج آپ کچھ فکرمند نظر آرہے ہیں؟

جی ہاں! آج ایک مسئلہ میں میرا ذہن الجھا ہوا ہے، اور تم سے اس معاملے میں مشورہ کرنا ضروری ہے، اور مالک نے رازداری کے ساتھ مبارکؒ کے سامنے مشورے کے لیے اپنا مسئلہ رکھا۔

مبارک! بھائی بات یہ ہے کہ لڑکی جوان ہوگئی ہے اور اس کے پیغام آنے لگے ہیں، میں بھی چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد اس کی شادی کردوں پیغام کئی ہیں، سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کس پیغام کو قبول کروں اور کس کا انکار کردوں۔

مبارکؒ نے غور سے اپنے مالک کی باتیں سنیں، پھر فرمایا، اس کا فیصلہ کرنا تو کوئی ایسی دشوار بات نہیں ہے، جاہلیت کے دور میں عرب کے لوگ تو حسب نسب کو دیکھتے تھے، یہود مال و دولت پر جان دیتے ہیں، اور نصاریٰ حسن و جمال پر جان چھڑکتے ہیں، مگر اسلام کی

ہدایت یہ ہے کہ دین واخلاق کوترجیح دی جائے۔اب آپ آسانی سے فیصلہ کرسکتے ہیں کہ آپ کے نزدیک قابل ترجیح کیا چیز ہے۔

مبارکؒ کی یہ باتیں سن کر مالک بہت خوش ہوئے،دل ہی دل میں ان کی دانائی اورعقل مندی کی تعریف کی ،فوراً گھر گئے۔اپنی بیوی کو پورا واقعہ سنایا۔بیوی نے بھی مبارکؒ کے عاقلانہ مشورے کی تعریف کی،مالک نے بیوی کو بھی متوجہ پایا تو بولے،میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی پیاری بیٹی کا نکاح مبارکؒ سے کردوں۔ایسا دیانت دار،عقل منداورخدا ترس نوجوان ملنا مشکل ہے۔

ارے یہ کیا،غلام سے اپنی بیٹی کا نکاح!بیوی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

کیوں کیا بات ہے،کیا دین واخلاق میں وہ سب سے افضل نہیں ہے،کیا اسلام نے نکاح کے لیے یہ معیار بتا کر کوئی غلطی کی ہے،خدا کے رسولؐ نے جب یہ ہدایت دی ہے کہ نکاح کے انتخاب میں دین واخلاق کو دیکھو تو یقینا یہی بات صحیح ہے،اسی میں دین ودنیا کی بھلائی ہے۔اب مجھے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔بیوی بھی راضی ہوگئیں اور باغ کے مالک کی چاندسی لڑکی کا نکاح مبارک کے ساتھ کردیا گیا۔اسی لڑکی سے مبارکؒ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔باپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور یہی وہ عبداللہ ابن مبارک ہیں جو آسمان حدیث پر سورج بن کر چمکے۔

مقروض کی مدد کا مثالی انداز

ا۔حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ اکثر شام کے سفر پر جاتے ،راستے میں رقہ کے مقام پر ایک سرائے تھی،ہمیشہ اسی سرائے میں آپ قیام فرماتے۔اس سرائے میں ایک نوجوان تھا،جب بھی آپ وہاں جاتے وہ جی جان سے آپ کی خدمت کرتا اور آپ سے حدیثیں سیکھ کر یاد کرتا،آپ بھی بڑی شفقت اور محبت سے اس کو حدیثیں سکھاتے۔

ایک بار جب آپ سرائے میں پہنچے تو وہ نوجوان نظر نہیں آیا،آپ کو بہت فکر ہوئی، لوگوں سے پوچھا کہ وہ نوجوان دکھائی نہیں دیتا۔لوگوں نے بتایا کہ وہ قید میں ہے،وجہ معلوم

کی تو لوگوں نے بتایا کہ اس پر ایک شخص کا قرضہ تھا، قرضے کی رقم بہت زیادہ تھی، قرض خواہ اکثر تقاضے کرتا اور اس کے پاس کچھ تھا نہیں کہ اس کو دیتا، آخر اس نے تنگ آ کر اس کو گرفتار کروا دیا۔ آپ کی بے چینی بڑھنے لگی اور آپ اسی وقت اس قرض خواہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ معلوم کرتے کرتے اس کے گھر پہنچے۔ اس سے تنہائی میں فرمایا، بھائی سرائے میں رہنے والے اس نوجوان پر تمھارا کتنا قرضہ ہے جس کو تم نے گرفتار کرا دیا ہے، .....تم قرضے کی ساری رقم مجھ سے لے لو اور میں تمھارا احسان مانوں گا اگر تم اس چھڑا دو۔ اور اس کو خدا کا واسطہ دے کر کہا دیکھو یہ راز کسی کو بتانا نہیں۔ وہ خوشی خوشی راضی ہو گیا کہ رقم ملنے کی سبیل پیدا ہو گئی اور وعدہ کر لیا کہ کسی کو یہ راز نہیں بتاؤں گا۔ آپ نے اسی وقت اس کی ساری رقم ادا کر دی اور وہاں سے روانہ ہو گئے.....نوجوان جب قید سے رہا ہو کر سرائے پہنچا تو اس کو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ آئے تھے اور اس کو پوچھ رہے تھے، نوجوان یہ خبر سنتے ہی ملاقات کے لئے بے تاب ہو گیا۔ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور دل میں ٹھانی کہ جیسے بھی ہو حضرت سے ضرور ملاقات کروں گا۔

کئی دن تک سفر کرتے کرتے اور پوچھتے پوچھتے آخر کار حضرت کی خدمت میں جا پہنچا۔ نوجوان کو دیکھ کر حضرت بہت خوش ہوئے، دیر تک اس کی خیریت پوچھتے رہے، دعائیں دیتے رہے،.....نوجوان نے اپنی گرفتاری اور رہائی کا سارا قصہ سنایا، اور بتایا کہ سرائے میں خدا کا کوئی رحم دل بندہ آیا تھا، اس نے محض خدا کی رضا کے لئے میرے قرضے کی ساری رقم میری طرف سے ادا کر دی اور میں رہا ہو گیا.....معلوم نہیں کون تھا، میرے دل کی گہرائیوں سے آٹھ پہر اس کے لئے دعائیں نکلتی ہیں۔ حضرت نے غور سے اس کی آپ بیتی سنی، اس کو شکر کی تلقین کی کہ خدا ہی مصیبت سے نجات دلانے والا ہے۔

جب حضرت اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس قرض خواہ نے یہ راز ظاہر کیا کہ وہ رقم ادا کرنے والے حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ تھے۔

(۲) ایک پریشان حال اور نادار شخص پر سات سو کا قرضہ تھا۔ لوگوں نے حضرت سے

اس کی پریشانی اور قرض کا ذکر کیا۔ حضرت نے اسی وقت اپنے منیجر کے نام خط لکھا، اور اس شخص کو بلوا کر اس کے حوالے کیا اور فرمایا، جاؤ یہ رقم لے کر اپنا قرضہ ادا کر دو۔ وہ شخص رقعہ لے کر خوشی خوشی منیجر کے پاس پہنچا، منیجر کو حضرت کا رقعہ دیا، اور خوشی میں زبانی بھی منیجر کو بتایا کہ مجھ پر سات سو کا قرضہ ہے، میرے پاس دینے کے لئے پائی نہیں ہے قرض خواہ تقاضے کر رہا ہے، خدا حضرت کو خوش رکھے کہ انھوں نے خود ہی سات سو کے لئے یہ رقعہ آپ کے نام لکھ دیا ہے۔

تمھارے ذمہ کتنا قرضہ ہے؟ منیجر نے رقعہ لانے والے سے پوچھا۔

سات سو کا قرضہ ہے، اور حضرت نے پوری رقم دینے کے لئے لکھا ہے۔ مجھ سے فرمایا تھا، جاؤ یہ رقم لے کر اپنا قرضہ ادا کر دو۔ رقعہ لانے والے نے وضاحت کی۔

اچھا تو آپ ذرا دیر یہاں ٹھیریں، میں حضرت سے رقم کے بارے میں معلوم کر لوں منیجر نے کہا۔

کیا اس میں کچھ کم رقم لکھی ہے؟ رقعہ لانے والے نے ذرا پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔ نہیں بلکہ اس میں بھولے سے حضرت نے سات ہزار کی رقم لکھ دی ہے۔ منیجر نے بتایا۔

اور حضرت کی خدمت میں ایک پرچہ لکھ کر بھیجا کہ یہ شخص سات سو کا مقروض ہے اور آپ نے پرچے میں سات ہزار بھولے سے لکھ دئے ہیں۔

حضرت نے اسی وقت جواب میں رقعہ بھیجا کہ اب اس کو چودہ ہزار کی رقم دے دو۔ منیجر نے پھر حضرت کی خدمت میں پرچہ لکھا کہ آپ اگر یہ دولت اسی طرح لٹاتے رہے تو تھوڑے ہی دنوں میں یہ سارا خزانہ ختم ہو جائے گا۔

حضرت نے رقعہ پڑھا تو کچھ رنجیدہ ہوئے اور منیجر کو لکھا کہ آپ براہ کرم اس کو چودہ ہزار کی رقم دے دیں، میں دنیا لٹا کر آخرت سمیٹنے کی فکر کر رہا ہوں، تم نے شاید نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سُنا ہے۔

''اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو کسی ایسی بات سے اچانک خوش کردے جس کی اسے امید نہ ہو تو اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمادے گا۔''

تم ہی بتاؤ کیا چودہ ہزار (۱) کی حقیر رقم میں مغفرت کا یہ سودا ٹوٹے کا سودا ہے؟

ماں کے قدموں تلے جنت ڈھونڈنے والا

میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو ثابت کر کے رہے گا..... امام مالکؒ نے یہ کلمات اس شخص کے بارے میں فرمائے جس کو دنیا ''امام اعظمؒ'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔

امام اعظمؒ ابھی جوان بھی نہ ہوئے تھے، کہ والد کے سائے سے محروم ہو گئے۔ البتہ آپ کی والدہ محترمہ مدت تک دعا دینے کے لئے زندہ رہیں، اور آپ نے اپنی تمام گراں قدر مصروفیتوں کے باوجود ان کی ایسی خدمت واطاعت کی جو صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ماں کے قدموں تلے جنت ڈھونڈنے والا ہو۔

عام عورتوں کی طرح امام اعظمؒ کی ماں بھی واعظوں سے بہت زیادت عقیدت رکھتی تھیں، اور کسی قدر شکی مزاج بھی تھیں۔ کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور اور مقبول واعظ تھے، یہ ان سے خاص عقیدت رکھتی تھیں، اور دینی مسائل میں ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتی تھیں۔

امام اعظمؒ نہ صرف کوفے میں بلکہ تمام عالم اسلام میں مانے ہوئے فقیہ تھے اور سند کا درجہ رکھتے تھے، لیکن جب ان کی والدہ کو کسی مسئلہ کے معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ امام ابوحنیفہؒ کو حکم دیتیں کہ ابوحنیفہ! جاؤ اور حضرت عمرو بن ذرؒ سے یہ مسئلہ معلوم کر آؤ، اور امام صاحبؒ ایک سعادت مند بیٹے کی طرح اسی وقت حضرت عمرو بن ذرؒ کی خدمت میں پہنچ جاتے اور ان سے فرماتے والدہ نے یہ مسئلہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

عمرو بن ذرؒ بڑی معذرت کے ساتھ کہتے، حضرت! میں بھلا آپ کے سامنے زبان

---

(۱) دوسری بار حضرت نے سات ہزار کے بجائے چودہ ہزار کی رقم اس لئے لکھی کہ سات سو کے بجائے سات ہزار کی بات تو اسے منیجر سے معلوم ہی ہو گئی تھی، اب سات ہزار کے بجائے جب اچانک وہ چودہ ہزار کی رقم خلاف امید دیکھے گا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہے گی۔ اور بندہ مومن کی اسی خوشی پر خدا کا دریائے رحمت جوش میں آتا ہے۔

کھول سکتا ہوں، میں کس منہ سے آپ کو مسئلہ بتاؤں، امام صاحبؒ اصرار فرماتے کہ والدہ کا حکم ہے، آپ ضرور بتایئے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ عمرو بن ذرؒ اپنی لاعلمی کا اعتراف فرماتے اور امام صاحبؒ سے کہتے، کہ آپ بتادیں تو میں اسی کو دہرادوں۔ امام صاحبؒ مسئلہ بتاتے، عمر بن ذرؒ اسی کو دہرادیتے، اور آپ اپنی والدہ کو وہی مسئلہ آکر بتادیتے، مگر اپنی والدہ کو یہ راز کبھی نہ بتاتے کہ مسئلہ تو خود میرا بتایا ہوا ہے۔

کبھی کبھی بوڑھی ماں اصرار کرتیں، کہ بیٹا میں خود چل کر مسئلہ پوچھوں گی۔ اور اپنے کانوں سے حضرت کا جواب سنوں گی تا کہ مجھے اطمینان ہو، اور امام صاحبؒ ایک تابع دار فرزند کی طرح ان کو خچر پر سوار کرتے، خود لگام پکڑ کر آگے آگے چلتے، اور جب والدہ محترمہ خود حضرت سے سوال جواب کر کے اطمینان کر لیتیں تو انھیں واپس لے آتے۔

ایک بار والدہ محترمہ نے امام صاحبؒ سے کہا، بیٹے اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ امام صاحبؒ نے مسئلہ بتایا، بولیں ٹھیک کہہ رہا ہوگا لیکن دل کو اطمینان نہیں ہوتا، اگر زرقہ واعظ تیری بات کی تائید کر دیں تو مجھے اطمینان ہو جائے۔ امام صاحبؒ اسی وقت اپنی والدہ محترمہ کو زرقہ واعظ کے یہاں لے گئے۔ اور وہاں جا کر حضرت زرقہ کے سامنے مسئلہ رکھا، زرقہؒ نے کہا، کیا خوب، دنیا آپ کے مسائل کو سند سمجھے اور میں آپ کو مسئلہ بتاؤں۔ آپ نے خود ہی اپنی والدہ کو کیوں نہیں بتادیا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا میں نے اس صورت میں شریعت کا یہ حکم بتایا۔ زرقہؒ نے فرمایا آپ نے بالکل صحیح بتایا۔ حضرت زرقہؒ نے امام صاحب کے مسئلہ کی تصدیق کر دی تو ان کی والدہ کو اطمینان ہوا۔

عراق وخراسان کے گورنر ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا اور بے حد اصرار کیا کہ وہ اس عہدے کو قبول کر لیں لیکن امام صاحب کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ اس پر ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو گرفتار کر کے درے لگوائے، آپ کی والدہ محترمہ زندہ تھیں، بہت ضعیف ہو چکی تھیں..... ان کو معلوم ہوا تو بہت پریشان اور بے چین ہوئیں..... ان کی بے چینی اور صدمہ دیکھ کر امام صاحبؒ بھی بے چین ہو گئے۔ اور فرمایا

، مجھے دروں کی تکلیف نے تو بے چین نہیں کیا البتہ والدہ کی بے چینی اور صدمے نے ضرور بے چین کر دیا۔

اخلاقی جرأت

خلیفہ منصور کو معلوم ہوا کہ حضرت سفیانؒ اور حضرت سلیمان خواصؒ ان سے ملنے کے لئے آئے ہیں، تو خلیفہ نے کہا کہ دونوں کو خیمے کے اندر میرے پاس بلالو۔

خادموں نے دونوں بزرگوں سے گزارش کی کہ امیر المومنین آپ کو اپنے پاس خیمے کے اندر بلا رہے ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے چاہا کہ اندر جائیں لیکن ایک دم ٹھٹھک کر رک گئے۔ دیکھا کہ پورے خیمے میں نہایت بیش قیمت فرش بچھا ہوا ہے۔ فرمایا جب تک یہ فرش اُٹھ نہ جائے، سفیان اندر قدم نہیں رکھ سکتا۔

ابو جعفر کو حضرت سفیان کی یہ بات پہنچائی گئی، تو انھوں نے حکم دیا کہ فوراً فرش اٹھا دیا جائے۔ اور فرش اٹھا دیا گیا۔

اب حضرت سفیان ثوریؒ یہ آیت پڑھتے ہوئے فرش پر بیٹھ گئے۔

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ طٰہٰ 55:20

اسی خاک سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی خاک میں ہم تم کو لوٹائیں گے، اور پھر اسی خاک سے ہم تمھیں دوبارہ اٹھا کر کھڑا کریں گے۔

ابو جعفر منصورؒ پر اس کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اور نہایت عاجزی سے انھوں نے درخواست کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیے۔

حضرت سفیان ثوریؒ دیر تک سخت الفاظ میں نصیحتیں کرتے رہے، اور وہ سنتے رہے۔ کچھ دیر بعد حضرت سفیانؒ اٹھ کر چلے آئے، ایک درباری ابو عبید یہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا رہا، بولا ''امیر المومنین! حیرت ہے آپ ایسے زبان دراز شخص کے قتل کا حکم کیوں نہیں فرماتے!''

''خاموش!'' ابو جعفر منصور نے ابو عبید کو ڈانٹا اور کہا ''اس وقت دو ہی ہستیاں ہیں جن

کا ادب واحترام لازم ہے، ایک تو یہی سفیان ثوریؒ ہیں اور دوسرے ہیں مالکؒ بن انس۔''

صاف گوئی کا صلہ

حجاج ایک مشہور گورنر گزرا ہے، یہ بڑا ہی سفاک تھا، بے شمار انسانوں کو اس نے قتل کیا، ایک دن جب اس نے کچھ قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو ایک قیدی نے کڑک کر کہا،

''تم مجھے ہرگز قتل نہیں کر سکتے!''

''کیوں؟'' حیران ہو کر حجاج نے غضب ناک لہجے میں پوچھا۔

''اس لئے کہ میرا تم پر ایک حق ہے'' قیدی نے جرأت کے ساتھ جواب دیا۔

''کیا حق ہے؟'' حجاج نے وضاحت چاہی۔

''ایک دن جب عبدالرحمن ابن شعثؒ نے ایک مجلس میں آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو میں نے آپ کی مدافعت کی اور آپ کی طرف سے جواب دیا۔'' قیدی نے وضاحت کی۔

کیا تمھارا کوئی گواہ ہے؟ حجاج نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''جی ہاں میں ہوں گواہ، یہ میرے سامنے کی بات ہے۔'' ایک دوسرے قیدی نے گواہی دیتے ہوئے کہا۔

حجاج نے سپاہیوں کو حکم دیا، پہلے قیدی کو رہا کر دیا جائے۔

اب حجاج غضب ناک نگاہوں کے ساتھ اس دوسرے قیدی کی طرف متوجہ ہوا جس نے پہلے قیدی کی گواہی دی تھی، حجاج نے اس سے پوچھا۔

''اس شخص نے عبدالرحمن بن اشعث کو میری طرف سے جواب دیا تو تم نے میری حمایت کیوں نہیں کی، تم نے میری برائی کیونکر برداشت کی؟''

''میں بھلا آپ کی طرف سے کیوں جواب دیتا، میں آپ کی حمایت کس دل سے کرتا، میرے دل میں تو برسوں سے آپ کے خلاف نفرت اور بغض بھرا ہوا ہے۔'' قیدی نے بے لاگ جواب دیا۔

حجاج کواس قیدی کی صاف گوئی اور بے خوفی پر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی ،اور اس نے اسی وقت حکم دیا۔

''جاؤ تمھیں بھی رہا کیا جاتا ہے''۔

پڑوسی کا ایمان افراز سلوک

وہ ایک معمولی موچی تھا۔مگر رسولؐ کی پیروی کرنے والے ایک امتی نے اپنے حسن سلوک سے اس کوکوفے کا مشہور اور قابل احترام فقیہ بنا دیا۔شراب وکباب ،عیش وطرب اور عیاشی ،یہی اس کا محبوب مشغلہ تھا۔رات کا اندھیرا بڑھتے ہی اس کے رنگین مزاج اور عیاش طبع دوست اکر جمع ہو جاتے ،شراب کباب کا دور چلتا ،اور گانے بجانے کی محفل جمتی ،وہ خود بھی نشے میں بدمست ہوتا اور اس کے یاران محفل بھی..... پھر وہ مزے میں آکر بڑی دردناک اور پرسوز آواز میں یہ شعر پڑھتا۔

''دنیا والوں نے مجھے برباد کر دیا ،اور کیسے جوان کو انھوں نے برباد کر دیا ،جو جنگ کے میدان میں اپنے جوہر دکھاتا اور سرحد کی حفاظت میں اپنی جان لڑا دیتا''۔

امام اعظمؒ دل ہی دل میں بہت کڑھتے اس لئے بھی کہ ان کے ذکر وفکر میں خلل پڑتا اور اس لئے بھی کہ یہ غریب موچی دن بھر مزدوری کر کے کس محنت سے چند پیسے کماتا ہے، اور یہ محنت کی کمائی کس طرح شراب وکباب میں برباد ہو جاتی ہے،مگر کبھی پڑوسی کو سخت سست نہ کہا،ایسا نہ ہو کہ پڑوسی کے دل کو تکلیف پہنچ جائے ،اور جب وہ مدہوشی کے عالم میں یہ شعر پڑھتا تو آپ تڑپ اٹھتے اور سوچ میں پڑ جاتے کہ کس طرح اس جوان کو برباد ہونے سے بچایا جائے۔

موچی دن بھر محنت مزدوری کرتا اور رات کو شراب کباب اور رقص وسرود کی محفل جمتی .....امام صاحبؒ بڑی پریشانی محسوس کرتے مگر اس سے ایک لفظ نہ کہتے ،البتہ جب وہ دردناک لہجے میں اپنا پسندیدہ شعر گاتا تو آپ پریشان ہو جاتے ،ایک عرصے تک یہی ہوتا رہا۔

ایک شب اتفاق سے شہر کا کوتوال چند پہرے داروں کے ساتھ ادھر آنکلا۔اس کے

کان میں جب گانے بجانے کی آواز آئی تو وہ رک گیا۔ معلوم کیا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ لوگوں نے پوری روداد سنائی اور کوتوال نے موچی کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔

صبح ہوئی اور امام صاحب باہر نکلے تو آپ نے پوچھا ہمارے پڑوسی کے یہاں رات بڑی خاموشی رہی، لوگوں نے بتایا، حضرت اس کو کوتوال نے گرفتار کر لیا ہے اور جیل بھیج دیا۔

امام صاحبؒ کو یہ خبر سن کر بہت رنج ہوا، اسی وقت سواری منگوائی، لباس تبدیل کیا۔ اور ایوان حکومت کی طرف روانہ ہو گئے۔ خلفاے عباسیہ کا دور تھا اور کوفہ کے گورنر عیسی بن موسی تھے۔ یہ خلیفہ منصور کے بھتیجے تھے اور نہایت ہی ہوشیار مدبر اور بہادر تھے۔ امام صاحبؒ محل کے قریب پہنچے تو اطلاع کرائی۔ عیسی ابن موسی کو معلوم ہوا کہ امام صاحب آ رہے ہیں تو بہت خوش ہوئے، درباریوں کو امام صاحبؒ کے استقبال کے لئے روانہ کیا اور حکم دیا کہ امام صاحبؒ کو سواری پر ہی اندر لایا جائے، امام صاحبؒ کی سواری اندر آئی تو تعظیم کے لئے خود اٹھے آگے بڑھ کر امام صاحب کو اتارا اسلام دعا کے بعد عزت کے ساتھ اپنے مسند پر بٹھایا، خود سامنے بیٹھے اور نہایت ادب سے پوچھا حضرت! کیسے زحمت فرمائی؟ مجھے بلا بھیجتے، میں خود حاضر خدمت ہو جاتا۔

ایک ضروری کام سے آنا پڑا، امام صاحبؒ نے فرمایا۔

ارشاد فرمایئے، حکم بجالانا ہماری سعادت ہے۔ گورنر نے نہایت ادب سے کہا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا، وہ رات بھر اپنے شغل میں لگا رہتا اور ہمیں بے دار رکھتا، کل وہ گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا ہے، میں اس لئے آیا ہوں کہ میرے پڑوسی کو رہا کر دیا جائے۔

حضرت! یہ کون سی اہم بات تھی، کہ آپ اس کے لئے خود تشریف لائے، آپ نے کسی سے کہلوا دیا ہوتا۔ عیسی بن موسی نے کہا اور اسی وقت جیلر کو آرڈر بھیجا کہ گزشتہ شب جو موچی گرفتار کیا ہے اس کو رہا کر کے ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔

آرڈر پہنچتے ہی موچی کو رہا کر دیا گیا، اور گورنر کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ موچی رہا ہو

کر پہنچا اور دیکھا کہ امام صاحب بھی موجود ہیں تو بہت شرمندہ ہوا۔

امام صاحب گورنر کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہوئے ،اور موچی کو بھی اپنے ساتھ جانے کے لئے کہا، وہ شرم سے گردن جھکائے خاموش آپ کے ساتھ ہولیا۔امام صاحبؒ بھلا کیسے گوارا کرتے کہ ان کا پڑوسی اس طرح مضمحل اور افسردہ دل رہے، بڑی شفقت اور محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس سے کہا''۔کہو بھائی !ہم نے تمھیں ضائع تو نہیں کیا؟''

امام صاحبؒ کا یہ مثالی سلوک دیکھ کر اس کا دل بھر آیا، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ اس فرشتہ صفت انسان کو کیا جواب دے۔اپنی حالت اور امام صاحبؒ کا یہ سلوک دیکھ کو وہ سوچنے لگا کہ میں بھی کیسا ظالم انسان ہوں، ایسے انسان کو میں رات بھر اپنی رنگ رلیوں سے ستاتا رہا، اس کا جی چاہا کہ اپنے آپ کو امام صاحبؒ کے قدموں میں ڈال دے اور دھاڑیں مار مار کر روئے.....وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

امام صاحبؒ اس کی کیفیت کو بھانپ گئے اور نہایت شفقت کے ساتھ بولے دیکھو بھئی، ہم نے تمھیں برباد نہیں ہونے دیا، تمہارا وہ شعر ہمیں بہت پسند ہے جو تم پُرسوز آواز میں پڑھا کرتے تھے''۔

''حضرت !واقعہ یہ ہے کہ آپ نے پڑوس کا حق ادا کر دیا، آپ نے میری آنکھیں کھول دیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب یہ حرکتیں کبھی نہ کروں گا، اور پھر تو اس کا یہ حال تھا کہ محنت مزدوری سے جو وقت بچتا وہ امام صاحبؒ کے درس میں پہنچ جاتا۔اس کا علمی شوق بڑھتا رہا، اور دھیرے دھیرے اس کا ذوق اس قدر بڑھ گیا کہ فقہ میں اس نے گہری بصیرت پیدا کر لی، اور کوفے میں فقیہ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔امام صاحبؒ کے حسن سلوک نے اس کی شخصیت بدل دی۔

مثالی ماں کی مثالی تعلیم

گھر سے نکلے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے، اور اب رہ رہ کر بوڑھی ماں کی یاد اور وطن

کی محبت ستار ہی تھی ، اور یہ تمنا تھی کہ بوڑھی ماں سے زندگی میں ملاقات کا شرف حاصل کر سکوں اور میری ماں اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ کر باغ باغ ہو جائیں کہ پاک تمناؤں کا جو پودا انھوں نے لگایا اور جس کی شادابی کے لئے انھوں نے راتوں کو اٹھ اٹھ کر تنہائی میں اپنے خدا کے حضور دامن پھیلا پھیلا کر اور آنسو بہا بہا کر دعائیں کی تھیں، آج وہی پودا خدا کے بے پایاں فضل، اور ان کی مقبول دعاؤں کی برکت سے دین و دنیا کے پھلوں سے لدا ہوا ہے،..... اس شوق نے کچھ ایسا زور کیا کہ میں نے اسی وقت امام مالک سے اجازت چاہی اور کہا اب میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنی بوڑھی والدہ کی خدمت میں پہنچ جاؤں جو آٹھ پہر مجھے یاد کرتی رہتی ہوں گی ، اور میرے تصور میں بے قرار ہوں گی۔

امام مالکؒ نے یہ سنا تو تاکید فرمائی کہ شافعیؒ فوراً سفر کی تیاری کرو،..... چنانچہ میں نے اسی وقت سامان سفر باندھنا شروع کر دیا، امام صاحبؒ نے ایک آدمی پہلے مکہ کی طرف روانہ کر دیا کہ وہ جا کے پہلے سے میرے گھر والوں کو یہ اطلاع کر دے کہ ادریس شافعی تعلیم سے فارغ ہو کر مکے پہنچ رہے ہیں۔

اور اب میں اس شان کے ساتھ ہجوم شوق میں روانہ ہوا کہ میرے آگے پیچھے خراسانی گھوڑے اور مصری خچر، کپڑوں، غلوں اور درہم و دینار سے لدے ہوئے تھے۔

سفر تو میں برسوں سے کر رہا تھا، لیکن آج سفر انتہائی طویل محسوس ہو رہا تھا، راستے میں مکے کی گلیوں کا تصور آتا کبھی بوڑھی ماں کی محبت بھری آواز کا خیال آتا، کبھی اپنے ساتھی یاد آتے اور میں انھی یادوں میں مگن وطن سے قریب ہو رہا تھا۔ جب حدود حرم میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ عورتیں میرے انتظار میں کھڑی ہیں اور میری بوڑھی کمزور ماں بھی آغوش محبت پھیلائے مجھے گلے لگانے کے لئے بے تاب ہیں، جیسے ہی میں قریب پہنچا، گھوڑے سے نیچے اترا تو ماں نے گلے لگا لیا اور دیر تک خوشی کے آنسو بہاتی رہیں، پھر میری بوڑھی خالہ آگے بڑھیں، انھوں نے بھی مجھے چمٹا لیا، اور میری پیشانی چومتے ہوئے بڑے شوق میں ایک شعر گنگنانے لگیں۔

''موت کی موجیں تیری ماں کو بہا نہیں لے گئیں، آج ہر دل مامتا میں تیرے لئے ماں بنا ہوا ہے''۔

مکے کی سرزمین پر یہ پہلے محبت بھرے بول تھے، جو میں نے سنے اور خوشی میں میرے دل کی عجیب کیفیت تھی، اب مکے کے بہت سے مرد اور عورتیں بچے جمع ہو گئے تھے ۔میں دیر تک وہاں کھڑا کبھی اپنے لائے ہوئے قیمتی سامان کو دیکھتا رہا اور کبھی اپنی بوڑھی ماں کو مگر میں نے دیکھا کہ وہ کچھ غم زدہ سی ہیں، سب خوش ہیں مگر میری ماں کے چہرے پر نام کو بھی مسکراہٹ نہیں۔ جب کافی دیر ہو گئی تو میں آگے بڑھنے لگا، اور ماں سے عرض کیا کہ چلیے اماں۔

بوڑھی ماں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولیں بیٹے کہاں چلیں؟

میں نے کہا اماں! گھر چلیے۔

بولیں بیٹے یاد ہے جب میں تجھے رخصت کر رہی تھی تو میرے پاس دو پرانی چادروں کے سوا کچھ اور نہ تھا، اور میں نے تیرے شوق کو دیکھ کر وہی تیرے حوالے کیں اور اس طرح تجھے گھر سے روانہ کیا کہ تو ایک فقیر تھا، اور اس آرزو کے ساتھ روانہ کیا کہ تو رسولؐ کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹے۔ بیٹے! یہ غرور کی پونجی ہے،.....کیا تو یہ سب اس لئے لایا ہے کہ اپنے چچا کے بیٹوں پر اپنی بڑائی جتائے اور انھیں حقیر سمجھے۔

میں بالکل خاموش کھڑا اپنی بوڑھی ماں کو تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا، اللہ اکبر دولت دنیا سے بے نیاز، علم دین کی یہ عظمت، خدا پر بھروسا!.....میرا دل عقیدت سے جھک گیا، اور میری آنکھیں گرم آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے، ماں کی مقبول دعاؤں اور پاک آرزوؤں کی بدولت ہی ملا ہے، میں نے محسوس کیا کہ برسوں پڑھنے اور سیکھنے کے باوجود بھی آج ریت کے اس ٹیلے کے نیچے بوڑھی ماں نے مجھے جو کچھ سکھایا وہ میں اب تک جذب نہ کر سکا تھا، اور میں نے شوق و محبت میں اپنی ماں کے ہاتھ چوم لئے۔

پھر نہایت عاجزی سے میں نے کہا، امی! فرمایئے اب میں کیا کروں؟

بولیں، بیٹے کرنا کیا ہے، اعلان عام کر دے کہ بھوکے آئیں اور غلہ لے جائیں، پیادے آئیں اور سواریاں لے جائیں، ننگے آئیں اور کپڑے لے جائیں نادار آئیں اور دولت لے جائیں۔

میں نے اسی وقت عام اعلان کرادیا اور ذرا دیر میں ساری دولت مکے کے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہوگئی، اب میرے پاس ایک خچر اور پندرہ سو دینار کے سوا کچھ نہ بچا تھا، ہم لوگ مکے میں داخل ہوئے، اتفاق سے راستے میں میرا کوڑا گر گیا، ایک باندی پیٹھ پر مشک لادے جا رہی تھی، اس نے لپک کر کوڑا اٹھایا اور نہایت ادب سے میرے حوالے کیا۔

میں نے اس باندی کو انعام دینے کے لئے پانچ دینار نکالے تو ماں نے دیکھ کر کہا، بس بیٹے یہی پانچ دینار ہیں۔ تیرے پاس؟

میں: نہیں امی! ابھی دس اور ہیں۔

امی تو بیٹے وہ دس کس لئے رکھے ہیں؟

میں نے امی! رکھ لئے ہیں کہ وقت بے وقت کام دیں گے اور غلہ بھی تو نہیں بچا ہے، شاید آج ضرروت پڑے۔

امی:۔ ارے بیٹا تعجب ہے دس دینار پر تو اتنا بھروسا اور سب کچھ دینے والے پر ذرا بھروسا نہیں، نکال سارے دینار اور اس باندی کے حوالے کر۔

میں نے سارے دینار اس باندی کے حوالے کر دیئے ..... اور اب میرا ہاتھ بالکل خالی تھا، لیکن دل ایسا غنی تھا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا غنی نہ تھا۔

ماں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بڑے پیار سے فرمایا، بیٹے! اب تو اسی حال میں اپنے جھونپڑے میں داخل ہو جس حال میں وہاں سے نکلا تھا، مگر آج میرے جھونپڑے میں وہ روشنی ہوگی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ بیٹے اخدا نے تیری پیشانی میں علم کا نور رکھا ہے

، میں نہیں چاہتی کہ یہ نور دنیا کی فانی راحتوں سے دھندلا ہو، اور اس میں کمی آئے ، بیٹے ! تجھے یاد ہے میں نے رخصت کرتے وقت تجھے دعا دی تھی کہ خدا تجھے علم کے آسمان پر سورج بنا کر چمکائے ۔ بیٹے میں نہیں چاہتی کہ دنیوی مال و دولت کی بدلیوں میں اس سورج کی روشنی چھپکی پڑے اور اسلامی دنیا اس سے روشن نہ ہو سکے۔

بدو کی حیرت انگیز سخاوت

یہ حقیقت ہے کہ ملک میں ہر طرف میری سخاوت ، فیاضی اور داد و دہش کے چرچے تھے ، ہر زبان پر میری تعریف تھی ، اور ہر مجلس میں لوگ میری مثال پیش کرتے تھے ، کہ سخی دیکھنا ہو تو معن ابن زائدہ کو دیکھو، مگر ایک بار ایک بدو نے میرے ساتھ فیاضی اور سخاوت کا ایسا سلوک کیا اور ایسی تعلیم دی کی مجھے اپنی سخاوت پر شرم آنے لگی ۔ ہوا یوں کہ امیر المومنین ابو جعفر منصور مجھ سے خفا ہو گئے ۔ اور ان کی خفگی کچھ اتنی زیادہ بڑھی کہ مجھے روپوش ہونا پڑا ۔ امیر المومنین کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور انھوں نے ملک میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص بھی معن ابن زائدہ کو گرفتار کر کے لائے گا اسے شاہی انعام سے سرفراز کیا جائے گا۔

انعام کا اعلان سنتے ہی لالچی لوگوں کی رال ٹپکنے لگی اور ہر جگہ میری تلاش ہونے لگی ۔ میں بھی محتاط ہو گیا؛ اور صبح کہیں شام کہیں ، لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کی فکر میں رہنے لگا ۔ اتفاق کی بات ایک دن میں اپنی کسی ضرورت کے لیے آبادی میں آ رہا تھا ، کہ ایک سیاہ فام بدو تلوار لٹکائے میرے پیچھے لگ گیا ۔ میں کھٹک گیا ، اور میں نے اونٹ کو تیز کیا ، مگر وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آگے آیا ، میرے اونٹ کی لگام پکڑی اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچوں ، یا مدافعت کروں ، اس نے میرے اونٹ کو بٹھا کر مجھے دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

میں نے اس سیاہ فام سے نرمی کے ساتھ پوچھا ، تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو ، کیا کچھ رقم چاہتے ہو؟

امیر المؤمنین کو آپ کی تلاش ہے ۔ بدو نے مختصر سا جواب دیا۔

امیر المؤمنین کو معن ابن زائدہ کی تلاش ہے ، تم مجھ سے کیا چاہتے ہو اور مجھے پریشان

کرنے سے تمھارا کیا مقصد ہے؟ میں نے اس سے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

میں تمھیں جانتا ہوں۔ اس نے مختصر سی بات کہی اور مجھے اور زور سے جکڑ لیا، میں نے لاکھ کہا کہ میں معن ابن زائدہ نہیں ہوں، میں تو ایک مسافر ہوں، لیکن بدو نے ایک نہ سنی۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ اس سخت جان بدو سے بچ نکلنے کی کوئی سبیل نہیں ہے، تو میں نے اس سے کہا، بھائی امیر المؤمنین نے میری گرفتاری کے لیے جو انعام مقرر کیا ہے وہ مجھے معلوم ہے، دیکھو میرا یہ قیمتی ہار، اس انعام سے کئی گنا زیادہ قیمتی ہے، لو تم یہ ہار لے لو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔

بدو نے اپنی گرفت کچھ ڈھیلی کی، اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ چلو ہار گیا لیکن جان تو بچی، میں نے اپنا ہار اُتارا اور اس کو دینے لگا۔ وہ چند لمحے مجھے تکتا رہا، پھر اس نے وہ ہار اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولا، بے شک آپ کا یہ ہار اپنی مثال آپ ہے اور یہ اس انعام سے کہیں زیادہ قیمتی ہے جو ابو جعفر نے آپ کی گرفتاری کے لیے مقرر کیا، لیکن نہ مجھے آپ کے اس ہار کی ضرورت ہے اور نہ منصور کے انعام کی۔

میں نے سوچا خدا خیر کرے، اس کی نیت بخیر نہیں معلوم ہوتی۔ میں نے پوچھا پھر تم کیا چاہتے ہو؟

بدو نے کہا میں آپ سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، اگر آپ مجھے صحیح صحیح بتا دیں تو میں آپ کو فوراً چھوڑ دوں گا۔

''پوچھو بھئی کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' میں نے حیرت اور بیزاری کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا۔

''ملک میں ہر طرف آپ کی سخاوت اور فیاضی کے چرچے ہیں۔ ہر جگہ آپ کے کرم وانعام کی تعریفیں ہیں..... میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ نے اپنی ساری دولت لوگوں پر لٹا دی ہے؟'' بدو نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

میں نے حیرت سے اس کے سوال کو سنا اور جواب دیا ''نہیں ایسا تو نہیں ہے۔''

''تو کیا آپ اپنی آدھی دولت لٹا چکے ہیں؟'' بدو نے پھر سوال کیا۔

''نہیں آدھی دولت بھی نہیں لٹائی ہے'' میں نے جواب دیا۔ اسی طرح بدو پوچھتا رہا اور میں نہیں، نہیں کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب بدو نے کہا ''کیا آپ اپنی دولت کا دسواں حصہ لوگوں کو دے چکے ہیں؟ تو مجھے انکار کرتے ہوئے بڑی شرم آئی، واقعہ تو یہ ہے کہ میں نے اپنی دولت کا دسواں حصہ بھی خدا کے بندوں پر نہیں لٹایا ہے لیکن بدو سے میں نے یہی کہا، جی ہاں میں اپنی دولت کا دسواں حصہ فیاضی میں لٹا چکا ہوں۔'' بدو نے کہا مجھے تو ہرگز ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے دسواں حصہ لٹایا ہو''.....

اور پھر پوری طرح میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا'' دیکھئے جناب! مجھے سواری کے لیے نہ گھوڑی میسر ہے، نہ اونٹ میری زندگی کی گل پونجی یہ ہے کہ ابو جعفر کے دبار سے مجھے مہینے میں پانچ درہم مل جاتے ہیں، اور یہ ہار جو آپ مجھے دینا چاہتے ہیں ہزاروں اشرفیوں کا ہے، میری زندگی بھر کی کمائی سے کئی گنا زیادہ ہے لیکن اس بے سروسامانی کے باوجود میں آپ کا یہ ہار آپ ہی کو بخشتا ہوں۔ اور آپ کی جان بھی بخشتا ہوں، اور محض اس لئے بخشتا ہوں، کہ مخلوق خدا میں آپ سخاوت اور فیاضی کے لئے مشہور ہیں، اور اس لئے بخشتا ہوں تا کہ آپ یہ جان لیں کہ دنیا میں آپ سے بھی زیادہ فیاض اور سخی موجود ہیں، لہذا میرے محترم بھائی! آپ اپنی سخاوت، فیاضی اور شہرت پر کبھی غرور نہ کریں مخلوق خدا کی جو بڑی سے بڑی خدمت آپ انجام دے سکیں اسے حقیر سمجھیں، اور خدا کے بندوں کے ساتھ جو بھلائی اور سلوک بھی آپ کر سکتے ہوں، اس سے ہرگز باز نہ رہیں،

بدو نے یہ کہا، اور ہار میری گود میں پھینک کر چلتا بنا، میں پوری قوت سے چیخا او بھائی! او بھائی! خدا کی قسم تم نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے اس کے بجائے تو میرے لئے یہ بات زیادہ آسان تھی کہ تم میرا خون بہا دیتے۔ بھائی! میرے اوپر رحم کرو، اور اپنا یہ ہار لے لو، میں تمھیں دے چکا ہوں اور اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے''

بدو میری آہ وفغان سن کر ہنسا اور کہنے لگا'' کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ میں نے

آپ سے کہا ہے میں اس میں جھوٹا ہوں۔خدا کی قسم میں یہ ہار ہرگز نہ لوں گا۔میں نے تمھیں نیکی کی تعلیم دی ہے،اور نیکی کی تعلیم کا معاوضہ خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا''۔میں نے نہایت مضمحل ،نڈھال اور غمگین اپنے ٹھکانے پر واپس آیا۔اس واقعے کو کئی دن گزر گئے لیکن اس بدو کی صورت ہر وقت میرے سامنے رہتی ،اس کی آواز میرے کانو میں گونجتی ،اور میں دل ہی دل میں چیخ پڑتا کہ کاش اس نے اس سلوک کے بجائے مجھے ذبح کر دیا ہوتا ،کتنا حسین تھا یہ سیاہ فارم ،اور کتنا عظیم تھا یہ قلاش !اور پھر میں دل ہی دل میں معن سے کہتا ،معن !اس عظیم انسان کی تعلیم کبھی نہ بھلانا۔

تھوڑے عرصے کے بعد امیر المومنین نے میرا قصور معاف کر دیا،اور میں امن وامان سے رہنے لگا۔اب مجھے اس محسن بدو کی یاد ستانے لگی۔میرا دل اس کے لیے بے اختیار تڑپنے لگا۔اور میں سوچتا کاش زندگی میں اس سے ایک بار ہی پھر ملاقات ہو جاتی ،میں نے ہر طرف آدمی دوڑائے ،بڑے بڑے انعام کا اعلان کیا اور یہ تک اعلان کرا دیا کہ بدو کو ڈھونڈ لانے والا شخص کو جو انعام چاہے گا،دوں گا.....لیکن بدو کہیں نہ مل سکا۔وہ ایسا غائب ہوا کہ گویا زمین اسے نگل گئی۔

خودداری

حضرت امام احمد بن حنبلؒ ،اہل سنت کے مشہور امام گزرے ہیں،فقہ وحدیث دونوں میں آپ کا مرتبہ نہایت بلند ہے،آپ بڑے ہی خدا ترس ،جانباز حساس ،خوددار اور غیرت مند انسان تھے،آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔شعور کی عمر کو پہنچتے پہنچتے آپ علم دین میں اچھا مقام حاصل کر چکے تھے۔جب آپ کو معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وطن میں حضرت سفیان بن عیینہؒ حدیث کا درس دیتے ہیں اور دور دور سے طالبان حدیث ان سے فیض یاب ہونے کے لئے پہنچ رہے ہیں تو آپ بھی پہنچ گئے۔بے سروسانی کا عالم تھا،رہائش کے لئے کوئی مناسب اور معقول جگہ نہ مل سکی ،حدیث کے شوق میں آپ نے ایک کوٹھری میں قیام فرمایا،اور درس حدیث میں شریک ہونے لگے۔ایک دن جب آپ حدیث سے فارغ ہو کر

اپنی قیام گاہ پر پہنچے، تو معلوم ہوا کہ چوری ہوگئی ہے، اور آپ کا سارا سامان چور لے گیا ہے ۔ یہ خبر سنتے ہی آپ ایسے بے چین ہوئے کہ لوگوں کو رحم آنے لگا۔ دیر تک آپ بے چینی کے عالم میں اِدھر اُدھر گھومتے رہے کہ یکا یک آپ کی نگاہ کونے میں پڑے ہوئے ایک بستے پر پڑی ۔ آپ نے جھپٹ کر اسے اٹھایا، آنکھوں سے لگایا اور فرمایا، اب مجھے کوئی غم نہیں ، میری زندگی کا اصل سرمایہ مجھے مل گیا۔ آپ نے اطمینان کا سانس لیا، خدا کا شکر ادا کیا، اور بستہ کھول کر اس کو دیکھنے میں لگ گئے ، ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی حادثہ ہوا ہی نہیں یا آپ کا سارا سامان آپ کو واپس مل گیا۔ ایک تو تنگی اور پریشانی تھی ہی ، پھر جو کچھ تھا وہ بھی جاتا رہا تو آپ کی پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا، اور آپ درس سے غیر حاضر رہنے لگے۔

ساتھیوں کو آپ کی پریشانی کا علم ہوا تو آئے تسلی دی، اور مدد کرنا چاہی، لیکن آپ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انکار کر دیا اور ان کی مدد قبول نہ فرمائی۔ ساتھیوں نے سمجھانا چاہا کہ ہم خلوص کے ساتھ آپ کی مدد کر رہے ہیں اور اس لئے کر رہے ہیں کہ آپ سہولت کے ساتھ دین کا علم حاصل کر سکیں ، مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کا بہت سا وقت محنت مزدوری میں صرف ہو، لیکن آپ کی خودداری نے مدد لینا گوارا نہ کی اور بدستور بازار جا کر محنت مزدوری کرتے رہے۔ کئی دن کی محنت مزدوری کے بعد جب آپ نے ضرورت کی چیزیں فراہم کر لیں تو پھر پابندی کے ساتھ درس میں شرکت کرنے لگے۔

عفو و درگذر

دین کی خاطر مصائب جھیلنے والوں میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مقام انتہائی اونچا ہے۔ اسی طرح دین کی خاطر عفو و درگزر کرنے والوں میں بھی آپ کا مقام انتہائی بلند ہے۔

بغداد میں جب معتزلیوں کو غلبہ نصیب ہوا تو انھوں نے امام صاحب کو مجبور کیا کہ وہ ان کی منشا کے مطابق فتوی دیں ۔ معتزلیوں کا کہنا یہ تھا کہ قرآن مجید مخلوق ہے اور اسی فتوے پر وہ امام صاحب سے دستخط کرانا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ میرے علم و ضمیر کے خلاف ہے، میں اس فتوے پر ہرگز دستخط نہیں کر سکتا۔ اور پھر آزمائشوں اور ایذاؤں کا دور

شروع ہوا جس کے سننے ہی سے زہرہ آب [1] ہوتا ہے۔

بڑھاپے کی عمر کمزوری، اور اس حالت میں قید و بند کی مصیبتیں، مگر اللہ اکبر! آپ کی ثابت قدمی کہ آپ نے بھی اف تک نہ کی۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھے نحیف وزار کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے ہیں۔ اور جلاد پوری قوت سے ننگی پیٹھ پر کوڑے برسا رہا ہے، جب وہ تھک کر ہانپنے لگتا ہے تو سستانے کے لیے بیٹھ جاتا ہے اور پھر تازہ دم ہو کر یہی عمل شروع کر دیتا ہے، بوڑھے مظلوم کی پیٹھ سے خون رواں ہے سنگ دل جلاد ہاتھ ڈھیلا کر کے کوڑے برسا رہا ہے، یہی کوڑے اگر ہاتھی جیسے سخت جان جانور کی پیٹھ پر برسائے جاتے تو شاید وہ بھی تاب نہ لا سکتا، مگر اللہ اکبر! بوڑھے امام کی قوت برداشت اور عزم و ہمت، کہ ایک ہی بات زبان پر ہے، میں اپنے علم و ضمیر کے خلاف فتوے نہیں دے سکتا..... اور بے رحم جلاد کوڑا برسانے کی رفتار اور تیز کر دیتا ہے، مگر اس سے بھی بڑھ کر آپ کی عظمت اور تحمل کا مظاہرہ یہ تھا کہ جب ان زخموں کی تاب نہ لا کر آپ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، تو کچھ لوگوں نے پوچھا حضرت! ان ظالموں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جنھوں نے ناحق آپ پر ظلموں کے پہاڑ توڑے اور آج آپ کی حالت یہ ہے؟

امام صاحب نے نہایت اطمینان اور خندہ پیشانی کے ساتھ فرمایا، میں ان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، ان کا خیال یہ ہے کہ میں غلط راہ پر ہوں اور وہ حق پر ہیں۔ انھوں نے اپنے خیال میں مجھے حق کی راہ میں مارا ہے تو کیا میں محض ان زخموں کی خاطر قیامت کے روز ان کے خلاف دعوی کروں، آل رسولؐ کے خلاف کوئی بات زبان پر لاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔

تین کردار تین انجام

وہ تاریخی رات بھی عجیب و غریب تھی، جس میں ہارون الرشید کو ایک ہی وقت میں دو خوش خبریاں سنائی گئیں۔ ہارون الرشید بستر پر لیٹے آرام کر رہے تھے کہ یحی وزیر اعظم نے

---

(1) حوصلہ پست ہونا، خوف زدہ ہونا

آ کر جگایا اور کہا خلافت مبارک ہو!

کیسی خلافت، خلافت کا میرے لئے کیا سوال؟ ہارون الرشید نے سرد آہ کھینچتے ہوئے کہا، تم ایسی بے سروپا باتیں مت کیا کرو۔ اگر بھائی مہدی کو معلوم ہو گیا تو بیٹھے بٹھائے آفت آجائے گی۔

امیر المومنین یہ مذاق نہیں حقیقت ہے، قضا وقدر نے آپ کے حق میں خلافت کا فیصلہ فرمایا ہے۔ خلیفہ ہادی خدا کو پیارے ہو گئے۔ تخت خلافت آپ کا انتظار کر رہا ہے یحیٰ جملہ پورا کر ہی رہے تھے کہ ایک نسوانی آواز آئی۔

حضور! خدا کا شکر ادا کیجئے، اللہ نے آپ کو چاند سا بیٹا عطا فرمایا ہے حرم کی ایک کنیز خاص نے اندر آتے ہوئے کہا۔

الحمد اللہ! کیسی مبارک گھڑی ہے، خدا نے خلافت بھی بخشی اور خلافت کا جانشین بھی، جاؤ مراجل کو میری طرف سے مبارک باد دینا اور کہنا تمھارے بیٹے کے لئے ہم نے عبداللہ نام تجویز کیا ہے..... عباسی حکومت کے بانی سفاح کا بھی یہی نام تھا..... ہارون الرشید نے مسرت کے جذبات میں کنیز خاص سے کہا۔

یہ وہی عبداللہ ہیں جو تاریخ میں مامون الرشید اعظم کے نام سے مشہور ہوئے مامون الرشید خلیفہ ہوئے تو ان کے چچا ابراہیم بن مہدی نے بیعت سے انکار کر دیا اور بغداد میں بغاوت شروع کر دی، مامون نے ابراہیم کی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے ایک زبردست لشکر تیار کیا، ابراہیم جان کے خوف سے روپوش ہو گئے۔ مامون الرشید عراق پہنچے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی ابراہیم کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک لاکھ درہم انعام دیا جائے گا۔ ابراہیم پر ان دنوں میں کیا بیتی، کس طرح گرفتار ہوئے کیسے دربار میں پہنچے، اور وہاں ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا، یہ دل چسپ اور عبرت انگیز داستان خود ابراہیم کی زبانی تاریخ میں محفوظ ہے۔

"جب مامون الرشید عراق پہنچے، اور انھوں نے اعلان کرایا جو شخص ابراہیم کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک لاکھ انعام دیا جائے گا تو میں نے سمجھ لیا کہ اب بغداد میں رہا تو میری

جان کی خیر نہیں ہے، لہذا میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ گرمی کے دن تھے، ٹھیک دو پہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں، جب کہ گرمی کے مارے برا حال تھا، میں نے گھر کو خیر باد کہا، اور منزل سے بے خبر ایک طرف چل دیا، کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے، ایک گلی میں گھسا مگر وہ آگے سے بند تھی، اب کہاں جاؤں، آگے راستہ بند اور پیچھے لوٹنا مصلحت کے خلاف، اسی حیرانی کے عالم میں کھڑا تھا کہ ایک مکان کے دروازے پر ایک سیاہ فارم نوجوان نظر پڑا، میں نے نہایت عاجزی کے ساتھ اس سے درخواست کی کہ کچھ وقت کے لئے اپنے یہاں جگہ دے سکتے ہو، اس سیاہ فام روشن ضمیر نے شریفانہ انداز میں میرا استقبال کیا، اور نہایت عزت کے ساتھ ایک سجے سجائے، خوب صورت کمرے میں مجھے لے جا کر بٹھا دیا،.....اور فوراً ہی گھر کا دروازہ بند کر کے باہر روانہ ہو گیا، میرے دل کی حرکت تیز ہو گئی۔ میں نے سمجھ لیا کہ اب خیر نہیں، ضرور یہ سیاہ فارم میری گرفتاری کے لئے پولیس کو لینے گیا ہے، سوچا کہ بھاگ جاؤں، مگر کیوں بدگمانی کروں آدمی تو بہت شریف اور مہمان نواز معلوم ہوتا ہے، ہوسکتا ہے میرے لئے کچھ تواضع کا سامان لینے گیا ہو، جذبات اور خیالات کی یہ کشاکش جاری تھی، کہ وہ نوجوان دروازہ کھول کر اندر آیا، اس کے ساتھ ایک مزدور بھی تھا جس کے سر بہت سا سامان تھا، مجھے بہت خوشی بھی ہو رہی تھی اور تعجب بھی، دیگچی، تازہ گوشت، کورے برتن اور دوسری ضرورت کی چیزیں سب اس کے ساتھ تھیں، یہ سارا سامان اس نے میرے سامنے رکھا اور بولا۔ حضور میں ایک ادنی حجام ہوں، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ گھر کا تیار کیا ہوا کھانا حضور کے سامنے پیش کروں، اس لئے بازار سے یہ ساری نئی چیزیں لے آیا ہوں، حضور جس طرح مناسب سمجھیں استعمال فرمائیں۔

مجھے اس کی لیاقت اور شرافت پر تعجب ہو رہا تھا، اور دل ہی دل میں اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا کہ اس آڑے وقت میں وہ میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہا ہے، میں اٹھا اپنے ہاتھ سے اپنی پسند کا کھانا تیار کیا، اور خوب سیر ہو کر کھایا، اللہ کا شکر ادا کیا، جب میں کھانے سے فارغ ہوا تو نوجوان نے کہا حضور گستاخی معاف اگر کچھ شعر و شاعری ہو جائے تو

میری خوش نصیبی۔

ارے تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ میں موسیقی کا دل دادہ ہوں ،میں نے تعجب سے پوچھا۔حضور سے کون بدنصیب ناواقف ہوگا۔کیا ایک عرصے تک ہم آپ کے سایہ شفقت میں نہیں رہے ہیں ،آپ کا اسم مبارک ''ابراہیم''بغداد کے لئے اجنبی نہیں ہے ،مامون الرشید نے ایک لاکھ کا بیش بہا انعام آپ ہی کی گرفتاری کے لیے تو رکھا ہے.....

نوجوان نے نہایت سلیقے سے اپنی بات کہی۔

میں حیران نوجوان کو تک رہا تھا ،یہ نوجوان بھی خدا کی قدرت کا عجیب وغریب کرشمہ ہے ،میں سوچ رہا تھا ،اوراس کی التجا پر غور کررہا تھا ،رُوپوشی کے اس عالم میں جب اگلے لمحے کی خبر نہ ہوکس کو گانا سوجھتا ہے ،اورکس کا جی چاہے گا کہ گلے بازی کرے ،لیکن شریف اور فیاض میزبان کی درخواست کو رد کرنا بھی عالی ظرفی کے خلاف ہے ،کچھ دیر سوچتا رہا آخرکار میں نے کچھ اشعار گانا شروع کئے ،نوجوان مزے میں آگیا ،اورخود بھی گانے لگا۔اس کی آواز بھی غضب کی تھی ،میں کچھ ایسا بے خود ہوا کہ کچھ خبر نہ رہی۔میں نے اس سے کہا کچھ اور سناؤ ،اوراس نے سرمستی کے عالم میں اور گانا شروع کیا ،اورایسا سماں باندھ دیا کہ میں بالکل بدمست ہوگیا ،مجھے کچھ خبر نہ رہی کہ میں کہاں ہوں ،اورکس حال میں ہوں ،یہاں تک کہ میری آنکھ لگ گئی۔آنکھ کھلی تو شام ہوچکی تھی۔میں نے سوچا کہ اب چل دینا چاہیے ،ایسی بے پروائی ٹھیک نہیں ،میں نے جیب سے اشرفیوں کی ایک تھیلی نکالی ،نوجوان کی طرف بڑھائی اوراس سے رخصت چاہتے ہوئے کہا ،اچھا اب میں چلتا ہوں یہ مختصر سا تحفہ میری طرف سے قبول کرو ،اگر اللہ نے ہمارے دن پھیر دیئے تو پھر ہم تمھیں مالا مال کردیں گے ،اچھا لو میں چلا۔

نوجوان نے نہایت برا سا منہ بنایا ،اورنہایت ہی افسردہ لہجے میں بولا ،حضور ،میں بہت ہی غریب اور آپ کا ادنی خادم ہوں ،آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آپ نے میرے جھونپڑے کو اپنے قدموں سے نوازا۔کیا اس عزت اورشرف کو چند سکوں کی خاطر ٹبہ لگاؤں

،خدا کے لئے حضور مجھ سے دوبارہ اس طرح کی بات نہ کہیں، ورنہ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔

اس جوان کی یہ عالی ظرفی دیکھ کر مجھے بڑی شرم آئی، چپکے سے اپنی تھیلی اپنی جیب میں رکھی اور اس سے کہا، اچھا بھئی تمھاری مہمان نوازی کا بہت شکریہ، اب میں چلتا ہوں، نوجوان نے میرا ہاتھ پکڑ الیا اور نہایت عاجزی اور خلوص سے بولا، حضور آپ کہاں جائیں گے، لوگ آپ کی فکر میں ہیں، میرے آقا یہاں آرام سے کچھ دن رہیئے، ہوسکتا ہے کہ چند دن میں یہ فضا بدل جائے۔ حضور کچھ دن تو انتظار کیجئے، کچھ اس خلوص کے ساتھ اس نے یہ التجا کی کہ کچھ کہے بغیر میں وہاں رک گیا اور کئی دن تک اس کا مہمان رہا، اس کے سلوک میں اس دوران ذرہ برابر خشکی نہ آئی ..... میں حیران تھا کہ یہ نوجوان اگرچہ سیاہ فام ہے، لیکن اس کا دل کیسا اجلا ہے، یہ اخلاق، یہ خلوص، یہ مہمان نوازی اور یہ تہذیب کم ہی دیکھنے میں آتی ہے، ..... مگر یہ سوچ سوچ کر میں اکثر پریشان ہوتا تھا کہ مجھ آفت رسیدہ کی خاطر یہ نیک دل میزبان کتنی تکلیف اٹھا رہا ہے، کتنا خرچہ کر رہا ہے، آخر کار میں نے طے کیا کہ یہاں سے نکل جانا ہی بہتر ہے اور ایک دن میں نہایت خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ میں نے زنانہ کپڑے پہنے اور بھیس بدل کر وہاں سے چل پڑا.....

شامت اعمال کیا دیکھتا ہوں کہ بیچ راستے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار کھڑا ہے، اور مجھے دیکھ رہا ہے، اس نے مجھے تاڑ لیا تھا، جھٹ گھوڑے سے اترا اور آتے ہی مجھ سے گتھم گتھا ہو گیا اور چلانے لگا، ابراہیم ابن مہدی، ابراہیم ابن مہدی، خلیفہ نے جس کی گرفتاری کے لئے انعام رکھا ہے، سوار اگرچہ کڑیل فوجی جوان تھا، لیکن میری تو جان کا معاملہ تھا، میں نے پوری قوت کے ساتھ اس کو ایک جھٹکا دیا کہ وہ نیچے ایک گہرے کھڈ میں جا گرا اور میں لمحہ بھر تأمل کئے بغیر جدھر کو منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ آناً فاناً کھڈ کے پار جا پہنچا اور ایک تنگ و تاریک گلی میں گھستا چلا گیا۔ گلی کے اندر ایک مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا، سامنے ہی ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، میں نے نہایت عاجزی کے ساتھ، اس سے درخواست کی، بی بی مجھے

جان کا خوف ہے، دشمن میرے پیچھے لگا ہوا ہے خدا کے لئے مجھے پناہ دے دو، اس نیک خصلت نے فوراً مجھے اندر بلا یا، اور مجھ پر رحم کھاتے ہوئے اس نے کہا، آجاؤ میں تمھیں پناہ دیتی ہوں، تم میری امان میں ہو، اور مجھے ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی ، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ سپاہی سے جان بچی، تھوڑی ہی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ باہر اسی سپاہی کے بولنے کی آواز آرہی ہے، دروازے کے سوراخ میں سے میں نے جھانک کر دیکھا تو وہی سپاہی کھڑا اس عورت سے باتیں کر رہا ہے، کھڈ میں گرنے کی وجہ سے اس کی ٹانگ میں بھی چوٹ لگ گئی تھی، وہ کچھ لنگڑا رہا تھا، سر پر بھی کئی زخم تھے، میں سمجھ گیا کہ یہ اسی عورت کا شوہر ہے، اور میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ میں نے کہا ابراہیم تمھارے بچنے کی اب کوئی صورت نہیں، تمھاری موت ہی تمھیں یہاں لائی ہے۔ نیک دل خاتون کو اس سپاہی نے سارا ماجرا سنایا۔ خاتون نے انتہائی اطمینان، سکون اور شفقت و پیار کے ساتھ اس کی مرہم پٹی کی، اور دیر تک اس سے دل جوئی کی باتیں کرتی رہی، سپاہی کو کچھ سکون ملا اور وہ وہیں پڑ کر سو گیا عورت دبے پاؤں اٹھی، میرے پاس آئی، میں سمجھ گیا کہ ابراہیم اب تمھاری خیر نہیں، لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ وہ خاتون نہایت وقار کے ساتھ کھڑی کہہ رہی ہے، یہ سپاہی جس کو تم نے زخمی کیا ہے میرا شوہر ہے، تمھیں گرفتار کر کے مامون کے پاس حاضر کروں تو ایک لاکھ کا انعام بھی حاصل کر سکتی ہوں، اور تمھیں ذلیل ہوتا دیکھ کر اپنے جوش انتقام کو ٹھنڈا بھی کر سکتی ہوں، اس لئے کہ تم نے میرے محبوب شوہر کو بری طرح زخمی کیا ہے ،لیکن کیا کروں کہ تمھیں امان دے چکی ہوں، تم سے عہد کر چکی ہوں میری انسانیت اور شرافت گوارا نہیں کرتی کہ تمھیں کوئی گزند پہنچے۔

میں سر جھکائے شرمندہ اور خوف زدہ بیٹھا رہا، ایک لفظ بھی تو منہ سے نہ نکال سکا۔ سوچتا رہا کہ الٰہی یہ عورت ہے یا کوئی چٹان، عورت ہے یا کوئی فرشتہ میں بت بنا بیٹھا رہا، اور وہ مجھے کچھ دیر تکتی رہی، پھر بولی، خیر اس میں ہے کہ تم یہاں سے اسی وقت خاموشی کے ساتھ نکل جاؤ، اگر ان کی آنکھ کھل گئی تو میرے لئے سخت آزمائش ہوگی، اب تم دیر نہ کرو اور چپ

چاپ چلے جاؤ۔

میں ڈھرکتے دل اور ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ وہاں سے نکلا، کچھ دور چلا اور میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور یہ سوچتا رہا کہ یہ عورت بھی کس دل گردے کی تھی، زخموں سے چور شوہر کو دیکھ کر اور دشمن کو قبضے میں پا کر بھی اس نے اپنی آتش غضب پر قابو پایا۔ عام قسم کی عورت ہوتی تو مجھے کچا چبا جاتی۔ یہ سوچتا اور لوگوں کی نظروں سے بچتا بچاتا جا رہا تھا کہ مجھے اپنی ایک خاص باندی یاد آئی۔ میں نے سوچا اس آڑے وقت میں اس سے کیوں نہ مدد لوں۔ اور میں نے اس کے گھر کا رخ کیا۔ دروازے پر پہنچا تو مجھے دیکھ کر فوراً باہر نکل آئی، اور سسکیاں بھر کر رونے لگی۔ دیر تک محبت اور دل جوئی کی باتیں کرتی رہی اور مجھے دیکھ دیکھ کر روتی رہی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ چلو مصیبت کی کچھ گھڑیاں آرام سے گزر جائیں گی،..... تھوڑی دیر میں وہ باہر چلی گئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور میرے لئے کچھ کھانے پینے کا سامان لینے گئی ہے۔ میں نے سوچا کہ اب میں کچھ کھا پی کر سکون سے کچھ دیر آرام کر لوں گا۔ مگر کیا دیکھتا ہوں کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد دروازہ کھلتا ہے، اور وہ بلائیں لینے والی کنیز چند ظالم سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہوتی ہے، خلاف امید یہ منظر دیکھ کر میں کچھ دیر کے لئے گھبرا گیا، لیکن پھر میں نے جی کڑا کیا اور سوچا گھبرانے سے کیا حاصل؟ اور میں اسی زنانہ لباس میں گرفتار ہو گیا، اور اسی حالت میں سپاہیوں نے مجھے مامون کے دربار میں حاضر کیا۔

دربار میں پہنچا تو میں نے شاہی قاعدے کے مطابق سلام کیا، مامون غصے سے بے قابو تھا، اس نے کہا، خدا تجھے سمجھے! میں نے جھٹ کہا امیر المومنین جلدی نہ کیجئے، اس میں کیا شک کہ میں سخت سزا کا مستحق ہوں، لیکن اس میں بھی کیا شک کہ آپ کے اعلیٰ اخلاق سے عفو کی ناامیدی نہیں..... میرا قصور ہر قصور سے زیادہ ہے، لیکن آپ کی مثالی فیاضی اور عالی ظرفی آپ کے رتبے سے بہت فروتر ہے، آج اگر آپ مجھے سزا دینا چاہیں تو میں اس کا مستحق ہوں، اور آپ کے ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں، لیکن اگر درگزر سے کام لیں تو آپ اس

کے سزاوار ہیں اور یہ آپ کی بے مثل نوازش ہے۔ بے شک میں نے آپ کی شان میں جو گستاخیاں کی ہیں وہ بہت ہی عظیم ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی شان ان سے کہیں عظیم اور بالاتر ہے، اپنا حق لینا چاہیں تو کس میں دم مارنے کی مجال ہے، اور اگر درگزر کریں تو حلیم کی شان ہی یہ ہے..... اگر میری سرگرمیاں شریفانہ نہیں ہیں، تو امیر المومنین کے لئے کیا گنجائش کہ اس کے کام بھی شریفانہ نہ ہوں۔

میرے یہ پرتاثیر جملے بڑی تیزی کے ساتھ مامون پر اثر کر رہے تھے، میں ان کے چہرے کو پڑھ رہا تھا، ان کی غضب ناک نگاہیں محبت آمیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں نے اپنی کامیاب گفتگو برابر جاری رکھی، میرے ایک ایک فقرے سے ان کا دل پگھل رہا تھا آخر کار ان کا دل بھر آیا، انھوں نے اہل دربار پر سوالیہ نگاہ ڈالی اور بولے کہو کیا رائے ہے، سب نے ایک ساتھ کہا صرف قتل۔

مگر خدا بھلا کرے اس نیک دل وزیر اعظم کا جس نے سب کے خلاف رائے دی، اور اہل دربار کی ذرا برابر پروانہ کی، احمد بن ابو خالد نے کہا، امیر لمومنین بغاوت کے جرم میں قتل کی سزا ایک عام بات ہے، تاریخ میں یہ کوئی نادر مثال نہیں ہے۔' امیر لمومنین اگر آپ اپنی بے مثال فیاضی، اور بے نظیر حکم سے کام لے کر مجرم کو معاف فرما دیں تو یہ ایک ایسا عظیم کارنامہ ہوگا، جس پر آنے والی نسلیں صدائے آفرین بلند کریں گی اور پچھلی تاریخوں کے صفحات میں بھی ایسا زریں باب نہ مل سکے گا۔

مامون غور سے وزیر اعظم کی گفتگو سنتے رہے، اور پھر مجھ پر معنی خیز نگاہیں ڈالتے ہوئے بولے۔ ''میں اگر ان پر تیر چلاؤں گا تو کس کے لگے گا، میرے ہی تو لگے گا''۔

امیر المومنین کی زبان سے یہ جملہ سنتے ہی میں اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی، اور پوری قوت سے میں نے کہا، اللہ اکبر، امیر المومنین نے تاریخ میں ہمیشہ کے لئے مقام پیدا کر لیا۔ مامون فوراً خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئے، دیر تک سجدے میں پڑے رہے،..... پھر سر اٹھایا اور مجھ سے مخاطب ہوئے، چچا جان جانتے ہیں! میرے سجدے کی مصلحت کیا

ہے۔ میں نے کہا، امیر المومنین شاید اس بات پر آپ نے سجدہ کیا کہ خدا نے مجھے اطاطت امیر کی توفیق بخشی۔ بولے نہیں چچا جان میں سجدہ شکر اس لئے ادا کیا کہ خدا نے میرے غضب کی آگ کو ٹھنڈا کیا اور مجھے عفوودرگذر کی توفیق بخشی..... میں نے کہا الحمد اللہ۔ پھر امیر المومنین میرے قریب آئے اور بولے چچا جان، اس دور کی اپنی داستان تو سنایئے۔ چنانچہ میں نے امیر المومنین کو یہ پوری داستان سنائی، مامون الرشید نے میری عجیب وغریب داستان بڑی دل چسپی سے سنی۔

پھر مامون نے اس نوجوان کو بلایا جس نے میری مہمان نوازی میں کمال ہی کر دکھایا تھا، اس خاتون کو بلایا جس نے عہد کی پاسداری میں اپنے دشمن پر قابو پانے کے باوجود معاف کر دیا، اور اس مکار اور حریص کنیز کو بھی بلایا، جس نے چند سکوں کے لئے اپنے آقا کو قتل کے لئے پیش کر دیا۔ اور مامون نے اس نوجوان کے لئے سالانہ اشرفیاں مقرر فرمائیں۔ اس شریف خاتون کو بھی انعام واکرام سے مالا مال کر دیا اس لالچی کنیز کو بھی بلایا، جو انعام کے لالچ میں خوشی خوشی دوڑی دوڑی آئی لیکن مامون نے اس کو انعام کے بجائے عبرت ناک سزا دی۔

مخلوق خدا سے پیار

حضرت ذالنون مصریؒ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، جس رات آپ کا انتقال ہوا اسی رات تقریباً ستر بزرگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ ان لوگوں سے فرما رہے ہیں، آج خدا کا ایک ولی اور دوست آرہا ہے، میں اس کے استقبال کے لئے آیا ہوں، اور جب آپ کا یہ جنازہ اٹھایا گیا تو لوگوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ پرندوں نے پرے باندھ کر آپ کے جنازے پر سایہ کیا۔

ایک دن آپ کشتی میں سوار دریائے نیل میں سفر کر رہے تھے، مریدوں اور عقیدت مندوں کی ایک جماعت بھی ہم راہ تھی، سامنے سے ایک دوسری کشتی آئی جس میں لوگ گانے بجانے اور رنگ رلیاں منانے میں مست تھے اور ان کے شور وشغب سے کشتی میں

ایک ہنگامہ برپا تھا۔مریدوں نے یہ منظر دیکھا تو حضرت ذوالنون مصریؒ سے درخواست کی ،حضرت !ان کے حق میں بددعا فرمایئے ،کہ یہ خدا سے غافل اس طرح خرمستیوں میں مبتلا ہیں ،بددعا فرمایئے کہ خدا ان سب کو اسی دریا میں غرق کردے ،اور خدا کی مخلوق کو ان کی نحوست اور شرارت سے نجات ملے۔حضرت ذالنون مصریؒ نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھادیئے۔مریدوں نے بھی ہاتھ اٹھادیئے۔

آپ نے عرض کیا پروردگار!تو نے اپنے ان بندوں کو جس طرح دنیا کی زندگی میں ہر طرح کا عیش اور خوشیاں عنایت فرمائی ہیں ، پروردگار! آخرت میں بھی ان کو اسی طرح خوشیاں عطا فرما.....

دُعا کے یہ کلمات سن کر عقیدت مندوں کو سخت حیرت ہوئی ،اتنے میں وہ کشتی بالکل آپ کی کشتی کے سامنے آگئی ، کشتی قریب آئی اور ان لوگوں نے حضرت ذوالنون مصریؒ کو دیکھا تو انتہائی شرمندہ ہوئے ۔اپنی پشیمانی اور شرمندگی کا اظہار کیا۔گانے بجانے کے سارے آلات توڑ کر دریا میں پھینکے ،حضرت سے معذرت کی اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے آپ کے مریدوں میں شامل ہوگئے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے مریدوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا،تم نے دیکھ لیا سب کی مراد پوری ہوگئی ،تمھاری مراد بھی حاصل ہوگئی اور وہ لوگ بھی خدا کے فضل سے اپنی مراد کو پہنچ گئے۔

حق پسندی

بنی اُمیہ کے خلفا میں حضرت ہشامؒ بڑے مرتبے کے خلیفہ گزرے ہیں ایک بار ہشامؒ ایک شخص سے ناراض ہوگئے اور غصے میں اسے برا بھلا کہنا شروع کیا۔اس دن آپ کچھ ایسے غضب ناک تھے کہ بہت دیر تک اس شخص کو ڈانٹتے رہے ، وہ سنتا رہا ،مگر کب تک سنتا ، آخر اس سے رہا نہ گیا ،تو وہ اکڑ کر کھڑا ہوگیا اور سخت لہجے میں حضرت ہشام سے مخاطب ہوا۔

”امیر المومنین ! حیرت ہے کہ میں آپ کے منہ سے یہ باتیں سن رہا ہوں ،خلیفہ اور یہ بد

زبانی! آپ کوشرم نہیں آتی، آپ تو اس زمین پر خدا کے نائب اور خلیفہ ہیں، کیا خدا کا نائب ایسا شخص بھی ہوسکتا ہے، جس کو اپنی زبان پر بھی قابو نہ ہو، اور جذبات میں ایسی اول فول باتیں کرنے لگے، ہشام توقع کے خلاف اس شخص کی یہ کھری کھری باتیں سن کر شرم سے پانی پانی ہو گئے، اور نہایت نرمی سے فرمایا۔ ''اچھا بھائی بدلہ لے لو''۔

''بدلہ لے لوں! گویا میں بھی آپ کی طرح بدزبانی کروں!'' اس شخص نے بڑی جرأت کے ساتھ جواب دیا۔

''اچھا بھائی! تو پھر بدلے میں کچھ مال و دولت لے لو''۔ خلیفہ نے اس شخص کو راضی کرتے ہوئے تجویز رکھی۔

''حیرت ہے امیر المومنین! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، کیا گالیوں کا بدلہ مال و دولت ہے! کیا مال سے بھی گالیوں کی تلافی ہوسکتی ہے؟ اس شخص نے بڑی بے خوفی سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا۔

خلیفہ کے لہجے میں کچھ اور نرمی پیدا ہوئی اور بڑی عاجزی کے ساتھ فرمایا، اچھا تو پھر میری غلطی معاف کر دو، برائے خدا میری غلطی معاف کر دو۔ یہ کہتے ہوئے خلیفہ کی آواز بھر آ گئی اور مجمع پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

اس شخص نے بھی سر جھکا لیا اور ہلکی آواز میں بولا۔ امیر المومنین! اب آپ نے صحیح بات فرمائی، اللہ آپ کا بھلا کرے اور آپ کی کوتاہی معاف کرے۔

عبرت پذیری

چوتھی صدی میں سامانی خاندان کے فرماں روا انصر بن احمد جب نیشاپور میں داخل ہوئے تو انھوں نے اپنا دربار منعقد کیا اور جاہ و جلال کے ساتھ تخت سلطنت پر بیٹھے، تخت پر بیٹھنے کے بعد فرمائش کی کہ کارروائی کا افتتاح کلام پاک کی تلاوت سے ہو، ایک بزرگ تلاوت قرآن کے لئے تشریف لائے، اور انھوں نے پرسوز لہجے میں سورۂ المومن کا دوسرا رکوع پڑھنا شروع کیا جب وہ اس آیت پر پہنچے:۔

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ غافر16:40

(آج اقتدار کس ہے؟ اللہ واحد وقہار کا)

یعنی قیامت کے روز پوچھا جائے گا کہ بتاؤ آج اقتدار کس کا ہے؟ تو سارا عالم پکار اٹھے گا، اقتدار صرف اللہ کا ہے جو واحد وقہار ہے۔

جس وقت قاری اس آیت پر پہنچے، نصر بن احمد پر ہیبت طاری ہو گئی، لرزتے ہوئے تخت سے نیچے اترے، شاہی تاج سر سے اتارا، سجدے میں گر گئے، اور دیر تک کہتے رہے۔

''اے میرے رب! اقتدار تیرا ہی ہے نا کہ میرا، بادشاہی تیری ہی ہے نہ کہ میری!

قناعت

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے وقت کے مانے ہوئے عالموں میں سے ایک تھے، آپ توکل، قناعت اور تسلیم درضا میں اپنی مثال آپ تھے۔

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے ایک بار حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو لکھا، کہ حضرت بھوپال میں آپ کی ضرورت ہے، اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو میں ہر ماہ آپ کو تین سو روپے نذرانہ پیش کروں گا۔

حضرتؒ نے اس خط کا جواب دیا ہے، وہ تاریخ میں ہمیشہ یادرہے گا۔

آپ نے لکھا:.....

''آپ کی پیش کش کے لئے میں دل سے شکر گزار ہوں، رہا وہاں حاضری کا مسئلہ تو یہاں دارالعلوم سے مجھے دس روپے ماہانہ ملتے ہیں، پانچ روپے میں بخوبی گھر کا خرچ چل جاتا ہے اور ہر مہینے مجھے پانچ روپے کا مصرف تلاش کرنا پڑتا ہے، اگر وہاں آجاؤں گا تو ہر مہینے دوسو پچانوے روپے کا مصرف تلاش کرنا پڑے گا، اور یہ زحمت اٹھانا میرے لئے انتہائی دشوار ہے۔

صبر واستقامت

ہزاروں کافروں کے نرغے میں صرف انتالیس مسلمان ہیں جو شب و روز ان ظالموں کا ظلم وستم سہ رہے ہیں محض اس جرم میں کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے خدا کی بندگی کرنا چاہتے ہیں، اور دنیا سے شرک کے اندھیرے کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں یہ انتالیس مردان حق انتہائی بے بس ہیں، مظلوم ہیں، مادی وسائل سے محروم انتہائی کمزور ہیں مگر انھیں یہ یقین ہے کہ سب سے بڑا سہارا خدا کا سہارا ہے اور یہ یقین اس طرح ان کے دل کے ریشے ریشے میں پیوست ہو گیا ہے کہ وہ ہر ظلم وستم سے بے پروا اور ہر طاقت سے بے خوف ہیں، ان کے حوصلے نہایت بلند ہیں انھیں فکر اپنے جان و مال کی نہیں بلکہ اپنے آقا اور اس کے پیغام کی ہے کہ کس طرح نادانوں اور ظالموں کے دل میں اسے اتار دیں، حالات اس قدر سنگین ہیں کہ چھپ چھپ کر دعوت حق پیش کی جا رہی ہے مگر یہ جان نثار بے تاب ہے کہ آخر حق کی روشنی کو چھپایا کیوں جائے، کیوں نہ برملا اس حقیقت کا اعلان کیا جائے کہ لات ومنات کے پاس کوئی طاقت نہیں، خدا تو بس ایک ہی ہے اس کے سوا نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ چنانچہ ایک دن (اور یہ بڑا مبارک دن تھا اس لئے کہ اسی دن حضور کے چچا سید الشہد احضرت حمزہؓ ایمان لائے اور مسلمانوں کی تعداد پوری چالیس ہو گئی تھی (حضور کے صحابی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی۔

یارسول اللہ! اب تو اجازت دیجئے کہ ہم کھلم کھلا حق کی دعوت پیش کریں!

"نہیں ابوبکر! ابھی موقع نہیں ہے یہ نادان غصے میں بپھر کر تمھیں اذیت پہنچائیں گے۔ اور پھر جب ابوبکر صدیقؓ نے اصرار کیا تو دعوت قبول ہو گئی، شمع رسالت کے پروانے بیت اللہ میں جمع ہوئے اور ابوبکر صدیقؓ نے تقریر شروع کی، یہ پہلی تقریر تھی جس میں علی الاعلان اسلام کی دعوت پیش کی گئی۔

تقریر شروع ہوئے کچھ ہی دیر گذری تھی کہ مشرکین سفاک درندوں کی طرح غصے سے بے قابو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور انتہائی بربریت کا مظاہرہ کیا، زمین کے ان قیمتی

جوہروں کو لاتوں اور جوتوں سے مارا، پاؤں سے روندا اور مکے کے اس شریف انسان کے ساتھ اپنی ذلت اور بربریت کا اظہار اس طرح کیا کہ اس کے چہرے کو بری طرح زخموں سے لہولہان کر دیا، رسول کے رفیق غار کا چہرہ زخموں سے اس طرح چور تھا کہ پہنچانے نہ جاتے تھے، زخموں کی تاب نہ لاکر ابوبکرؓ بے ہوش ہو گئے۔

بنو تمیم والوں کو خبر ہوئی تو وہ آئے اور اپنے قبیلے کو چشم و چراغ کو اٹھا لے گئے زخموں سے چور، خون میں لتھڑے ہوئے لاشے کو دیکھ کر سب ہی سمجھ رہے تھے کہ اب بچنا ممکن نہیں چنانچہ بنو تمیم کے لوگ مسجد حرام میں آئے اور اعلان کیا کہ اگر ابوبکر کی اس حادثہ میں موت ہو گئی تو ہم عتبہ سے خون کا بدلہ لیں گے اور اس کو بتائیں گے کہ قتل کا بدلہ قتل ہے، اس بدنصیب نے ہمارے جوان کی جان لینے میں بڑی شقاوت اور سنگ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔

شام کی سیاہی پھیل رہی تھی، گھر کے لوگ زخمی جوان کے اردگرد بیٹھے تھے کہ کس طرح ہوش آئے اور ابوبکر بات کریں جب تاریکی پھیل گئی اور مامتا کی ماری بوڑھی ماں ہلا ہلا کر آوازیں دینے لگی تو یکا یک ابوبکرؓ نے آنکھیں کھولیں، ماں کی آنکھوں سے خوشی کے دو موتی گرے، ابوبکر کے ہونٹ ہلے، گھر والوں نے کان لگائے کہ شاید کچھ کھانے پینے کو مانگ رہے ہوں مگر ہونٹوں پر یہ الفاظ تھے۔

''محمد کا کیا حال ہے؟

یہ الفاظ سنتے ہی لوگ ناگواری سے پیچھے ہٹ گئے اور دبی زبان سے برا بھلا کہنے لگے کہ جس شخص کی بدولت یہ تکلیفیں پہنچیں، ہوش آیا تو انھیں کو یاد کر رہے ہیں، اور کچھ دشمنان اسلام کو ابوبکرؓ کا بولنا اس لئے ناگوار تھا کہ وہ تو ان کی موت کا انتظار کر رہے تھے اور پھر بیزاری کے ساتھ وہاں سے یہ کہہ کر روانہ ہوئے کہ۔

ام خیران کے کھانے پینے کے لئے کچھ لاؤ ہم چلتے ہیں، ام خیران کے کھانے پینے کے لئے کچھ تیار کر کے لائیں اور بیٹے سے اصرار کرنے لگیں کہ بیٹے کچھ کھا لے، مگر وہاں ایک ہی صدا تھی کہ رسول اللہ کا کیا حال ہے؟ ان پر کیا گذری، بدبختوں نے ان کے ساتھ تو

کوئی گستاخی نہیں کی، ام خیر بولیں، بیٹے کیا معلوم ان کا کیا حال ہے؟

تو اماں ذرا عمر کی بہن ام جمیل سے معلوم کراؤ کہ رسول اللہ کا کیا حال ہے؟

ابوبکرؓ نے بڑی بے تابی سے کہا، ماں بیٹے کی محبت میں بے تاب بیٹے کی آرزو پوری کرنے کے لئے ام جمیل کے یہاں پہنچیں اور کہا بہن محمدؐ کا بھی کچھ حال معلوم ہے؟

ام جمیل ۔ان کا حال کیا بتاؤں ! سنا ہے تمھارے بیٹے کو کچھ نادان لوگوں نے بری طرح زخمی کر دیا ہے اگر موقع ہو تو میں بھی چل کر دیکھ لوں ۔ام خیر ان کو لئے واپس گھر آئیں ام جمیل نے ابوبکرؓ کی حالت دیکھی تو تاب نہ لا سکیں اور بے تحاشا رونے لگیں، دیر تک روتی رہیں کہ ان سنگ دلوں نے کس بری طرح اپنی خباثت کا اظہار کیا ہے، یہ چہرے کا کیا حال کر دیا ہے خدا ان بدبختوں کو سمجھے۔ابوبکرؓ نے پوچھا، ام جمیل رسول اللہ تو خیریت سے ہیں، ام جمیل نے خاموشی سے ابوبکرؓ کی والدہ ام خیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ بیٹھی ہیں کیسے بتاؤں یہ سمجھ جائیں گی کہ میں بھی مسلمان ہو چکی ہوں۔

ابوبکرؓ نے کہا ان کی فکر نہ کرو تم بے کھٹکے بتاؤ۔

ام جمیل نے بتایا کہ خدا کے فضل سے رسول اللہ بالکل بخیر ہیں اللہ ہمیشہ انھیں سلامت رکھے۔

اس وقت کہاں تشریف رکھتے ہیں، ابوبکر نے بڑی بے قراری سے پوچھا۔

اس وقت ارقم کے مکان میں رونق افروز ہیں، ام جمیل نے رازداری سے بتایا۔

ابوبکرؓ نے اپنی شفیق اور مغموم والدہ کی طرف رخ کرتے ہوئے پر جوش لہجے میں کہا۔

پیدا کرنے والی ماں کی قسم ! اس وقت تک کوئی چیز حلق سے نیچے نہیں اتاروں گا، جب تک اپنی آنکھوں سے رسول اللہ کا دیدار نہ کرلوں، مغموم ماں اور بے قرار ہو گئیں کہ ابوبکرؓ کچھ کھا لیتے تو ذرا جان آجاتی اور اس نے قسم کھالی کہ جب تک محمد کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں کچھ نہ کھاؤں گا۔

بوڑھی ماں بیٹے کی محبت میں غم زدہ بیٹھی یہ انتظار کر رہی تھی کہ تھوڑی رات اور گذر جائے اور مکے کی گلیوں میں لوگوں کی آمدرفت بند ہو جائے تو میں اپنے جگر گوشے کو لے کر ارقم کے گھر پہنچوں، اندیشہ تھا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو خدانخواشتہ اور اذیت پہنچائے۔

جب رات اچھی خاصی گزر گئی چاروں طرف سناٹا چھا گیا تو ام خیر اپنے زخمی بیٹے کو لئے بمشکل تمام ارقم کے گھر پہنچیں۔ ابوبکرؓ نے رسول اللہ کو دیکھا تو چیخ مار کر لپٹ گئے، رحمت عالمؐ نے بھی لپٹایا اور اپنے رفیق کی یہ حالت دیکھ کر زار زار رونے لگے، خدا کے رسول کو روتا دیکھ کر کوئی بھی گریہ ضبط نہ کر سکا اور سارے مسلمان ابوبکرؓ کے زخمی چہرے اور زخموں سے چور جسم کو دیکھ کر رونے لگے۔ دیر تک روتے رہے۔

ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی۔

''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرے ساتھ یہ میری والدہ ہیں، یا رسول اللہ ان کے حق میں ہدایت کی دعا فرمایئے اور ان کو حق کا پیغام پہنچایئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام خیر کی ہدایت کے لئے دعا فرمائی اور ان کو ایمان و اسلام کی ترغیب دی۔

نبی کی دعا قبول ہوئی اور ام خیر اسلام کی دولت سے مالا مال اپنے جگر گوشے کو ساتھ لئے خوش خوش لوٹ آئیں۔

غیرت وحمیت

قریش غصے سے دیوانے ہو رہے تھے۔ ان کی سمجھ کام نہیں کر رہی تھی کہ وہ اس پھیلتی ہوئی روشنی کو کیسے روکیں۔ ظلم وستم کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو انھوں نے آزمایا نہ ہو، ستانے اور پریشان کرنے کا کوئی انداز نہ تھا جو انھوں نے اختیار نہ کیا ہو، مگر وہ پریشان تھے کہ طلوع سحر کے بعد آفتاب نبوت کی روشنی برابر بڑھتی جا رہی تھی۔ آفتاب نبوت سے کدر کھنے والوں میں ابوجہل سب سے پیش پیش تھا۔

ایک دن اس نے دیکھا کہ کوہ صفا کا دامن آفتاب نبوت کی موجودگی سے جگمگا رہا

ہے۔ غصے سے بے تاب ہو گیا۔قریب پہنچا اور دیر تک شان رسالت میں گستاخی کرتا رہا .....رحمت عالم وقار و تحمل کا پیکر بنے سنتے رہے اور جواب میں ایک لفظ بھی نہ بولے۔ ابو جہل کے غصے کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔اور روسیاہ نے زمین سے ایک پتھر اٹھا کر پوری قوت سے سر مبارک پر مارا۔زخم سے خون بہنے لگا۔رحمت عالمؐ خاموشی سے اٹھے زخم پر ہاتھ رکھا اور ہلکے ہلکے قدم اٹھاتے ہوئے اپنے گھر تشریف لے آئے۔ابو جہل دندناتا ہوا صحن کعبہ میں جا بیٹھا، وہاں پہلے سے کچھ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے، یہ بھی ان میں شامل ہو گیا اور اپنی قسمت پھوڑنے کا تازہ واقعہ مزے لے لے کر فخریہ بیان کرنے لگا سرداران قریش خوش ہو رہے تھے، ان کے جوش انتقام کو تسکین مل رہی تھی مگر قضا و قدر نے اس شر سے خیر کو جنم دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔مکہ میں ہر طرف اس واقعہ کا چرچا ہو رہا تھا۔مکہ کے ایک شیر دل بہادر امیر حمزہؓ اس دن شہر مکہ میں موجود نہ تھے۔یوں بھی ان کی عادت تھی کہ وہ تیر کمان لے کر صبح سویرے ہی جنگل کی طرف نکل جاتے۔دن بھر جنگل میں شکار کھیلتے اور شام کو واپس آتے۔واپسی میں پہلے بیت اللہ کا طواف کرتے اور پھر اپنے گھر جاتے۔

آج جب اپنے پروگرام کے مطابق واپس آئے تو راستے ہی میں ابو جہل کی لونڈی نے سارا واقعہ سنایا۔اس نے بتایا کہ تم جنگلوں میں گھوم رہے تھے اور تمھارا چہیتا بھتیجا اور دودھ شریک بھائی محمد گھر میں زخمی پڑا ہے۔یہ سنتے ہی امیر حمزہ کی حالت غیر ہو گئی۔دراصل امیر حمزہ کو اسلام سے بے تعلقی کے باوجود حضرت محمدؐ سے غیر معمولی محبت تھی۔خون کا رشتہ بھی تھا اور دودھ کا بھائی بھی۔غصے سے بے تاب ہو گئے۔دل میں ٹھان لی کہ آج بھتیجے کا بدلہ ضرور لے کر رہوں گا۔خانہ کعبہ پہنچے۔معمول کے مطابق وقار کے ساتھ طواف کیا۔طواف سے فارغ ہوئے تو دیکھا کچھ لوگ بیت اللہ کے صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور ان میں وہ ظالم بھی بیٹھا ہے جس نے ان کے بھتیجے کر سر پر پتھر مارا ہے۔جوش انتقام سے بے قابو ہو گئے اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح ابو جہل پر ٹوٹ پڑے..... پوری قوت سے اپنی کمان اس کے سر پر جمائی کہ سر کھل گیا۔خون بہنے لگا، ابو جہل اس اچانک حملے سے گھبرا گیا۔یوں

بھی اس بہادر شیر کا مقابلہ آسان نہ تھا، جس کی بہادری پر قریش کو فخر تھا۔ امیر حمزہؓ نے کہا ''ہمت ہے تو مقابلے میں آ۔ سن! میں نے بھی وہی دین قبول کر لیا ہے جو محمدؐ کا دین ہے میں بھی وہی کہتا ہوں جو محمد کہتا ہے۔ اگر تو میرا کچھ بگاڑ سکتا ہے تو اٹھ''۔

ابو جہل کی تو کچھ ہمت نہیں ہوئی لیکن اس کے ساتھی غصے میں اس کی حمایت کے لئے اٹھے، لیکن خود ابو جہل نے ان کو سمجھا بجھا کو ٹھنڈا کیا۔ ابو جہل بڑا گھاگ تھا، وہ اپنی چوٹ کو تو بھول گیا اور امیر حمزہؓ کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔

''سن میں نے بھی وہی دین قبول کر لیا ہے جو محمدؐ کا دین ہے اور میں بھی وہی کہتا ہوں جو محمدؐ کہتا ہے''۔

کیا واقعی امیر حمزہ بھی مسلمان ہو جائے گا۔ کیا یہ شیر دل، قریش کا مایہ ناز پہلوان اب محمد کی حمایت کرے گا، ہو سکتا ہے غصے سے بے قابو ہو کر اس نے یہ الفاظ کہہ دئے ہوں۔ اور ابو جہل نے چال چلی۔

''امیر حمزہ سے کچھ نہ کہو۔ غیرت اور حمیت اس کی رگ رگ میں بھری ہے۔ یہ غیور جوان قریش کا سرمایہ ہے، میں نے اس کے بھتیجے پر واقعی زیادتی کی ہے۔ اگر آج حمزہ مجھ سے بدلہ نہ لیتا تو میری امیدوں پر پانی پھر جاتا۔ غیرت وحمیت کا یہ پتلا بھلا یہ گوارا کر سکتا تھا کہ بے غیرتوں کی طرح اپنے بھتیجے کے زخم سے خون رستا ہوا دیکھتا اور خاموش بیٹھ رہتا؟ ابو جہل نے اپنے ساتھیوں کے غصے کو ٹھنڈا کیا۔

امیر حمزہؓ یہاں سے روانہ ہو کر سیدھے اپنے بھتیجے کے پاس پہنچے۔ بھتیجے کو دیکھا اور کہا۔ محمدؐ خوش ہو جاؤ کہ میں نے اس بدنصیب سے تمھارا بدلہ لے لیا ہے۔ اسی کمان سے اس کا سر پھاڑ کے آ رہا ہوں۔

''چچا جان آپ کے بھتیجے کے لئے ان باتوں میں خوشی کا کون سا موقع ہے کاش میری حمایت کے بجائے آپ یہ سب کچھ اسلام کی حمایت میں کرتے۔ میری خوشی تو صرف اس میں ہے کہ آپ اپنے خدا کا وہ دین قبول کر لیں جس میں آپ کی دنیا اور آخرت کی بھلائی

ہے''۔خدا نے اپنے حبیب کی سن لی۔امیر حمزہؓ کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا اور وہی ہوا جس کا ابو جہل کو اندیشہ تھا۔امیر حمزہؓ نے کلمہ پڑھا اور اسلام کی آغوش میں آ گئے۔قریش کے گستاخ اور اُجڈ اب شانِ رسالت میں گستاخی کرتے جھجکنے لگے۔

کل تک وہ بے پروائی سے جس مسلمان سے چاہتے سلوک کرتے مگر اب وہ سوچنے پر مجبور ہوتے اور بہ آسانی ان کی ہمت نہ پرتی کہ کسی پر ہاتھ اٹھائیں، یا شانِ نبوت میں کوئی گستاخی کریں۔

اسلام کی طاقت کا راز یہی ہے کہ اس کے داعی، حکمت، خلوص اور سوز کے ساتھ اپنے اصل فریضے کو ادا کرتے رہیں، اور اپنی یا ملت کی حفاظت کے بجائے اسلام کی حفاظت اور اشاعت میں اپنی قوتیں کھپائیں۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

ہماری دیگر مطبوعات

خطبات
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

قادیانی مسئلہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

معاشیات اسلام
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اسلام اور ضبط ولادت
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

سنت کی آئینی حیثیت
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

زادِ راہ
مولانا جلیل احسن ندویؒ

آداب زندگی
محمد یوسف اصلاحی

حسن معاشرت
محمد یوسف اصلاحی

داعی اعظمؐ
محمد یوسف اصلاحی

آسان فقہ
اول، دوم
محمد یوسف اصلاحی

راہ عمل
مولانا جلیل احسن ندوی

جلوۂ فاران
عنایت اللہ سبحانی

محمد عربیؐ
عنایت اللہ سبحانی



اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

منصورہ ملتان روڈ، لاہور پاکستان



U00407